کلیات آغا حشر کاشمیری

2

(شہید ناز، سفید خون، صید ہوس)

مرتبین
آغا جمیل کاشمیری
یعقوب یاور

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل (حکومتِ ہند)
ویسٹ بلاک 1، آر کے پورم، نئی دہلی 110 066

Kulliyat-e Agha Hashr Kashmiri-2
Edited by : **Agha Jameel Kashmiri**
&
Yaqoob Yawar

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت : اپریل، جون 2004 شک 1926
پہلا اڈیشن : 1100
قیمت : -/143
سلسلہ مطبوعات : 1159

ISBN: 81-7587-057-5

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر کے پورم، نئی دہلی 110066
طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد، دہلی110006

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ اس کی کارگزاریوں کا دائرہ کئی جہتوں کا احاطہ کرتا ہے جن میں اردو کی ان علمی و ادبی کتابوں کی مکرّر اشاعت بھی شامل ہے جو اردو زبان و ادب کے ارتقاء میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور اب نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ ہمارا یہ ادبی سرمایہ محض ماضی کا قیمتی ورثہ نہیں، بلکہ یہ حال کی تعمیر اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں ہماری رہنمائی بھی کرتا ہے اور اس لیے اس سے کما حقہٗ واقفیت بھی نئی نسلوں کے لیے ضروری ہے۔ قومی اردو کونسل ایک منضبط منصوبے کے تحت قدیم اور جدید عہد کے شاعروں اور نثر نگاروں تک تمام اہم اہلِ فکر و فن کی تصنیفات شائع کرنے کی خواہاں ہے تاکہ نہ صرف اردو کے اس قیمتی علمی و ادبی سرمائے کو آنے والی نسلوں تک پہنچایا جا سکے بلکہ زمانے کی دستبرد سے بھی اسے محفوظ رکھا جاسکے۔

عہدِ حاضر میں اردو کے مستند کلاسیکی متون کی حصولیابی، نیز ان کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، لیکن قومی اردو کونسل نے حتی الوسع اس مسئلے پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ کلیات آغاحشر کاشمیری اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جسے کونسل قارئین کی خدمت میں پیش کر رہی ہے۔

اہل علم سے گزارش ہے کہ کتاب میں کوئی خامی نظر آئے تو تحریر فرمائیں تاکہ اگلی اشاعت میں دور کی جاسکے۔

(ڈائرکٹر محمد حمید اللہ بھٹ)

ڈائرکٹر

فہرست

دیباچہ 7

1۔ شہید ناز 21

2۔ سفید خون 117

3۔ صید ہوس 238

دیباچہ

ڈرامے کا تعلق تمثیل اور نقالی سے ہے یہی سبب ہے کہ اس کے ابتدائی نمونے ان علاقوں میں ملتے ہیں جہاں بت پرستی عام تھی ہندوستان اور یونان ایسے ہی خطے ہیں لیکن ان دونوں علاقوں میں ڈرامے کی روایت انفرادی طور پر پروان چڑھی۔ آگے چل کر جب دونوں میں تہذیبی روابط استوار ہوئے تو دونوں نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا۔ ہندوستان میں کالی داس کے ڈراموں کی فکری و فنی بلندی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ابتدا ایک صدی قبل مسیح سے کافی پہلے ہوئی ہوگی۔ بدھ اقتدار میں آئے تو انھوں نے بھی اسے اپنے عقائد کی ترویج کے لیے مفید پایا۔ رفتہ رفتہ مختلف ناٹک منڈلیاں وجود میں آئیں جنھوں نے اس کی شکل ایسی بدلی کہ اس کا تعلق سماج کے نچلے طبقے سے رہ گیا۔

مسلمان ہندوستان آے تو ان کا سابقہ ڈرامے کی اسی شکل سے پڑا۔ اول تو ان کا عقیدہ ایسی چیزوں کی سرپرستی کی اجازت نہیں دیتا تھا دوسرے اس عہد میں ڈرامے شرفا کے معیار پسند سے نیچے کی چیز ہو گئے تھے۔ اس لیے اس فن کی خاطر خواہ ترقی نہ ہوسکی۔ البتہ شاہان اودھ کے آخری دور میں اس جانب توجہ دی گئی اور یہی اردو ڈرامے کے آغاز کا زمانہ ہے، جب سید آغا حسن امانت لکھنوی نے اندرسبھا کی تخلیق کی جسے اسٹیج پر بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس عہد میں امانت کی نقل میں متعدد اندر سبھائیں لکھی گئی۔ حتی کہ یہ لفظ ڈرامے کے متبادل کے طور پر استعمال

ہونے لگا۔ یہ اندر سبھائیں ملک کے مختلف حصوں میں اسٹیج کی گئیں۔

اسی زمانے میں عروس البلاد بمبئی میں بھی اردو ڈراموں کی جانب لوگوں کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ یہاں کی روایت کا سلسلہ اودھ کے بجائے انگریزی اور مراٹھی اسٹیج سے جڑا ہوا تھا۔ لوگوں کی غیر معمولی دلچسپی نے اسے ایک منافع بخش کارو بار کی شکل دے دی تھی۔ کارو باری مسابقت نے اسے پھلنے ، پھولنے اور نکھرنے کے وافر مواقع فراہم کیے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اردو ڈراموں کے افق پر آغا حشر کاشمیری نمودار ہوئے۔

آغا حشر کی پیدائش بنارس میں 4/3 اپریل 1879 کی درمیانی شب میں ہوئی۔ ان کے اجداد کا تعلق ان کے والد آغا غنی شاہ تک کشمیر سے قائم رہا لیکن خود آغا حشر کا راست تعلق کشمیر سے نہیں تھا۔ والدین نے ان کا نام آغا محمد شاہ رکھا لیکن بعد میں انھیں شہرت آغا حشر کاشمیری کے نام سے ملی۔

جیسا کہ ان دنوں شرفا کے گھروں میں رواج تھا ،آغا حشر کو عربی، فارسی اور دینیات کی تعلیم مولوی حافظ عبد الصمد نے دی جو اس زمانے کے مشہور معلم تھے۔ آغا صاحب کے والد انھیں عالم دین بنانا چاہتے تھے لیکن خود آغا حشر کو انگریزی تعلیم سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ خاندان کے بعض افراد کے اصرار پر ان کا داخلہ جے نرائن اسکول میں کرا دیا گیا، جہاں انھوں نے درجہ چھ تک تعلیم حاصل کی۔جب تک وہ اس اسکول میں زیر تعلیم رہے، اپنی ذہانت سے اپنے اساتذہ کا دل جیتتے رہے۔ اسی زمانے میں انھیں شاعری کا شوق ہوا اور وہ فارسی اور اردو میں شعر کہنے لگے۔

زمانہ طالب علمی میں ہی آغا حشر کو ڈرامے سے دلچسپی ہوگئی تھی۔ فرصت کے اوقات میں وہ اپنے ہم جماعتوں کو ساتھ لے کر اسکول سے متصل قبرستان میں چادریں تان کر اندر سبھا اسٹیج کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں جبلی تھیٹریکل کمپنی بنارس آئی۔ طلب علموں کو رعایتی داموں پر ٹکٹ فراہم کرنے سے انکار پر آغا حشر نے رفیع الاخبار میں اس کمپنی کے ڈراموں پر شدید نکتہ چینی کی۔

کمپنی کی طرف سے اس کا جواب شائع ہوا تو آغا حشر نے اور شدت سے حملہ کیا۔ اس اخبار بازی سے بچنے کے لیے کمپنی کے مالکوں نے حشر کو مفت ڈراما دیکھنے کی دعوت دے کر مصالحت کرلی اس طرح نہ صرف آغا حشر کو ڈراما دیکھنے کا موقع ملنے لگا بلکہ کمپنی کے ڈائریکٹر امرت لال اور ڈراما نویس مہدی حسن احسن لکھنوی سے بھی اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ ایک دن کسی بات پر احسن صاحب سے بحث ہوگئی جس کے دوران حشر نے ان سے کہہ دیا کہ جیسا ڈراما آپ لکھتے ہیں، میں ایک ہفتے میں لکھ سکتا ہوں۔ احسن صاحب جیسے پختہ کار کے سامنے ایک نوجوان کا یہ دعویٰ تعلّی کے مترادف تھا تاہم اسے نبھانے کے لیے آغا حشر نے نہ صرف ڈراما ''آفتابِ محبت'' لکھا بلکہ دوستوں کا ایک کلب بنا کر اسے اسٹیج بھی کر دکھایا۔ یہی آغا حشر کا پہلا ڈرامہ ہے جو 1897ء میں جواہر اکسیر پریس، بنارس میں چھپ کر شائع ہوا۔

ایک طرف آغا حشر کی دلچسپیوں کا یہ حال تھا، دوسری طرف ان کے والد آبائی کاروبار میں ان کی دلچسپی نہ دیکھ کر ان کے مستقبل کی طرف سے فکر مند تھے۔ چنانچہ کافی غور و فکر کے بعد انھوں نے اپنے رسوخ کا استعمال کرتے ہوئے بنارس میں میونسپل بورڈ میں ان کے لیے ایک معقول ملازمت کا انتظام کردیا۔ اس ملازمت کے لیے کچھ زرِ ضمانت مطلوب تھا۔ آغا غنی شاہ بیٹے کو ساتھ لے کر میونسپلٹی گئے لیکن کسی ضروری کام کی وجہ سے مطلوبہ رقم آغا حشر کے حوالے کر کے گھر چلے آئے۔ اتفاقاً کوئی ایسی صورت پیش آئی کہ یہ رقم اس دن میونسپلٹی کے خزانے میں جمع نہ ہوسکی۔ جب آغا حشر گھر لوٹ رہے تھے تو راستے میں انھیں کچھ دوست مل گئے جن کی خاطر مدارات میں اچھی خاصی رقم خرچ ہوگئی اس کے بعد والد کی جواب طلبی کے خوف سے ان کا رخ گھر کے بجائے اسٹیشن کی جانب مڑ گیا اور وہ بمبئی جا پہنچے۔

بمبئی آغا حشر کے لیے نئی جگہ تھی۔ ان کے علم میں تھا کہ ان کے ایک دوست عبداللہ بمبئی میں رہتے ہیں۔ وہ انھی کے پاس پہنچے اور ان کے ساتھ رہنے

لگے۔ عبداللہ شاعری کے دلدادہ تھے۔ اتفاق سے اسی دن بمبئی میں کوئی مشاعرہ تھا۔ وہ آغا حشر کو لے کر اس میں شریک ہوئے۔ یہاں کسی بات پر بمبئی پنچ کے ایڈیٹر مولوی فرخ سے ان کی جھڑپ ہوگئی۔ اور یہ جھگڑا بمبئی پنچ کے صفحات تک آگیا۔ اس طرح آغا حشر شہر کے ادبی حلقوں میں متعارف ہوگئے۔ کچھ دنوں بعد اپنے ایک دوست کے اصرار پر وہ الفریڈ کمپنی کے مالک کاوس جی پالن جی کھٹاؤ سے ملے۔ کاوس جی اس وقت چائے پی رہے تھے۔ حشر نے ان کے حسب فرمائش چائے پر ایک فی البدیہہ نظم کہہ کر سنائی۔ اس کے بعد انھوں نے حشر کو دوسرے دن ملنے کے لیے کہا۔ حشر یہ سمجھے کہ کاوس جی نے انھیں بڑے سلیقے کے ساتھ ٹال دیا ہے۔ یہ غلط فہمی دور ہونے کے بعد جب وہ کاوس جی سے ملے تو انھیں الفریڈ کمپنی میں ڈرامانویس کی حیثیت سے ملازم رکھ لیا گیا اور ۳۵ روپیہ ماہانہ مشاہرہ طے ہوا۔ اس کمپنی کے لیے انھوں نے سب سے پہلے مرید شک (1899) لکھا جو بے حد مقبول ہوا۔ اس کے چند ماہ بعد مار آستین (1899) تصنیف کیا۔ اس ڈرامے کو بھی اسٹیج پر غیرمعمولی کامیابی حاصل ہوئی۔

حشر کی مقبولیت بڑھی تو مختلف ڈراما کمپنیوں کی طرف سے انھیں ملازمت کی پیش کش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے ڈیڑھ سو روپے ماہوار پر نو روز بی پری کی کمپنی کی ملازمت قبول کر لی۔ یہاں انھوں نے اسیر حرص 1901 لکھا۔ یہ ڈراما بھی بے حد پسند کیا گیا۔ حشر کی اس روز افزوں مقبولیت کو دیکھ کر کاوس جی کھٹاؤ نے انھیں دو بارہ ساڑھے تین سو روپے ماہانہ پر اپنے یہاں بلا لیا۔ اس بار اُن کی کمپنی کے لیے انھوں نے شہیدِ ناز 1902 لکھا جو حسب روایت کافی مقبول ہوا۔اس کے بعد انھوں نے اڈیسر بھائی ٹھوٹھی کی کمپنی کے لیے 1906 میں سفید خون اور 1907 میں صید ہوس اور سہراب جی اُگرا کی کمپنی کے لیے 1908 میں خواب ہستی اور 1909 میں خوبصورت بلا ڈرامے لکھے جنھیں خاطر خواہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

ڈراما نویس کے طور پر بے حد مقبول ہونے کے باوجود آغا حشر اپنی موجودہ

حیثیت سے ذہنی طور پر مطمئن نہیں تھے۔ انھیں یہ بات سخت ناگوار گزرتی تھی کہ مالکان کمپنی ان کی تحریروں میں اپنی صوابدید کے مطابق تحریف اور کاٹ چھانٹ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حیدر آباد کے ایک تعلقہ دار کے اشتراک سے 1909 میں انھوں نے دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف حیدرآباد کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے سہراب جی اگرا کی کمپنی کے لیے لکھا گیا ڈرامہ خوبصورت بلا اسٹیج کیا۔ اس کے بعد اگلے سال 1910 میں اپنا پہلا مجلسی ڈرامہ سلور کنگ عرف نیک پروین لکھ کر پیش کیا۔ اسی سال یہودی کی لڑکی عرف مشرقی حور بھی اس کمپنی کے اسٹیج پر دکھایا گیا۔ حیدرآباد میں مقبولیت کے ڈنکے بجانے کے بعد یہ کمپنی سورت ہوتی ہوئی بمبئی پہنچی اور یہیں ختم ہو گئی۔ اس کے بعد آغا حشر نے 1912 میں جالندھر کے بھائی گیان سنگھ کی نو تشکیل کمپنی میں پانچ سو روپے ماہ وار پر ڈرامہ نویس کی حیثیت سے ملازمت کر لی۔ لیکن جلد ہی امرتسر میں یہ کمپنی بھی بند ہوگئی۔

1913 میں آغا حشر نے اپنے ڈراموں کی اداکارہ حور بانو سے لاہور میں شادی کرلی۔ اسی زمانے میں انھیں دہلی میں ایک عوامی استقبالیہ دیا گیا جس میں انھیں انڈین شیکسپیر کے خطاب سے نوازا گیا۔ لاہور پہنچ کر انھوں نے اپنی دوسری کمپنی انڈین شیکسپیر تھیٹریکل کمپنی کی بنیاد ڈالی۔ یہ کمپنی مختلف شہروں کا دورہ کرتی ہوئی کلکتہ پہنچی۔ یہاں آغا حشر ریلوے پلیٹ فارم سے نیچے گر گئے جس کے نتیجے میں ان کے دائیں پیر کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ چنانچہ انھیں کافی عرصے اسپتال میں رہنا پڑا۔ اسی علالت کے دوران انھوں نے بستر پر لیٹے لیٹے اپنا پہلا ہندی ڈرامہ بھگت سور داس عرف بلوا منگل 1914 لکھوایا جو ان کے چھوٹے بھائی آغا محمود شاہ کی ہدایت میں پہلی بار اسٹیج ہوا۔ اس کے بعد کمپنی کھڑگ پور، مظفر پور اور پٹنہ ہوتی ہوئی بنارس آئی۔ قیام بنارس کے دوران آغا حشر کے یہاں بیٹے کی ولادت ہوئی جو صرف تین ماہ زندہ رہ کر لکھنؤ میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔کمپنی یوپی اور پنجاب کے مختلف اضلاع کا دورہ کرتی ہوئی لاہور ہوتے ہوئے سیالکوٹ پہنچی۔ یہاں آغا حشر اپنی زندگی کے ایک اور بڑے حادثے سے ہم کنار ہوے۔ ان کی اہلیہ جن کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی ایک طویل علالت کے بعد

1918 میں لاہور میں انتقال کر گئیں۔ شریک حیات کی اس مفارقت نے آغا صاحب پر کچھ ایسے نفسیاتی اثرات مرتب کئے کہ وہ کمپنی کا سارا سامان سیالکوٹ میں چھوڑ کر بنارس چلے آئے۔ اور بہت دنوں تک یہیں آرام کرتے رہے۔ بعد ازاں وہ رستم جی کی دعوت پر کلکتہ گئے اور جے ایف مڈنس کمپنی میں ایک ہزار روپے ماہانہ پر ملازم ہوگئے۔ اس کمپنی کے لیے انھوں نے مشرقی ستارہ عرف شیر کی گرج لکھا (1918) چونکہ کلکتے کے مارواڑی عوام ہندی ڈراموں کے شوقین تھے، اس لیے آغا حشر نے اس زمانے میں بطور خاص ہندی میں لکھنا شروع کیا اور مدھر مرلی (1919) بھارت رمنی (1920) بھگیرتھ گنگا (1920) ایوم پراچین اور نوین بھارت (1921) جیسے ڈرامے لکھے اس کے بعد اردو میں ترکی حور (1922) اور ہندی میں سنسار چکر عرف پہلا پیار (1922) لکھا۔ اسی زمانے میں کلکتہ کی اسٹار تھیٹریکل کمپنی کے لیے انھوں نے بنگلہ زبان میں اپرادھی کے (1922) اور مصر کماری (1922) بھی لکھے۔ اسی کے ساتھ (1919اور 1923 کے درمیان انھوں نے مڈنس کمپنی کی خاموش فلموں میں اپنی اداکاری کے فن کا بھی مظاہرہ کیا۔ مڈنس کے لیے انھوں نے ترکی حور اور سنسار چکر عرف پہلا پیار کے بعد بھیشم پرتگیا (1923) اور آنکھ کا نشہ (1924) لکھے جنھیں زبردست عوامی مقبولیت ملی۔

شہرت اور مقبولیت کی اس بلندی پر پہنچنے کے بعد آغا حشر کے دل میں ایک بار پھر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنی کمپنی قائم کریں۔ چنانچہ 1925 میں بنارس میں دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف کلکتہ کی بنیاد پڑی۔ اسے لے کر آغا حشر دورے پر نکلے۔ یہ کمپنی جب بہار اور یوپی کے مختلف اضلاع کا دورہ کرتی ہوئی الہ آباد پہنچی تو مہا راجہ چرکھاری نے جو ان دنوں الہ آباد آئے ہوئے تھے۔ آغا حشر سے سیتا بن واس کے موضوع پر ہندی میں ڈراما لکھنے کی فرمائش کی۔ آغا حشر نے وعدہ کر لیا اور بنارس آکر اس ڈرامے کی تکمیل کی (1928) یہ ڈراما مہا راجہ کو بے حد پسند آیا چنانچہ انھوں نے اسے آٹھ ہزار روپے خرید لیااور آغا صاحب کو مع اپنی کمپنی کے چرکھاری آنے کی دعوت دی۔ وہاں انھوں نے نہ صرف آغا حشر کی

شاگردی اختیار کی بلکہ پچاس ہزار روپے کی گراں قدر رقم کے عوض ان کی کمپنی بھی خرید لی اور آغا صاحب کو ہی اس کا نگراں مقرر کر دیا۔ یہاں سیتا بن واس کا پہلا دیوناگری ایڈیشن جس کی تعداد اشاعت صرف دو جلد تھی (ایک آغا حشر کے لیے اور ایک مہاراجہ چرکھاری کے لیے) ولسن پریس چرکھاری سے مئی 1929 میں شائع ہوا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد کسی بات پر خوش ہو کر مہا راجہ نے کمپنی آغا حشر کو واپس لوٹا دی اور وہیں سے یہ معمول کے دورے پر کانپور کے لیے روانہ ہو گئی۔

اسی درمیان مڈنس تھیٹرز لینڈ نے آغا صاحب کو کلکتے بلایا۔ چنانچہ وہ کمپنی کو آغا محمود شاہ کے حوالے کر کے کانپور ہی سے کلکتے چلے گئے۔ وہاں رہ کر انھوں نے مڈنس کی بمبئی شاخ دی امپیریل تھیٹریکل کمپنی آف باہبے کے لیے اردو میں رستم سہراب (1929) لکھا جو اسی سال اسٹیج کیا گیا۔ اس کے علاوہ کلکتے میں قیام کے اس زمانے میں انھوں نے مڈنس کے لیے ہندی کے تین ڈرامے دھرمی بالک عرف غریب کی دنیا (1929) بھارتی بالک عرف سماج کا شکار (1930) اور دل کی پیاس (1931) لکھے جو ہندی ڈرامے کی روایت میں ایک گراں قدر بلکہ انقلاب آفریں اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آغا حشر نے 1931 میں مڈنس کی ملازمت چھوڑ دی اور بنارس آ گئے۔ یہاں ان کے پیر میں چوٹ آ گئی۔ دیسی دواؤں سے کوئی افاقہ نہ ہوا تو وہ علاج کے غرض سے کلکتے پہنچے۔ اس درمیان وہ اور بھی کئی امراض میں مبتلا ہو گئے تھے چنانچہ ماہر امراض قلب ڈاکٹر سنیل بوس کا علاج شروع ہوا۔ یہ دور سخت پرہیز کا تھا۔ ان دنوں کلکتے میں بولتی فلموں کا رواج بڑھ رہا تھا۔ مڈنس تھیٹرز کے مینیجنگ ڈائرکٹر فرام جی نے جو پانیر فلم کمپنی کے مالک بھی تھے، آغا حشر سے فلمی ڈرامہ لکھنے کی فرمائش کی۔ آغا صاحب نے ان کے لیے شیریں فرہاد لکھا جس میں ماسٹر نثار اور مس کجن نے بنیادی کردار ادا کیے۔ اس فلم کی مقبولیت نے دوسری فلم کمپنیوں کو آغا حشر کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ چاروں طرف سے فرمائشوں کی یلغار ہونے لگی جن کی تعمیل میں انھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے فلمی ڈراما عورت کا پیار لکھا جو کافی مقبول

ہوا۔ اسی زمانہ میں انھوں نے فرام جی کے لیے مزید دو ڈرامے دل کی آگ (1931) اور شہید فرض (1931) لکھے جو مختلف وجوہ سے فلمائے نہیں جا سکے۔ ان کے علاوہ نیو تھیٹرز کے لیے یہودی کی لڑکی اور چنڈی داس ڈرامے لکھے ان کا تیار شدہ فلمیں کافی مقبول ہوئیں۔ اسی دوران مڈنس نے بھگت سورداس (1914) شرون کمار (1931) اور آنکھ کا نشہ (1924) پر ہندی میں اور ترکی حور (1922) اور قسمت کا شکار پر اردو میں فلمیں بنائیں جنھیں عوام میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔

آغا حشر کی بیماری کا سلسلہ دھیرے دھیرے طول پکڑتا جا رہا تھا لیکن وہ حوصلہ ہارنے والے شخص نہ تھے۔ اسی عالم میں انھوں نے 1934 میں اپنی فلم کمپنی بنائی اور رستم سہراب کو فلمانے کا ارادہ کیا۔ کرداروں کا انتخاب ہونے کے بعد ریہرسل ہورہی تھی کہ ایک مقدمے کے سلسلے میں انھیں لاہور جانا پڑا۔ یہاں انھوں نے اپنے دوست حکیم فقیر محمد چشتی کا علاج شروع کیا اور یہیں چند دوستوں کے مشورے پر حشر کلچرز کی بنیاد ڈال کر بھیشم پتامہ کی شوٹنگ شروع کر دی۔ اس سلسلے میں انھیں کئی بار جموں اور سری نگر کا سفر بھی کرنا پڑا۔ اس مسلسل تگ ودو نے ان کی صحت پر مزید برا اثر ڈالا اور مصروفیات کے سبب حکیم صاحب کا علاج بھی باقاعدگی سے جاری نہ رہ سکا۔ چنانچہ اسی بیماری میں 28/اپریل 1935 کو شام کے چھ بجے ان کا انتقال ہوگیا۔ حکیم فقیر محمد چشتی نے آغا محمود شاہ کو کلکتے فون کرکے ان سے لاہور ہی میں تدفین کی اجازت لے لی اور آغا صاحب مرحوم کی وصیت کے مطابق اگلے دن یعنی ۲۹/اپریل کو دن میں میانی صاحب کے قبرستان چار برجی میں انھیں ان کی اہلیہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اس کلیات میں شامل ڈراموں کے مطالعے سے پہلے مندرجہ ذیل بنیادی باتوں کا جان لینا ضروری ہے تاکہ دوران مطالعہ پیدا ہونے والے سوالات کا تشفی بخش جواب مل سکے۔

ا۔ 'مار آستین' (1899) آغا حشر کا واحد ڈراما ہے جسے بہ ظاہر انھوں نے

اپنے قلم سے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنا کوئی ڈراما اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا۔ ان کا معمول یہ تھا کہ وہ برجستہ مکالمات بولتے جاتے تھے اور بہ یک وقت کئی منشی انھیں قلم بند کرتے رہتے تھے۔ منشیوں کے لکھے ہوئے ان مسودوں کو وہ شاید ہمیشہ دیکھتے بھی نہیں تھے۔ اور ان منشیوں کی اردو بس واجبی سی تھی اور املا ناقص۔ چنانچہ ان مسودوں میں جگہ جگہ املا کی غلطیاں موجود ہیں، جنھیں مرتبین نے درست کیا ہے۔ آغا حشر کی نظر میں ان مسودوں کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ حکومت کی طرف سے سنسر کے لیے مقرر حاکم مجاز کہانی کو سمجھ لے کہ اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے اور کردار ادا کرنے والے ایکٹر ان کی مدد سے اپنے مکالمے یاد کرلیں۔ انھوں نے ان مسودوں کی تیاری کے دوران کبھی یہ سوچا بھی نہ ہوگا کہ ان کا استعمال انھیں شائع کرنے کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ آغا حشر چونکہ اپنے بیش تر ڈراموں کے ہدایت کار بھی خود ہی ہوتے تھے اس لیے اکثر حالات میں انھیں مسودوں میں ہدایات اور مناظر کی تفصیل تحریر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ جن ڈراموں میں ہدایات موجود نہ تھیں، ان میں مرتبین نے ان کا اضافہ کیاہے۔ جہاں ایسا کیا گیا ہے، اس کی نشان دہی کردی گئی ہے۔

۳۔ ایک ہی ڈارمے کے ایک سے زائد مسودے موجود ہونے کا سبب یہ ہے کہ کسی بھی شہر یا ریاست میں ڈراما اسٹیج کرنے سے پہلے اس شہر یا ریاست کے حاکم مجاز سے اسے سنسر کرانا ضروری ہوتا تھا۔ اس غرض سے ہر بار ڈرامے کی نئی نقل تیار کر کے حکام کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ جہاں سے مسودے پر checked and found nothing objectionable کا نوٹ لکھوا لینے کے بعد ہی اسے اسٹیج کیا جا سکتا تھا۔ بیش تر مسودوں پر یہ نوٹ موجود ہے۔

۴۔ عوامی مقبولیت حاصل کر لینے والے کسی ڈرامے کے چند شو مکمل ہوجانے کے

بعد اس میں نیاپن پیدا کرنے اور ناظرین کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کی غرض سے اس میں کبھی بعض نئے مناظر جوڑ دیے جاتے تھے اور کبھی بعض مناظر نکال دیے جاتے تھے۔ ان مناظر کو ڈرامے سے نکال دینے کا سبب ان کی خامیاں یا کمزوریاں نہیں ہوتی تھیں بلکہ ایسا محض تبدیلی یا نیا پن پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ آغا حشر کبھی یہ کام ڈراما کمپنیوں کے مالکان کی فرمائش پر کرتے تھے اور کبھی اپنے طور پر۔ اپنے طور پر عموماً اس وقت جب وہ خود ہی کمپنی کے مالک بھی ہوتے تھے۔

۵۔ آغا حشر کا مرکز نگاہ (Target) وہ عام لوگ تھے جو اپنا پیسہ خرچ کر کے ان کے ڈرامے دیکھنے آتے تھے، وہ نہیں جو ادب کو فن لطیف کی حیثیت سے قبول کر کے اپنے اپنے گھروں میں اس کا لطف لینے کے عادی تھے۔ ڈراموں کی تخلیق کے دوران ادب ان کے لیے ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے ان کی پوری توجہ ڈرامے کو دیکھے جانے اور ان ناخواندہ اور کم سواد ناظرین کے نقطہ نظر سے پسندیدہ اور دلچسپ بنانے پر صرف ہوتی تھی، جن کے لیے یہ ایک سہل الحصول اور سستا وسیلہ تفریح تھا۔ شعر و سخن کے شائقین اور ادب کے سنجیدہ قارئین کی خاطر اس کی نوک پلک سنوارنے سے انھیں چنداں دلچسپی نہ تھی۔ وجہ ظاہر ہے کہ تھیٹر دیکھنے آنے والوں کی اکثریت پہلے طبقے سے تعلق رکھتی تھی اور انھی کی پسند پر مالی اعتبار سے کسی ڈرامے کی کامیابی کا دار و مدار ہوتا تھا۔ ناقدین کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ وہ ڈراموں میں اپنی بھرپور ادبی صلاحیت کا استعمال نہیں کر سکے۔

٦۔ اکثر ایک ہی ڈرامے کے دو مسودوں میں کرداروں کے نام بدلے ہوئے ہیں۔ بعض اوقات کرداروں کے ناموں کے ساتھ ساتھ مقامات کے نام بھی تبدیل کر دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر 'آنکھ کا نشہ' (1924) کے ایک مسودے میں کردار کالی داس، گوری ناتھ، سوہن اور کامنی ہیں۔ اس کا پس منظر بنارس ہے۔ جب کہ اسی ڈرامے کے ایک دوسرے مسودے میں

کرداروں کے نام جگل کشور، بنی پرساد، مادھو اور کام لتا ہیں اور اس کا پس منظر کولکتہ ہے۔ ان صورتوں میں مرتبین نے بعد میں لکھے جانے والے مسودوں کو بنیاد بنایا ہے۔

۷۔ کلیات کی ترتیب میں مسودوں میں مستعمل قدیم املا کو جدید املا میں بدل دیا گیا ہے۔

۸۔ ایک ڈرامے کے ایک سے زائد ناموں سے موسوم ہونے کا سبب یہ ہے کہ آغا حشر ڈرامے میں معمولی تبدیلیاں پیدا کر کے عوام کو باور کرانے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ ڈراما اس ڈرامے سے مختلف ہے جو وہ پہلے کسی اور نام سے دیکھ چکے ہیں۔ تاکہ وہ لوگ بھی اسے دوبارہ دیکھنے آئیں جو پہلے دیکھ چکے ہیں۔ اس طرح کی تبدیلی صرف آغا حشر نے نہیں کی ہے بلکہ اس عہد کی تمام ڈراما کمپنیاں یہی کرتی تھیں۔

۹۔ آغا حشر کی ہندی اپنے معاصر اردو فن کاروں کے مقابلے میں کافی بہتر تھی۔ لیکن اردو ان کی فطری اور مادری زبان تھی۔ چنانچہ ان کے ہندی ڈراموں کو پڑھتے وقت بار بار یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہندی میں مکالمے لکھواتے لکھواتے یک بہ یک اردو بولنے لگتے تھے۔ پھر جیسے ہی انھیں خیال آتا تھا کہ جو ڈراما لکھوایا جا رہا ہے وہ اردو میں نہیں ہندی میں ہے تو وہ پھر ہندی کی طرف آجاتے تھے۔ لیکن یا تو اپنی عدیم الفرصتی کے باعث یا محض تساہل کی بنا پر اتنی اردو رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کچھ ناقدین کا خیال ہے کہ وہ مکمل ڈراما پہلے اردو میں لکھاتے رہے ہوں گے اور بعد میں اس کا ہندی میں ترجمہ کرتے ہوں گے۔ اس کا امکان کم ہے کیوں کہ ایسا ہوتا تو بے خیالی میں جہاں وہ فارسی آمیز اردو لکھوا گئے ہیں اسے درست ہوجانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے غالب امکان اسی بات کا ہی ہے کہ وہ فی البدیہہ اور براہ راست ہندی میں ہی ڈراما لکھواتے تھے۔ یہ بات تو اب سب ہی جانتے ہیں کہ وہ ڈرامے ٹہل ٹہل کر منشیوں کو لکھوایا

کرتے تھے۔

۱۰۔ آغا حشر کے ڈرامے بلا اجازت چھاپنے والے پبلشروں نے ان ڈراموں کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی ہے۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ جو مکالمے یا حصے ان کی سمجھ میں نہیں آئے، ان کو اپنی طرف سے لکھ دیا ہے بلکہ اکثر ان کے ہندی ڈراموں کو کسی اچھے ہندی جاننے والے سے مشکل اور سنسکرت آمیز ہندی میں منتقل کروا کر چھاپا ہے۔ اس تعلق سے بنارس کے ٹھاکر پرساد اینڈ سنز کی مثال پیش کی جاسکتی ہے جو آغا حشر کی ناک کے نیچے یہ کام دھڑلے سے کر رہے تھے۔ آغا حشر نے ذاتی طور پر کبھی اس جانب توجہ نہیں دی۔ یہاں یہ بات واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آغاحشر کے جعلی ایڈیشن چھاپنے والے پبلشرز اپنے منشیوں کو آغا حشر کے لکھے ڈرامے دیکھنے کے لیے بھیجا کرتے تھے، جہاں سے وہ اس کے مکالمات نوٹ کر لاتے تھے۔ یہ کام ایک ساتھ ایک سے زائد منشیوں سے کروایا جاتا تھا۔ بعد میں ان کی تحریروں کو ترتیب دے کر اور جو حصے ان کی سمجھ میں نہیں آتے تھے ان میں حسب ضرورت اصلاح کر کے یا انھیں اپنی طرف سے ازسرنو لکھ کر ڈراما شائع کردیا جاتا تھا۔ اصلاح و ترمیم کا یہ کام عموماً وہی منشی انجام دیتے تھے جنھیں نمائش کے دوران ان ڈراموں کی نقل کے کام پر مامور کیا جاتا تھا۔

۱۱۔ آغا حشر نے اپنے ہندی ڈراموں کے لیے جو گانے لکھے ہیں ان میں بیش تر فارسی وزن اور بحروں کا استعمال کیا ہے۔ البتہ جہاں جہاں انھوں نے لوک گیتوں، دوہوں یا موسیقی کی لوک دھنوں کو اپنایا ہے وہاں فطری طور پر عروضی ڈھانچہ بھی ہندوستانی ہوگیاہے۔ انھوں نے بعض ہندی الفاظ کو ان کے رائج عوامی تلفظ کے مطابق استعمال کیا ہے۔

۱۲۔ یہ معاصر ماحول میں رچی بسی انگریزی زبان کے اثرات کا نتیجہ ہے یا پھر شعوری طور پر ایسا کیا گیا ہے کہ عمومی بات چیت کے مکالموں میں آغا حشر

نے حال استمراری (Present Imperfect) کی بجائے حال قریب (Present Indefinite) کا استعمال کیا ہے۔ حالانکہ اردو میں انگریزی کے اس صیغے (Tense) کا استعمال کم ہی ہوتا ہے۔ اردو میں عام طور پر 'وہ جاتا ہے' کے بدلے 'وہ جا رہا ہے' کا پیرایہ بیان زیادہ مقبول ہے۔ اور جب 'وہ جاتا ہے' کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے عادت کے اظہار کا کام لیا جاتا ہے۔ یعنی ایسی جگہوں پر اس کا مفہوم 'وہ جایا کرتا ہے' ہو جاتا ہے۔ اس کا امکان ہے کہ آغا حشر نے ڈرامے میں ایک مصنوعی فضا قائم کرنے کے لیے یہ انداز بیان اختیار کیا ہو۔

اس کلیات کی ترتیب کے دوران ہمیں مسلسل اردو کے معتبر محقق پروفیسر حنیف نقوی صاحب، سابق صدر، شعبہ اردو، بنارس ہندو یونیورسٹی کی رہنمائی حاصل رہی ہے۔ ہم ان کے احسان مند ہیں۔ اگر ان کی خاص توجہ نہ ہوتی تو شاید یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ ہی نہ پاتا۔ مسودوں کی تلاش، چھان بین اور انھیں ایک دوسرے سے مربوط کرنے میں خانوادہ حشر کی تیسری نسل سے تعلق رکھنے والے جناب آغا نہال احمد شاہ کاشمیری نے جس طرح ہماری مدد کی ہے، اس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

آغا حشر نے اردو ڈرامے کو کیا دیا اس کا تجزیہ خاطر خواہ طریقے سے نہیں ہوسکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے ڈراموں کی اشاعت یا مسودوں کے تحفظ میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ وہ اسٹیج کے عاشق تھے اور ہر ڈرامے کو اسٹیج تک پہنچا کر مطمئن ہوجاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بازاری و کاروباری نوعیت کی بعض غیر مصدقہ اشاعتوں سے قطع نظر یہ ڈرامے اپنی اصل شکل میں کبھی منظر عام پر نہیں آسکے۔ اب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی انھیں باضابطہ طور پر شائع کر رہی ہے تو یہ امید کی جا سکتی ہے کہ اکیسویں صدی میں اردو ڈرامے کو آغا حشر کی دین پر خاطر خواہ کام ہو سکے گا۔

آغاحشر نے اردو ڈرامے کو کیا دیا اس کا تجزیہ خاطر خواہ طریقے سے نہیں

تحفظ میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ وہ اسٹیج کے عاشق تھے اور ہر ڈرامے کو اسٹیج تک پہنچا کر مطمئن ہوجاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بازاری و کاروباری نوعیت کی بعض غیرمصدقہ اشاعتوں سے قطع نظر یہ ڈرامے اپنی اصل شکل میں کبھی منظر عام پر نہیں آسکے۔ اب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی انھیں باضابطہ طور پر شائع کر رہی ہے تو یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اکیسویں صدی میں اردو ڈرامے کو آغا حشر کی دین پر خاطر خواہ گفتگو ہو سکے گی۔ اس کام کے لیے کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ صاحب اور دیگر اراکین بالخصوص ڈاکٹر روپ کرشن بھٹ اور ڈاکٹر رحیل صدیقی کا مشکور ہوں کہ انھوں نے ہر طرح سے تعاون کیا۔

مرتبین

بنارس
31/اکتوبر 2003

شہیدِ ناز

شہید ناز (1902)

یہ ڈراما آغا صاحب نے کاوس جی کھٹاؤ کی الفریڈ تھیٹریکل کمپنی میں دوبارہ ملازمت اختیار کرنے کے بعد لکھا تھا، عوامی سطح پر اسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ کافی عرصے تک اسے بار بار اسٹیج کیا جاتا رہا۔ مختلف اوقات میں اسے اس کے اصل نام کی بجائے 'دام حسن'، 'اچھوتا دامن' اور 'حسن کا جادو' کے ناموں سے بھی اسٹیج کیا گیا۔ اس میں جو کامک شامل ہے اسے بعد میں ناموں کی تبدیلی اور کچھ اضافے کے ساتھ بعد میں ایک ہندی ڈرامے، دھرمی بالک' کے دوسرے حصے 'بھارتی بالک' میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اس کامک کا ڈرامے کے اصل پلاٹ سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آغا حشر ایک ڈرامے کے کامک کو حسب ضرورت کسی دوسرے ڈرامے میں بھی استعمال کر لیتے تھے۔ یہی نہیں گانوں کے سلسلے میں بھی کہیں کہیں یہ بات صادق آتی ہے۔ دراصل کامک کا استعمال اصل ڈرامے کے کرداروں کو ایک منظر کی تکمیل کے بعد دوسرے منظر کے لیے لباس کی تبدیلی اور دوسری تیاریوں کا وقت دینے کے لیے کیا جاتا تھا۔ اور اس کی غرض و غایت صرف یہ ہوتی تھی کہ ہال میں بیٹھے ہوئے ناظرین، جو ٹکٹ کا پیسہ دے کر ڈراما دیکھنے آئے ہیں، اکتاہٹ محسوس نہ کریں۔

اس ڈرامے کے کل پانچ مسودے دستیاب ہیں۔ پہلا مسودہ مجلد رجسٹر کی شکل میں ہے۔ اس کے سرورق پر 'نیا تماشا حسن کا جادو' لکھا ہوا ہے اور یہ کل 89 صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے ذوالفقار علی احمد نے نقل کیا ہے، اس کی کتابت بتاریخ

14/ مئی 1932، یوم شنبہ بہ مقام رنگون مکمل ہوئی ہے۔ ملنے والے مسودات میں یہی سب سے زیادہ صاف اور مکمل بھی ہے اور بہ اعتبار زمانہ موخر بھی۔ اس لیے اسی کو مشمولہ ڈرامے کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ البتہ جہاں کسی قسم کے شکوک و شبہات پیش آئے ہیں وہاں حسب ضرورت دوسرے نسخوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔ دوسرا مسودہ منتشر اوراق کی شکل میں ہے۔ اس میں کل 107 صفحات ہیں اور ناقل کا نام اور تاریخ درج نہیں ہے۔ تیسرا مسودہ 54 صفحات پر مشتمل ہے، اسے منظور احمد عظیم آبادی نے لکھا ہے اور اس کی تکمیل کی تاریخ 7/ستمبر 1927 ہے۔ اس کے سرورق پر سنسر کے دستخط بھی ہیں، جن کے نیچے 9 ستمبر 1927 کی تاریخ پڑی ہوئی ہے۔ چوتھا مسودہ بھی انھی منظور احمد عظیم آبادی کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر تحریر کی تاریخ 24/فروری 1926 درج ہے۔ یہ مسودہ کل 83 صفحات پر مشتمل ہے۔ پانچواں مسودہ چند بکھرے ہوے اوراق کا مجموعہ ہے جو مختلف نقل نویسوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ منتشر اوراق اس ڈرامے کا مکمل متن فراہم نہیں کرتے۔

کردار

1۔	جہاں دار شاہ	رحم دل بادشاہ
2۔	صفدر جنگ	وزیر
3۔	قاتل	
4۔	جمیل	ایک نوجوان
5۔	شیدا خاں	مالک
6۔	اشرف	شیدا کا ملازم اور مرزا کا داماد
7۔	مرزا	مغرب زدہ شخص
8۔	مسٹر ولیم	
9۔	چندرسین	
10۔	چاند خاں	ٹیلی گراف آفس کے ملازم
11۔	پیر خاں	
12۔	گوکل داس	
13۔	راما	چپراسی

14۔	سعیدہ	جمیل کی بہن
15۔	رضیہ	جمیل کی محبوبہ
16۔	ڈالی	اشرف کی بیوی
17۔	نازنین بیگم	شیدا کی بیوی
18۔	نادرہ	صفدر جنگ کی بیوی
19۔	فیضن	مرزا کی بیوی
20۔	گل رو	
21۔	جمنا	فیمیل کلب کے اراکین
22۔	بدھی ساگر	

باب پہلا ——— تمہیدی سین

شاہی باغیچہ

رامش گروں کا حمد و ثنا کرتے ہوئے نظر آنا

گانا

ہے جگ مالی
پھولی ڈالی ڈالی۔ چھاونی نرالی۔ رنگ والی
لالی ہریالی۔ گن گاتی بھاتی کویلیا کالی
بھنور، پپیہا، مور۔ اٹھ بھور، چاروں اور۔ جیسے تورا نام والی
گنجن گنجن میں۔ صدف کے من میں۔ پھول کے بن میں۔ حشر کے من میں
ست بست ہے۔
چھب توری نرالی۔ ہے جگ مالی......

باب پہلا ——— سین دوسرا

دربار

سہیلیوں کا گانا

گانا

نجریا موسے لگا یو مورے راجا۔ ہو راجا
مورے انگنا میں کوئیاں کھودایو۔
ہو راجا......
مورے انگنا میں بگیا لگایو۔ مورے راجا
نجریا مو سے لگایو......

ایک امیر: ـــ

کیا نور کا زمانہ، کیا وقت ہے سہانا
جو بات ہے یگانہ، جو لطف ہے شہانہ

دوسرا امیر: ـــ

پھولوں کا مسکرانا، بلبل کا چہچہانا
ٹھنڈی ہوا کا آنا، چڑیوں کا مل کے گانا

کوتوال: ـــ

ایسا فلک نہ ہوگا، ایسی زمیں نہ ہوگی
فرحت ہے جو یہاں پر ایسی کہیں نہ ہوگی

ایک درباری: ہاں دوست جانی۔ ذرا ادھر بھی ایک ساغر ارغوانی۔ ؎

محفل میں شور قلقل مینائے مُل ہوا
لا یار دے شراب کہ توبہ کا قُل ہوا

ایک سردار: لیجیے جناب عالی۔ یہ جامِ مئے پرتگالی۔ ؎

ہر رند و ہر ساغر کش کی نظر لگی ہے شیشے میں
مے مسرت بخش بھری یا کوئی پری ہے شیشے میں

دوسرا سردار: یوں نہیں جناب یوں کہیے۔ ؎

سبز پیالا دور میں اور مے سرخ بھری ہے شیشے میں
سبز پری ہے ہاتھوں میں اور لال پری ہے شیشے میں

پہلا سردار: ہاں بی صاحب۔ آپ کیوں چپ ہو گئیں ؎

بجھ رہے ہیں دل ذرا گرمایئے
کان ہیں مشتاق کچھ فرمایئے

طوائف: (گانا)

خوب لاگی رے
تیری قدرت کی اگیا پیاری
چمک دمک ہم نے دیکھی بجلی، ساغر کی
خوب لاگی رے......
چمک دمک ۔ ہوش اڑا دے یہ مے کشوں کے
گویا رحمت کی گھٹا چھائی
تیری قدرت کی اگیا پیاری
شاہِ والا شان والا
خوب لاگی......

پہلا سردار: کیوں یار رنڈی تو نہایت حسین ہے۔

دوسرا سردار: واقعی۔ عورت کا ہے کو روپیہ کھینچنے کی مشین ہے۔

پہلا سردار: (طوائف سے) بی صاحب۔ آپ کا نام؟

طوائف: حضور لونڈی کو کہتے ہیں دُوَنّی جان۔
دوسرا سردار: دُوَنّی جان کون؟ چوَنّی جان کی نور نظر۔
طوائف: جی ہاں چونی جان کی نور نظر۔ اَٹھنّی جان کی لخت جگر۔ پونڈ بیگ کی جانی۔
اور نوٹ بیگ کی لگائی۔ اشرفی جان کی پالی اور روپیہ خان کی سالی۔
دوسرا سردار: تو یوں کہیے کہ گھر کا گھر ہے ٹکسالی۔
پہلا سردار: اور آپ کے رہنے کا مکان؟
طوائف: حضور آنکھ کی کوٹھری اور دل کا دالان۔
پہلا سردار: خوب خوب۔ اور پیشہ؟
طوائف: جی۔ سونے کی چڑیا پھنساتی ہوں ہمیشہ۔
دوسرا سردار: مگر میں نے تو سنا تھا کہ آپ کی اماں جان کچھ اور پیشہ کرتی تھیں۔
طوائف: جی ہاں۔ وہ اور چیزیں بیچا کرتی تھیں۔
پہلا سردار: اور چیزیں کیا۔ چٹنی۔ مربہ۔ اچار؟
طوائف: جی نہیں۔ جیب کترنے کی قینچی اور گلا کاٹنے کی تلوار۔
سب: واہ۔ واہ۔ واہ۔
تیسرا سردار: اجی واہ واہ کر کے سر دھنو گے یا کچھ گانا وانا بھی سنو گے۔ ہاں بی صاحب۔

(اندر سے آواز کا آنا)

آواز: جہاں پناہ تشریف لاتے ہیں۔
طوائف:

(گانا)

تم سے لاگی نجریا ہمار۔ اے ہمار رے
وعدے پہ تم نہ آئے تو کیا ہم بھی مرگئے
کہنے کو بات رہ گئی اور دن گزر گئے

کارے نینوں نے جادو ڈالا رے
من ہر لے گیو رے
چھب والا
آو سنوریا۔ موری نگریا
بیتی جائے عمریا
تم سے لاگی نجریا ہمار......

(جہاں دارشاہ اور صفدر جنگ کا آنا)

پہلا سردار: حاضر وقار و فخر ہے تکریم کے لیے۔
دوسرا سردار: تعظیم آئی ہے تری تعظیم کے لیے۔
تیسرا سردار: مجرا، سلام، بندگی، آداب، کورنش۔
سب: سب سر جھکائے ہیں تری تسلیم کے لیے۔
صفدر جنگ: ؎

اے شاہِ ذی وقار، شہ اسعد و سعید
تجھ کو مبارک آج کا یہ جلسہ حمید
ہر وقت، وقتِ عیش ہو ہر دم دم نشاط
ہر شب شبِ برات ہو ہر روز روزِ عید

جہاں دارشاہ: میرے وفادارو۔ میرے جاں نثارو ؎

مری حشمت، مری دولت، مرے زور اور زر تم ہو
مری قوت، مری طاقت، مری تیغ وسپر تم ہو
شجر میں اور ثمر تم ہو، دوا میں اور اثر تم ہو
صدف میں اور گہر تم ہو، فلک میں اور قمر تم ہو
ہمیشہ جشن نو روزی کرو زیرِ فلک یوں ہی
میں خوش ہوں جس طرح تم بھی رہو خوش حشر تک یوں ہی

صفدر: زمین پر جن و انس اور چرخ پر جب تک ستارے ہوں۔
سب: ترے خادم ہوں ہم......
جہاں دار شاہ: اور عیش و زر خادم تمھارے ہوں۔

(ساقی کا شراب پلانا اور طوائف کا گانا)

گانا

ناز سیکھو جو دل بری کر کے	جاں لے لو ستم گری کر کے
ان کی زلفوں کا لے لیا بوسہ	آج ہم نے دلاوری کر کے
خوں کے چھینٹے دیے لفافے پر	خط جو بھیجا رجسٹری کر کے
برگ گل رکھ دیا جنازے پر	لاش ان کی ہری ہری کر کے

(صفدر جنگ کا سب کو رخصت کر کے خود بھی چلے جانا)

جہاں دار شاہ: (تنہائی میں گنگنانا)

لنڈھا و ساغر عشرت کہ ہیں ایام راحت کے
پئیں خوں اپنا سب بدخواہ اور تم جام صحت کے

قاتل: (پوشیدہ) جام جام۔ او شیطان کے نادام خرید غلام۔ یہ صحت کا جام نہیں۔ تیرے دنیا سے رخصت ہونے کا جام ہے۔

ساقی جام قضا حق میں یہ تیرے کہہ گیا
بھر گیا پیانہ اب باقی چھلکنا رہ گیا

نیند۔ گہری نیند۔ اے سینے میں چھپے کینے چل۔ اے انتقام کے شیطان دل کے جہنم سے نکل۔ اے رات اور تاریک ہو جا۔ اے ظالموں کی موت میری شریک ہوجا۔ یا خدا میرا دل ، میری آنکھ میری روح بہن کی بے عزتی پر روئے۔ اور یہ ظالم بادشاہ اس طرح آرام سے سوئے۔ اور ہاتھ کیا سوچتا ہے کام کر۔ او چھری کیا دیکھتی ہے تما کر......

(قاتل کا سامنے آنا)

جہاں دار: کون ہے تو؟

قاتل: میں۔

جہاں دار: تو کیا چاہتا ہے؟

قاتل: موت۔

جہاں دار: کس کی؟

قاتل: تیری۔

جہاں دار: قصور؟

قاتل: دھیان کر۔

جہاں دار: بیان کر۔

قاتل: اب تک یاد نہیں آیا۔

جہاں دار: آخر میں نے تجھے کون سا صدمہ پہنچایا۔ کہ تو میری جان لینے آیا۔

قاتل: مفسد، ملعون۔ ایک پاجی شخص زنا کے پتھر سے میری بہن کی عصمت کا موتی توڑ دے اور تو اسے پھانسی کے عوض رحم کر کے چھوڑ دے۔ کیا یہ شرم ناک واردات نہیں۔ کیا یہ صدمہ پہنچانے والی بات نہیں۔ کیا تیرے شاہی قانون میں بروں کا انجام کار نہیں ہے۔ کسی کی ماں بہن کی عصمت لوٹنے والے کے لیے پھانسی یا دار نہیں ہے۔

جہاں دار: ہے لیکن ؎

بادشاہوں کی اگر رحم پہ ہوتی نہ نگاہ
تو نہ ملتی کبھی انصاف کے خنجر سے پناہ
رحم کو ایک جہاں دل سے دعا دیتا ہے
یہ وہ عیسٰی ہے جو مردوں کو جگا دیتا ہے

قاتل: یہ تیرا خیال ناچیز ہے۔

جہاں دار: کچھ بھی سمجھ۔ مگر مجھے رحم انصاف سے زیادہ عزیز ہے۔

قاتل: مفسد۔ ملعون۔ اگر ایسا خیال ہے تو پھر تیرا خون حلال ہے۔
جہاں دار: ایسا خیال خام۔
قاتل: بدلہ اور انتقام۔
جہاں دار: او جفاکار۔

(صفدر جنگ کا اچانک داخل ہونا)

صفدر: خبردار ۔ او ستم گار۔

(قاتل کو گولی مار دینا)

جہاں دار: کون؟ میر بہادر صفدر جنگ۔

(موسیقی)

باب پہلا ——— سین تیسرا

محل

(بادشاہ اور صفدر جنگ کا باتیں کرتے ہوئے داخل ہونا)

صفدر : عالی جاہ۔ اس ناشدنی واقعے کا رنج کرنا بیکار ہے۔ ایک نیک طبیعت کو لاکھوں مختلف خیال کے انسانوں کو خوش کرنا دشوار ہے۔

جہاں دار: عزیز صفدر۔ تمھاری بات ضرور قابل غور ہے۔ مگر میرے رنج کا سبب قاتل کا حملہ نہیں کچھ اور ہے۔سنو ۔

میں جانا چاہتا ہوں کہیں خفیہ طور سے
پر سلطنت کا کام چلے گا نہ اور سے
اس سے میں چاہتا ہوں کہ تجھ کو بناؤں شاہ
تا میرے بعد میری رعایا نہ ہو تباہ
یکتا ہیں گو ہزار، پہ تم لاجواب ہو
ذرہ ہیں اور لوگ پہ تم آفتاب ہو

صفدر: جہاں خاقان ۔

انتظام سلطنت ہے ایک ایسا سخت بار
میری ہمت کو اٹھانے میں ہے جس کے انتشار
آپ کو بخشا ہے جو کچھ دستِ قدرت نے وقار
اس میں میرا کوئی بھی حصہ نہیں ہے، زہنہار
پیش عقل شاہ کیا رتبہ مری تقدیر کا
کام دے سکتی نہیں مٹی کبھی اکسیر کا

جہاں دار: عزیز صفدر۔ مٹی اور اکسیر کا تو ایک قصہ ہے۔عقل بھی کیا کسی کا حصہ ہے۔

ہے بشر ہی ناسمجھ بھی صاحب تدبیر بھی
خاک ہی مٹی بھی ہے اور خاک ہی اکسیر بھی

صفدر: خدوانِد نعمت ۔

یہ عنایت صرف فضلِ خالقِ قیوم ہے
ورنہ جو ہوں اور جیسا ہوں مجھے معلوم ہے
مور کی تعریف سب کرتے ہیں رنگت دیکھ کر
اور وہ شرمندہ ہے پیروں کی صورت دیکھ کر

جہاں دار: یہ تمھاری انکساری ہے ۔

جو چیز کہ سب سے برتر ہے وہ بن کے کم تر رہتی ہے
جو ڈالی پھولوں والی ہے وہ باغ میں جھک کر رہتی ہے

صفدر: ذرہ نواز۔

انجام پر نگاہ تامل ضرور ہے
طاقت سے بڑھ کے بوجھ اٹھانا قصور ہے
جس سے نہ بندوبست ہو اپنے مکان کا
کیوں کر وہ انتظام کرے گا جہان کا

جہاں دار: ۔

ہو اگر تم کو مرا پاس ادب کچھ نہ کہو
مان لو میرا کہا وجہ سبب کچھ نہ کہو
نہ خفا کرنا ہو مجھ کو تو بس اب کچھ نہ کہو

صفدر: خیر لاچاری۔ حکم سرکاری ۔

میں بھی حاضر ہوں میری جان و جگر حاضر ہے
آپ فرمائیں تو خدمت میں یہ سر حاضر ہے

(جہاں دار شاہ کا صفدر کو تاج اور انگشتری پہنانا اور دونوں کا رخصت ہونا)

باب پہلا ——— سین چوتھا

باغیچہ

(رضیہ کا جمیل کے فراق میں گاتے ہوئے آنا)

(گانا)

بانکے بلما سے نیہا لگائے
چین نہیں آئے۔ کچھ نہ سہائے۔ برہا ستائے۔
اس قدر بے قدریِ دل کوچۂ قاتل میں ہے
گویا اک ٹوٹا ہوا ساغر کسی محفل میں ہے
آفتوں میں پھنس گیا اے حشؔر عاشق کیا ہوا
دل بلا میں ہے، بلا گیسو میں، گیسو دل میں ہے
ہائے۔ ہائے
بانکے بلما......

(جمیل کا پیچھے سے آکر رضیہ کی آنکھیں بند کرنا)

رضیہ: ہیں یہ کون؟——— اجی جاؤ جی تم تو ہو بڑے نٹ کھٹ۔

جمیل: ارے واہ ری تری انوٹ (ہاتھ بڑھا کر رضیہ کو سینے سے لگانا) ذرا ادھر تو آؤ جاناں۔

رضیہ: بس بس یہ کسی اور کو بنانا۔ خبردار مجھے ہاتھ نہ لگانا۔

جمیل: یا اللہ ۔ اگر میں ذرا ہاتھ لگالوں گا تو کیا تمھاری کوئی دولت چرالوں گا۔

رضیہ: اجی جس کی آنکھ دل سا مال چرا لینے میں ہوشیار ہے، اس کے ہاتھ کا کیا اعتبار ہے۔ کیوں جی ؎

دستور کہاں کا ہے ذرا یہ تو بتاؤ
وعدہ کرو اور آ کے کبھی منھ نہ دکھاؤ
ہم تم سے وفائیں کریں تم ہم کو ستاؤ
جو دل کے ہو قربان اسی دل کو جلاؤ
مرجائیں گے ہم گریوں ہی بیداد کروگے
پر یاد رہے یہ کہ بہت یاد کروگے

(دونوں کا گانا)

توری بانکی نجریا جادو بھری
مورے پیارے سنوریا جادو بھری
ساتھ اس دل نے سینہ سپر کے لیے
ہاں۔ تیری تیغ نظر نے وہ چرکے دیے
ہاں۔ تن ہے پارہ ۔ من ہے پارہ
ظالم نگاہوں کا تیر
پیارے۔ تونے مارا۔ لاگی
توری بانکی نجریا......

جمیل: پیاری رضیہ۔ تمھیں ناحق کا ملال ہے۔ یہاں روز نہ آنے کی وجہ محبت کی کمی نہیں صرف تمھاری رسوائی کا خیال ہے۔

رضیہ: تو میں کب چاہتی ہوں کہ دنیا ہماری محبت کا حال جان جائے۔ مگر کم بخت دل کو کیا کروں۔ لوتمھیں سمجھاؤ۔ شاید مان جائے۔

جمیل: رضیہ یہ سارا خوف شادی نہ ہونے تک طاری ہے۔ گھبراؤ نہیں میں نے اپنی بہن سعیدہ کو خط لکھ کر وطن سے بلایا ہے۔ صرف اس کے آنے کی

انتظاری ہے۔ ے

پھر ہمیشہ ہے نشاط جم تمھارے واسطے
تم ہمارے واسطے ہو ہم تمھارے واسطے

(دونوں کا گانا)

نیناں لگا کے، پریت سکھا کے۔ پریتم پریت نبھانا
بھولی صورتیا پر میں واری
جادو کریں انکھیاں متواری
بار بار میں نتی کرت ہوں
پریتم پریت نبھانا

(ایک سردار کا معہ چند سپاہیوں کے آنا)

سردار دیکھیے جناب والا۔ یہی ہے اس لڑکی کی عزت بگاڑ نے والا۔
کوتوال باندھو اس شاہی چور کو۔ پکڑو اس حرام خور کو کیوں ری اتنا سزالی ۔ کیا اسی لیے تو دنیا میں آئی۔ کہ اپنی اور اپنے ماں باپ کی کرے رسوائی اور کیوں او بے عزت کمینے ۔ دوسروں کی بہو بیٹیوں کو خراب کرنا۔ کیا یہی ہیں شریفوں کے قرینے۔
جمیل و رضیہ رحم رحم معزز سردار رحم۔
کوتوال رحم۔ پلیدو۔ نابکارو۔ رحم نہیں۔ اب اپنی بے عزتی کی نیستی اور بے شرمی کی موت کو پکارو۔ لے جاو اس بدکاری کی پتلی کو۔ کوڑوں کے زخموں سے چور کرو۔ رنجور کرو۔ میرے سامنے سے دور کرو۔ اور لے جاو اس زناکار مردود کو ے

تنگ و حیران کرو، زار و پریشان کرو
غم سے بے جان کرو قیدئ زندان کرو

اب ترے حال پہ یہ ارض و سما روئیں گے
وہ سزا ہوگی کہ مرغانِ ہوا روئیں گے

(جانا)

جہاں دار: (چوبدار کے لباس میں) یہ کون آدمی ہے؟
دوسرا سردار: دیکھیے یہ دن کے اندھے آئے۔
پہلا سردار: ابے یہ آدمی ہے؟
جہاں دار: پھر کیا کوئی عورت ہے؟
دوسرا سردار: تو کیا نکاح پڑھانے آئے ہو یا بھگالے جانے۔ سوجھتا نہیں کہ یہ ایک قیدی ہے۔
جہاں دار: اور آپ کون ہیں؟
پہلا سردار: حرام کو حلال بنانے والے۔
جہاں دار: یعنی؟
دوسرا سردار: تیس مار خاں کے بہنوئی اور ساٹھ مار خاں کے سالے۔
جہاں دار: آہ ہا۔ آپ شاید درباری افسر ہیں۔ عالی مقام کا نام؟
پہلا سردار: میرا نام رشوت کا گھوڑا۔ اور آپ کا نام؟
جہاں دار: میرا نام انصاف کا کوڑا۔
دوسرا سردار: ارے واہ یہ تو اچھی تک ملی۔ کوڑا اور گھوڑا۔ دونوں کا اچھا ہے جوڑا۔
جہاں دار: معاف کیجیے رشوت کے گھوڑے صاحب۔ بھلا یہ تو فرمایئے کہ یہ جوان جو پابہ زنجیر ہے اس کی کیا تقصیر ہے۔
جمیل: تقصیر! کوئی نہیں۔ کبھی نہیں۔ شادی کی امید میں کسی چاند سی صورت پہ دل نثار کرنا۔ یا کسی زاہد فریب حور کو پیار کرنا۔ کیا یہ بھی کوئی تقصیر ہے؟ افسوس۔
پہلا سردار: ابے رہنے دے۔ رہنے دے۔ میں آج دو مہینے سے دیکھ رہا ہوں کہ تو

رضیہ کے ساتھ بغیر نکاح کے مزے اڑاتا ہے۔ اور آج جو چِڑ غشو ہوا تو زنا کو محبت بتاتا ہے۔ کیا سیانا بنتا ہے تو۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ کڑوا کڑوا تھو تھو۔

جہاں دار: مگر آج تک یہ بات سننے میں نہیں آئی کہ کسی مجرم نے زنا کے جرم میں پھانسی کی سزا پائی۔

دوسرا سردار: اس کا سبب یہ ہے کہ رحم کی حکومت گئی اور انصاف کی سلطنت آئی۔

جمیل: نہیں۔ اس کا سبب چغل خوروں کی عنایت اور قسمت کی برائی۔

پہلا سردار: جناب آپ تو جیل خانے جاتے وقت اس طرح روتے ہیں جیسے میری بیوی جوانی میں سسرال جاتے وقت روتی تھی۔

جمیل: ۔

طوق و زنجیر میں جکڑو کہ تم آزاد کرو
زندگی بخش دو یا کشتۂ بیداد کرو
ہر سزا کے لیے، جی جان سے تیار ہوں میں
اک رعایت کا مگر تم سے طلب گار ہوں میں

دوسرا سردار: جناب میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی کے ساتھ رعایت نہ کروں گا۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میری قسم ٹوٹ جائے ۔ ایمان داری کا اور میرا ساتھ چھوٹ جائے۔

جہاں دار: گھبرایئے نہیں۔ گھبرایئے نہیں۔ اگر آپ کی قسم کی کوئی کل ست ہوجائے گی تو دیکھیے یہ مصالحہ لگانے سے فوراً درست ہوجائے گی (کچھ روپے دکھانا)۔

دوسرا سردار: اجی پھینکیے ۔ پھینکیے۔

پہلا سردار: پھینکیے۔ ہاں جناب اس مصالحے کو تو ہم بھی مانتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ اپنے روپیوں کو ٹھیک طور سے خرچ کرنا خوب جانتے ہیں..........اچھا بولو کیا رعایت چاہیے۔

جمیل: میں نے اپنے وطن سے اپنی بہن سعیدہ کو خط لکھ کر بلایا ہے۔ وہ یقیناً آج شام تک یہاں پہنچ جائے گی۔ اسے میرا ایک پیغام پہنچا دیجیے گا۔

سردار: کیا پیغام؟
جمیل: ۔

یہ کہنا جان سے جاتا ہے تیرا نوجواں بھائی
خبر لے جلد اس کی پھر کہاں تو اور کہاں بھائی

پہلا سردار: بس اتنی سے بات۔ یہ خبر تو آپ کے پھانسی پانے سے آدھ گھنٹہ پیشتر پہنچ جائے گی۔

(دونوں کا جانا)

جمیل: کس قدر سنگ دل جلاد ہیں کہ دوسروں کی ناشادی دیکھ کر شاد ہیں۔ ۔

یہ ان زمین والوں میں لعنتِ زمیں ہیں
صورت ہے آدمی کی پر آدمی نہیں ہیں

جہاں دار: ۔

بہن آئی تمھاری تو اسے ساری خبر دوں گا
نہ گھبراو تمھارا کام میں انجام کر دوں گا

جمیل: خدا اس احسان کا آپ کو بدلہ دے۔

(جہاں دار شاہ کا جانا)

جہاں دار: او خدا۔ او خدا۔ میں چند گھنٹوں ہی میں سلطنت کے کیسے کیسے خوفناک بھیدوں سے خبردار ہوا ہوں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں اب تک ایک گہری نیند میں سو رہا تھا۔ جس سے یکایک بیدار ہوا ہوں۔ افسوس۔ وہ بادشاہ اور رعیت کے ناخدا جو محل کی چار دیواری میں دولت و آرام کی گود میں سوتے ہیں۔ انھیں کیا خبر ہے کہ ظالم امیروں کے ہاتھ سے غریب رعیت کے بیڑے کس طرح غرق ہوتے ہیں۔نہ فرض کا خیال۔ نہ ایمان کی پاسداری۔ یہ ظلم یہ جبر۔ یہ رشوت خوری۔ وہ باغ سلطنت جسے میرے

بزرگوں نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے۔ اس میں یہ ویرانی۔ کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ یہ سبب میری غفلت اور رحم کا نتیجہ ہے۔

(سعیدہ کا آنا)

سعیدہ: یہی گھر ہے۔ خدایا میں اپنے بھائی کو خوش و خرم دیکھوں۔
جہاں دار: شریف بانو۔ کیا تمھارا نام سعیدہ ہے؟
سعیدہ: آپ نے کیسے جانا۔ جی ہاں کنیز کا یہی نام ہے۔
جہاں دار: تو تم ہی بد نصیب جمیل کی بہن ہو۔
سعیدہ: کیا کہا بدنصیب۔ جمیل اور بدنصیب ۔

آتا ہے مجھ کو وہم تمھارے بیان سے
دل ہول کھائے جاتا ہے اس داستان سے
کچھ حال صاف صاف سناو زبان سے
کیا قہر اس پہ ٹوٹ پڑا آسمان سے
اچھا تو ہے نہ بھائی مرا اپنی جان سے

جہاں دار: کیا کہوں۔ نہ کہنے میں بدعہدی ہے۔ افسوس جو جمیل کبھی تمھارا بھائی تھا وہ ایک بدنصیب قیدی ہے۔
سعیدہ: قیدی۔ کس کا؟
جہاں دار: صفدر جنگ کا۔
سعیدہ: گناہ؟
جہاں دار: اس نے ایک شریف لڑکی کے باغ حسن کی بہار چوری سے لوٹی۔ اس لیے اس پر یہ آفت ٹوٹی۔
سعیدہ: تب تو اسے شادی کا چاہیے تھا قید خانہ۔ جیل میں کیا ضرور تھا پہنچانا۔ اچھا یہ تو کہیے ۔

مرہم زخم دل نالہ بہ لب ہے کہ نہیں
چارۂ جور و ستم ظلم و غضب ہے کہ نہیں
کوئی تدبیر رہائی کی بھی اب ہے کہ نہیں

جہاں دار: تدبیر کا وقت تقدیر سے نکل گیا۔ کمان کا تیر ہاتھ سے چل گیا۔ البتہ اب تم سے کچھ ہمت ہو تو شاید کچھ صورت ہو۔

سعیدہ: میں کیا کرسکتی ہوں۔ زر نہ زور۔ پھر کس بوتے پر شور ؎

زر گیا زور گیا عیش شہانہ چھوٹا
باپ ماں بھائی بہن اپنا بیگانہ چھوٹا
ایک اک کر کے غرض ہم سے زمانہ چھوٹا
پر نہ پھوٹی ہوئی قسمت کا ستانا چھوٹا
داغ پر داغ مقدر سے لیے جاتی ہوں
بے حیا ہوں کہ ابھی تک میں جیے جاتی ہوں

جہاں دار: اگر ہمت کرنے سے لاچار ہو تو کل اپنے بھائی کی لاش دیکھنے کو تیار ہو۔

سعیدہ: لاش..........کیوں؟

جہاں دار: اس کو صفدر جنگ نے پھانسی کی سزا سنائی۔

سعیدہ: افسوس میرا غریب بھائی۔

(بے ہوش ہو کر گر جاتی ہے)

باب پہلا ——— سین پانچواں

کامک

محل

اشرف: تو مجھے زندگی بھر کنوارا رہنا ہوگا۔

شیدا خاں: ہاں میری یہی شرط ہے جس طرح تو سال بھر سے نوکر ہے اسی طرح آئندہ بھی نوکر رہنا چاہتا ہے تو شادی کا خواب بھی نہ دیکھنا۔

اشرف: مگر میں نے سنا ہے کہ آپ اب تک تلے اوپر چھ بیویوں کا ناشتہ کر چکے ہیں۔ پھر مجھے بیوی کا روزہ رکھنے کو کیوں کہتے ہیں۔

شیدا خاں: اس لیے کہ جیسی مجھے یہ ساتویں بیوی منھ زور، چڑ چڑی، لڑاکا ملی ہے۔ ویسی ہی کوئی لٹھ مار بیوی تجھے بھی مل گئی اور وہ بھی یہاں آکر رہی۔ تو میرا گھر شاہنامے کا میدان بن جائے گا اور روز اس گھر میں رستم و سہراب کی جنگ ہوا کرے گی۔

اشرف: اگر پہلی چھ بیویوں کی طرح آپ کی اس ساتویں کا بھی ملک الموت نے گلا دبا دیا تو پھر آپ دوسری عورت سے شادی نہ کریں گے ۔

شیدا: ارے عورت سے شادی کیسی۔ میں نے تو یہ عہد کیا ہے کہ آئندہ عورت کا منھ ہی نہ دیکھوں گا۔سمجھا۔

(شیدا کا جانا)

اشرف: ہائے ہائے یہ الو کہتا ہے کہ شادی کروگے تو نوکری سے نکال دوں گا اور میں تو اس سے پندرہ روز کی چھٹی لے کر وطن جا کر چپکے سے شادی بھی کرآیا۔ اور خط لکھ کر گھر سے بیوی کو بھی بلا بھیجا ہے۔ وہ آج کل میں پہنچ گئی تو ضرور نوکری پر پانی پھر جائے گا۔

(اشرف کی بیوی ڈالی کا داخلہ)

ڈالی: واہ صاحب واہ۔

اشرف: ارے تم آگئیں۔ بس بیوی یا نوکری۔ دو میں ایک کو اب ضرور چھوڑنا پڑے گا۔

ڈالی: واہ وا۔ خط لکھ کر گھر سے بلایا اور اسٹیشن پر لینے بھی نہ آئے۔

اشرف: لینے کیا آتا اپنا سر۔ یہاں تو نوکری کا رونا پڑ گیا ہے۔

ڈالی: نوکری کا رونا کیسا۔ نوکری تو اچھی ہے۔

اشرف: اچھی تو ہے۔ مگر میرے پرانے مالک کی نئی شرط بھی سنی ہے؟

ڈالی: نئی شرط!

اشرف: ہاں۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے بیاہا نہیں کنوارا نوکر چاہیے۔ تو شادی کرے گا تو فوراً نوکری سے الگ کردوں گا۔

ڈالی: مگر تم تو شادی کرچکے۔

اشرف: اسی غلطی کو تو جھینک رہا ہوں۔

ڈالی: پھر اب کیا ہوگا۔

اشرف: ایک تدبیر سوجھتی ہے۔ دیکھو جب میرا مالک تمھیں دیکھ کر پوچھے گا کہ یہ کون ہے۔ تو میں کہہ دوں گا کہ یہ میری بہن ہے۔

ڈالی: بہن؟

اشرف: ہاں۔ اور تم بھی یہ کہہ دینا کہ میرا بھائی ہے۔

ڈالی: چھی چھی چھی۔ یہ میں کیسے کہہ سکوں گی؟

اشرف: نہ کہوگی تو پھر ہم دونوں گھر سے نکالے جائیں گے۔ اچھا جاؤ۔ سفر سے آئی ہو۔ منھ ہاتھ دھو ڈالو۔ فرصت سے باتیں کریں گے ۔

(ڈالی کا جانا)

شیدا: (اندر سے) اشرف۔ اشرف او اشرف۔

اشرف. کمبختی۔ یہ اتنا جلد کیسے لوٹ آیا۔

شیدا: ارے مر گیا۔ اشرف مر گیا۔

اشرف: اشرف مر گیا یا آپ مرگئے۔ اور کیسے مر گئے۔

شیدا: کیا کہوں۔ جیسے ہی میں دروازے سے نکلا ۔ ویسے ہی ایک جوان عورت گاڑی سے اتر کے بجلی کی طرح چمک کر چٹ سے سامنے آئی اور پٹ سے اس گھر میں داخل ہو گئی۔

اشرف: ہائے ہائے اب خیر نہیں۔ ضرور اس نے میری بیوی کو دیکھ لیا۔

شیدا: ہائے ہائے عورت تھی یا رس گلا۔ دیکھتے ہی منھ سے رال بہنے لگی۔

اشرف: اجی حضور آپ تو ابھی عہد کر کے گئے تھے کہ اب کسی عورت کا منھ بھی نہ دیکھوں گا۔

شیدا: مگر وہ عورت تھوڑی تھی۔ ارے وہ تو پرکٹی پری تھی پری۔

(اشرف کی بیوی ڈالی کا واپس آنا)

ڈالی: اجی یہ تو بتاؤ تم گھر کے کون سے کمرے میں رہتے ہو۔

شیدا: یہی ہے ۔ یہی ہے۔ وہ پٹاخہ۔ وہ بندوق۔وہ سات فیر کا طپنچہ یہی ہے۔

اشرف: ارے تم کہاں آگئیں۔ بس گئی نوکری۔

ڈالی: پیارے یہ کون ہیں؟

اشرف: وہی میرا مالک۔

ڈالی: تمھارا مالک۔ ہائے ہائے جب میں مرگئی۔

اشرف: تو کیا مرگئی۔ یہ خود تجھ پر مر گیا۔
شیدا: ادھر آ۔ ادھر آ۔ کیا تو اسے جانتا ہے؟ یہ کون ہے؟
اشرف: یہ ....میری بہن ہے۔
شیدا: بہن۔ایسے بدصورت کی ایسی خوبصورت بہن۔کیوں جی۔تم اس کی بہن ہو۔
ڈالی: میں اس کی ....
اشرف: کہہ دے۔ کہہ دے۔ نوکری جاتی ہے۔
ڈالی: جی ہاں۔ یہ میرا بھائی ہے۔
شیدا: بیگم۔ تمھارا نام؟
ڈالی: دل پسند۔
شیدا: واہ۔ جیسی صورت پیاری ویسا ہی نام پیارا۔ کیا آپ کے والد ....
اشرف: جی ہاں۔ جی ہاں۔ آپ ہی کی عمر کے تھے۔
ڈالی: جی میرے والد کا تو انتقال ہو گیا۔
اشرف: تو کیا ہرج ہے ۔ مالک بجائے باپ کے ہوتا ہے۔ تم آج سے انھیں کو اپنا باپ سمجھو۔
شیدا: اب اس کانٹے کو کوئی بہانہ کر کے یہاں سے ٹرخا دینا چاہیے۔ اکیلے میں دو ہی باتوں سے انٹی پر چڑھ جائے گی...... اشرف جا منہ پھیکا ہو رہا ہے۔ بازار سے پان لے آ۔
اشرف: دیکھو مجھے دھوکا دے کر کھسکانا چاہتا ہے۔
شیدا: سنا نہیں۔ جا بازار سے پان لے آ۔
اشرف: جناب پان کہاں سے لاؤں۔ کل سے تنبولیوں نے اسٹرائک کردی ہے۔
شیدا: کم بخت۔ جانا نہیں چاہتا۔ اچھا جا ایک پیکٹ سگریٹ خرید لا۔
اشرف: سگریٹ بھی نہیں ملے گا۔
شیدا: کیوں؟
اشرف: کیوں کہ نان کوآپریشن والوں نے سگریٹ کو بائیکاٹ کرادیا ہے۔
شیدا: ابے تو بازار جا کے دیکھ تو سہی۔ پھر کھڑا ہے۔ جا نہیں تو لات مار کر

بھیجوں گا۔

اشرف: (سائڈ میں) بیٹا تم لاکھ ٹالو۔ مگر میں سنیچر کی طرح تمھارے سر پر ہی سوار رہوں گا۔

(اشرف کا جانا)

شیدا: بیگم ان آنکھوں نے آج تک ہزاروں رسیلی، نوکیلی عورتیں دیکھی ہیں۔ مگر تمھاری جیسی حسین دل نشین۔ مہ جبین.............

اشرف. آچھیں..........

شیدا: ابے خالی ہاتھ لوٹ آیا۔

اشرف: سرکار آپ سے کوئی آدمی ملنے آیا ہے۔

شیدا: جہنم میں جائے تو اور ملنے والا۔ کہہ دے کہ میرا مالک گھر میں نہیں ہے۔

اشرف: اجی سنتے ہو۔ میرے مالک کہتے ہیں کہ گھر میں نہیں ہوں۔

شیدا: ابے میں کہتا ہوں۔

اشرف: ہیں تو کیا میں کہتا ہوں۔

شیدا: الو۔ کہہ دے کہ اس وقت ملاقات نہیں ہوسکتی کیونکہ میرا مالک بیمار ہے۔

اشرف: جی سرکار۔ میں اپنے مالک کے لیے ایسی بدشگونی زبان سے نہیں نکال سکتا۔

شیدا: اپنی ہی کہے جاتا ہے۔ کیسا بے ایمان نوکر ہے۔

اشرف: سنو نوکر بے ایمان اور مالک ایمان دار۔ (سائڈ میں) جو نوکر کو ٹرخا کر اس کی بیوی پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں۔

شیدا: جا میرے باپ جا۔ کوئی بہانہ کرکے اسے ٹال دے۔

اشرف: (آہستہ سے) بیوی یہ پرانا پاپی ہے۔ دیکھنا میری عزت رکھنا۔

(اشرف کا جانا)

شیدا: (سائڈ میں) نالائق نے بیچ میں ٹپک کر بات کا مزہ ہی کھودیا۔ (مخاطب

ہو کر) ہاں بانو میں کیا کہہ رہا تھا۔

ڈالی: آپ یہ کہہ رہے تھے کہ آج کل مٹر کی پھلی بہت سستی ہو گئی ہے۔

شیدا: (سائڈ میں) بڑی چلتی عورت نظر آتی ہے۔ (مخاطب ہو کر) نہیں میں یہ کہہ رہا تھا ......بیٹھ جائیے نا......ہاں تو میں یہ کہہ رہ تھا۔ کیا آپ کی شادی ہو گئی۔

ڈالی: ہاں۔جی ابھی نہیں۔

شیدا: یہ کیوں؟ دیکھو عورت بیوہ ہو کر رہ سکتی ہے مگر کنواری نہیں رہ سکتی۔ آپ جیسی بالی۔ نرالی۔ متوالی......

(اشرف ڈنڈا لے کر آتا ہے)

اشرف: ٹھہر تو سہی پاجی۔ ہمت تیری اڑ گیا۔

شیدا: یہ کیا پاگل ہو گیا۔ ارے ڈنڈا لے کر کیوں آیا۔

اشرف: حضور گھبرایئے نہیں۔ ایک بدمعاش کوا میری بلبل پر جھپٹا مارنا چاہتا تھا۔ میں نے سونٹا مار کر اسے بھگادیا۔

شیدا: ارے تو بڑے پاجی باپ کا بیٹا معلوم ہوتا ہے۔ چل نکل یہاں سے۔

(شیدا کی بیوی نازنین کی آواز)

نازنین: بس گاڑی روکو...... اشرف او اشرف۔

شیدا: ارے یہ تو میری بیوی کی آواز ہے۔ کیا واپس آگئی...... باپ رے۔

اشرف: کیوں۔ کیوں۔ باپ کی کیوں یاد آگئی۔

شیدا: اس لیے کہ اپنے باپ کے گھر سے میری خالہ اماں واپس آگئیں۔ پرائی عورت سے میں باتیں کررہا تھا یہ سنے گی تو کھوپڑی پر ایک بال بھی نہ چھوڑے گی۔

اشرف: تو اچھا ہوا۔ حجامت کے پیسے بچ جائیں گے ۔

شیدا: میری موت آپہنچی اور تجھے دل لگی سوجھتی ہے۔ چھپا اسے کہیں چھپا۔

اشرف: کہاں چھپاؤں۔

شیدا: چولھے میں۔ بھاڑ میں۔ جہنم میں۔ کہیں چھپادے۔ جلدی چھپا۔ میں تجھے انعام دوں گا۔

اشرف: انعام۔ اچھا تو پہلے کچھ پیشگی دو۔

شیدا: لے باوا لے۔

اشرف: میں روپے کا لالچی نہیں۔ تم زور دیتے ہو تو میں احسان کرکے لے لیتا ہوں۔ (بیوی سے) اچھا میری سبز پری اس پردے کے پیچھے چھپ جاؤ۔

شیدا: جاؤ میری ماں جاؤ۔

اشرف: اجی حضور۔ ابھی جسے معشوق بنانا چاہتے تھے اسے ماں کہتے ہو۔

شیدا: ارے باوا۔ ضرورت پر لوگ گدھے کو باپ بناتے ہیں تو میں نے معشوق کو ماں کہہ دیا تو کیا ہرج ہے۔

(نازنین بیگم کا داخل ہونا)

نازنین: اشرف۔ گاڑی پر جو سامان رکھا ہے اتار لے۔ سنا نہیں۔ پردے کے پاس کیا کھڑا ہے۔

اشرف: سرکار میں یہاں سے نہیں ہٹ سکتا۔ کیونکہ اس پردے کے پیچھے.........

شیدا: ہوں ہوں.........

اشرف: تو لاؤ۔ اور کچھ لاؤ۔

شیدا: لے اور لے مگر بھید نہ کھول۔

نازنین: ہاں تو کیا کہہ رہا تھا اشرف۔ اس پردے کے پیچھے کیا ہے؟

اشرف: حضور اس پردے کے پیچھے ایک نہایت خوبصورت...... (آہستہ سے شیدا سے مخاطب ہو کر) کیوں کہہ دوں۔

شیدا: (آہستہ سے) خدا کے لیے میری عزت رکھ۔

اشرف: نہیں میں کہہ دوں گا۔ نہیں تو اور کچھ لاؤ۔
شیدا: لے لے لے لے۔
نازنین: تو پھر بولتے بولتے چپ ہوگیا۔ مجھے شک ہوتا ہے۔ ہٹ میں خود دیکھوں گی۔ (پردہ ہٹا کر دیکھتی ہے) یہ کون؟ یہ کیا؟
شیدا: آگئی شامت۔ ارے کیس بگڑتا ہے جلدی وکیل بن کر ڈیفنس کر۔
اشرف: اچھا۔ تو وکیل کی فیس لاؤ۔
نازنین: کیوں میرے جانے کے بعد گھر میں مزے ہوتے ہیں۔ عورتیں بلائی جاتی ہیں۔ میں سب سہہ سکتی ہوں مگر سوت کا جلاپا نہیں سہہ سکتی۔ آج خود بھی زہر کھالوں گی اور تجھے بھی مار ڈالوں گی۔
اشرف: سرکار خفا نہ ہوں۔ یہ کوئی پرائی عورت نہیں ہے۔ یہ تو ......
شیدا: اس کی بہن ہے۔
اشرف: کیسی بہن۔ میں تو اپنے باپ ماں کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ سرکار یہ تو میرے ہونے والے بچے کی ماں ہے۔
نازنین: یعنی تیری بیوی ہے؟
اشرف: جی ہاں۔
نازنین: تو اسے تو نے پردے کے پیچھے کیوں چھپا رکھا تھا؟
اشرف: اس لیے کہ اسے دیکھ کر آپ کا پالو کتا کاٹنے دوڑا تھا۔
نازنین: مگر مجھے کیسے یقین ہو کہ یہ تیری بیوی ہے۔ اچھا قسم کھا۔
اشرف: آپ کے نمک اور مالک کے قدموں کی قسم۔
شیدا: ارے تو کیا یہ سچ مچ تیری بیوی ہے؟
اشرف: میری نہیں تو کیا محلے والوں کی بیوی ہے۔
شیدا: جب تو اس سے شادی کرچکا تھا تو پھر میرے سامنے کنوارا کیوں بنا۔ نکل پاجی میری نوکری سے۔
اشرف: (آہستہ سے) یہ بات ہے تو میں بھی تمھارا بھانڈا پھوڑے دیتا ہوں۔ سرکار اصل بات یہ ہے......

شیدا: ارے چپ چپ۔
اشرف: لاؤ لاؤ۔
نازنین: کیا ہے۔
اشرف: حضور کچھ نہیں۔ ہمارے شریف مالک ایسی خوبصورت بیوی ملنے پر مجھے مبارک باد دے رہے ہیں۔
نازنین: (شیدا سے) پیارے میں نے غصے اور بھول میں تم پر شک کیا۔ معافی چاہتی ہوں۔
شیدا: جاو معاف کیا۔ (اشرف سے) اور الو کے پٹھے احسان مان تجھے بھی معاف کرتا ہوں۔

(سب کا گانا)

نازنین ۔ ڈالی: سیاں تورے بنوں۔ گلے کا ہار۔ میں بلہار۔ بار بار۔
شیدا ۔ اشرف: کیسی چتر سگھڑ موری نار۔ واہ ۔ واہ۔
نازنین۔ ڈالی: تن من دھن ساجن پر ڈاروں وار۔ وار۔ وار۔
شیدا۔ اشرف: تو میری پیاری البیلی۔ میں تیرا البیلا۔
اشرف: کیوں کیسا کھیل میں کھیلا۔
شیدا: باوا تو ہے گرو میں چیلا۔
نازنین۔ دل پسند: تن من دھن ساجن پر ڈاروں وار۔ وار۔

باب پہلا ——— سین چھٹا

شاہی بارہ دری

(رامش گروں کا گانا)

ہر بشر نظر جگر فدا۔
سارے جہاں میں تیرا نام۔ بڑا احتشام بڑا۔
ہر جا جمال و جلال و کمال سدا دونا ہو۔
ڈنکا تیرے نیاے کا باجے۔
سگرے گام پر جا سکھی نت پریم سوں۔
جپے تمھارا نام۔
تو خیر خواہی۔

پہلا درباری: ۔ تابندہ تیرا نیّر بخت جواں رہے
دوسرا درباری: ۔ ہوں دوست شاد غیر رہین فغاں رہے
تیسرا درباری: ۔ سر پر ہمیشہ سایۂ رب زماں رہے
چوتھا درباری: ۔ مخلوق کا تو حشر تلک پاسباں رہے
پانچواں درباری: ۔ دن رات تجھ پہ رحمت حق کا نزول ہو
چھٹا درباری: ۔ حاصل ہو عیش تو نہ کبھی دل ملول ہو

(جہاں دار شاہ کا ملازم کے لباس میں آنا)

جہاں دار: جہاں پناہ کے مراتب اعلیٰ۔ غریب جمیل کی بہن در دولت پر آئی ہے۔
شاید کچھ گزارش لائی ہے۔

صفدر : کیا جمیل کی کوئی بہن بھی ہے؟
جہاں دار: جی ہاں اس کی سعیدہ نام ایک بہن ہے۔ نیک چلن ہے۔
صفدر: سمجھ گیا۔ کیوں آئی ہے۔ حاضر کرو۔

(جہاں دار شاہ کا جانا)

دنیا کے لوگ خود ہی سزا اور جزا کا قانون بناتے ہیں اور خود ہی اس کی برائی گاتے ہیں۔ سانپ سے دوستی بڑھاتے ہیں اور جب وہ کاٹتا ہے تو شور مچاتے ہیں۔ کیا جمیل کی بہن میرے ارادے پر فتح پالے گی ۔ اپنے بھائی کو انصاف کے پنجے سے چھڑا لے گی...... بے وقوف۔

(سعیدہ کا آنا)

تم کون؟
سعیدہ: لونڈی دنیا کے باغ میں ایک ایسی بدنصیب ڈالی ہے جو پھولنے پھلنے سے پیش تر مرجھانے والی ہے ۔

برف ہوجائے جو دریا کی روانی مانگوں
سنگ ہاتھ آئے اگر لعلِ یمانی مانگوں
غم پہ غم کھاؤں اگر عیش جوانی مانگوں
داغ دے دل کو اگر کوئی نشانی مانگوں
آگ برسے جو فلک سے کبھی پانی مانگوں

صفدر: تو اس برگشتہ بختی کا علاج میں کیا کرسکتا ہوں۔
سعیدہ: آپ وہ کام کرسکتے ہیں جو گنہ گاروں کے ساتھ فضل رحمانی کرتا ہے۔ یا پیاسوں کے ساتھ دریا کا پانی کرسکتا ہے۔
صفدر: تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟
سعیدہ: قصوروں کی تلافی۔
صفدر: یعنی؟

سعیدہ: اپنے بدنصیب بھائی کے لیے معافی۔

صفدر: تمھارے بھائی نے گناہ کیا ہے۔

سعیدہ: جی ہاں۔ مگر یہ گناہ اس کا پہلا گناہ ہے۔

صفدر: تو کیا پہلا گناہ ہو تو اسے معاف کردینا چاہیے۔

سعیدہ: جی ہاں۔ معاف کردینا چاہیے۔ چور کو پہلی خطا پر بید لگواتے ہیں اور دوسری خطا پر جیل بھجواتے ہیں۔ گھوڑے کو پہلے چمکارتے ہیں اور وہ جب نہیں مانتا تب کوڑے مارتے ہیں۔

صفدر: بس لڑکی اپنی زبان بند کر۔

سعیدہ: اگر میرے جسم کا ہر رویاں ایک زبان ہو اور ہر زبان ہزار برس تک بولے ؎

تب بھی مری فریاد و فغاں بند نہ ہوگی
دم بند ہو لیکن یہ زباں بند نہ ہوگی
بھائی کے لیے سوزش جاں بند نہ ہوگی
اللہ کے آگے بھی فغاں بند نہ ہوگی
زخمی ہو جگر اور دل ہمراز نہ بولے
مضراب لگے تار کو اور ساز نہ بولے

صفدر: جا لڑکی جا۔ میں قانون کو کمہار کا کھلونا بنانا نہیں چاہتا۔ جسے جب چاہیں بنالیں اور جب چاہیں ٹھوکر مار کے توڑ ڈالیں۔

سعیدہ: آہ۔ اگر آپ سعیدہ اور میں صفدر جنگ ہوتی تو کیا ایسا ہی سخت انصاف کرتی۔ نہیں۔ نہیں۔ اگر آپ اس مرتبہ گناہ کر کے معافی چاہتے تو میں آپ کو دس ہزار مرتبہ معاف کرتی۔ ؎

بے آب ہے موتی تو ہے کنکر کے برابر
بے نور ہے ہیرا تو ہے پتھر کے برابر
جو شاہ سر رحم رسائی نہیں رکھتا
وہ ایسا سمندر ہے جو پانی نہیں رکھتا

صفدر: دیکھو تمھارے بھائی نے قانون کے خلاف کیا اور اب تم میرے حکم کے خلاف کرتی ہو۔

سعیدہ: کاش جس طرح میں آپ کے حکم کے خلاف کرتی ہوں۔ اسی طرح آپ بھی خدا کے حکم کے موافق اور اپنی مرضی کے خلاف کرتے۔

صفدر : تو کیا ہوتا۔

سعیدہ: تو بیاہ ہونے سے پہلے ایک عورت کو بیوہ ہونے سے بچاتے۔ بے باپ کے بچے کو باپ عطا فرماتے۔ بے بھائی کی بہن کو بھائی دلاتے۔ آپ خود کو میرے بھائی کی جگہ سمجھیے اور پھر دیکھیے کہ آپ کو جان کیسی عزیز معلوم ہوتی ہے۔ رحم اور انصاف ، زندگی اور موت دونوں میں کون سی میٹھی چیز معلوم ہوتی ہے۔

صفدر: لڑکی تو بہت بول چکی۔ بس کر ۔

بگڑ چکی ہے جو کچھ تھی بناو کی صورت
نہیں ہے اب کوئی اس کے بچاو کی صورت

سعیدہ: دیکھیے میری طرف دیکھیے۔ ہزاروں نیکیوں سے جو کام نہ ہوگا، ہزاروں بھلائیوں سے جو نام نہ ہوگا وہ ہو سکتا ہے۔

صفدر: کس سے؟

سعیدہ: ایک زخمی دل پر مرہم لگانے سے۔ ایک گناہ گار پر رحم فرمانے سے۔ رحم کرو۔ رحم کرو۔

صفدر: یہ میں کچھ نہیں جانتا۔

سعیدہ: میرے حضور۔ اگر آپ اس کے گناہ معاف کردیں گے تو کیا دنیا اور خدا کی مرضی کے خلاف کریں گے؟

صفدر: مگر میں ایسا نہیں کرسکتا۔

سعیدہ: آپ چاہیں تو سب کچھ کرسکتے ہیں۔ آپ کا دل رحم اور انصاف کا مالک ہے اور آپ اپنے دل کے مالک ہیں۔ چاہے معاف کیجیے چاہے اس کے خلاف کیجیے۔ ۔

موت اور زندگی کے ہو تم شاہ حکمراں
چاہے کسی کو قتل کرو چاہے دو اماں
دل ایک باغ اور ہو تم اس کے باغباں
اب باغباں کو چاہیے اچھے برے کا دھیاں
تخم حیات بوے کہ نخل اجل لگائے
چاہے گلاب چاہے دھتورے کا پھل لگائے

صفدر: میں نہیں جانتا کہ رحم کیا چیز ہے جو لوگوں کو اس قدر عزیز ہے۔

سعیدہ: رحم کیا ہے؟ رحم، دل کے چشمے کا آب حیات ہے۔ تاج و تخت کو سنبھالنے والا لوہے کا ہاتھ ہے۔ رعیت کے دل پر قبضہ پانے کا وسیلہ ہے۔دشمنوں کو دوست اور دوستوں کو غلام بنانے کا حیلہ ہے۔ اگر تم خدا کی مرضی کا دل ٹٹولو، دانائی کی کتاب کھولو اور پڑھو تو میں سنہری حرفوں سے لکھا ہوا ایک ہی لفظ ملے گا۔

صفدر: کیا؟

سعیدہ: رحم صرف رحم۔

ایک دل شام سے یوں تا بہ سحر جلتا ہے
جس طرح آگ لگانے سے شجر جلتا ہے
ایسی سوزش ہے کہ نالوں کا اثر جلتا ہے
چشم پر آب ہے اور اس پہ جگر جلتا ہے
کیجیے رحم کہ برسات میں گھر جلتا ہے

صفدر: بس اس نام کو پھونکو۔

نہ ہوگی خیر جو اب رحم کا کلام آیا
جلیں گے ہونٹ زباں پر جو اس کا نام آیا

سعیدہ: تو کیا وہ ضرور مارا جائے گا۔

صفدر: ایک بار نہیں ہزار بار سر اتارا جائے گا۔

سعیدہ: ایسی خود غرضی۔

صفدر: ہماری مرضی۔
سعیدہ: آخر سبب؟
صفدر: چپ بے ادب۔
سعیدہ: حضور۔
صفدر: چپ بے شعور۔

باب پہلا ——— سین ساتواں

کامک

ایک آراستہ کمرہ

ڈالی: زمیں پاؤں کے نیچے گھومتی ہے۔ آہا رومیو جولیٹ کیسے ضدی عاشق و معشوق تھے۔ اس میں خاص کر جولیٹ تو بڑی چالاک معشوقہ تھی۔ جس نے اپنے منگیتر کو ٹھگا۔ ماں باپ کو ٹھگا۔ پادری کو ٹھگا۔ اور قبر میں سو کر فرشتوں کو بھی ٹھگا۔

اشرف: (سائڈ میں) 1922ء کے ہندوستان کا نمونہ۔ انگریزی اور فیشن کی تصویر۔ غریب ہندوستان کی پھوٹی ہوئی تقدیر۔..........بیوی۔

ڈالی: او یو بے وقوف کیا ہے۔

اشرف: اہا ہا ہا۔ اس خطاب پر بھی میاں خوش نہ ہوں تو بڑا ہی بے حیا ہے۔ اجی میں کہتا ہوں ذرا اس گورے چمڑے سے کہہ دو کہ کبھی کبھی اس کالے چمڑے سے بھی محبت سے پیش آیا کرے۔

ڈالی: او یو ڈرٹی خصم۔ تم کیا سمجھ کر میرے اسٹڈی روم میں داخل ہوے۔ جاو یہاں سے بابا۔

اشرف: اری چپ بابا کی بچی۔

ڈالی: آئی وِل ڈو۔ واٹ ایور آئی لائک۔ میں جو چاہوں گی کروں گی۔ پلیز گیٹ اوے ایٹ وَنس۔ زمیں پاؤں کے نیچے گھومتی ہے۔ وہ زمانہ قریب

ہے کہ جب مردوں کو دم اور عورتوں کے ڈاڑھی نکل آئے گی۔ زمیں پاؤں کے نیچے گھومتی ہے۔

اشرف: ٹھیک ہے۔ زمیں پاؤں کے نیچے گھومتی اور پاؤں اسکیٹنگ روم اور اپنا گھر کا چکر لگاتے ہیں۔

ڈالی: اومائی گاڈ۔ یہ کیسا بُلڈاگ پاپا نے مجھے کاٹ کھانے کو پال رکھا ہے۔

اشرف: جنگلی۔ بلڈاگ کسے بناتی ہے؟

ڈالی: ٹو یو سر۔

اشرف: کیوں۔

ڈالی: اجی تم میرے باپ کے بندھوا غلام ہو۔ ان کے پیسے سے تو یہ تمھاری شکل بنی ہے ورنہ جھاڑو دینے کی بھی تمھاری صورت نہیں ہے۔

اشرف: ہاں؟

ڈالی: یس۔

(مرزا کا داخل ہونا)

مرزا: او یو آر۔ مس ڈالی۔

ڈالی: دیکھو اب شامت آتی ہے۔

مرزا: او یو آر۔ ہیلو تم ادھر ہے۔ تم کو ایک ڈزن وقت کہہ دیا کہ ڈالی کے اسٹڈی میں دخل نہ دیا کرو۔ اس کی تعلیم میں انٹرپشن نہ کیا کرو۔ او یو آر۔ کیوں نہیں تم جاکر نیچے چوکیدار کے ساتھ دروازے پر بیٹھا کرتے ہو۔ ہر وقت یہیں گھسے رہتے ہو۔

ڈالی: فادر فادر۔ میں اسٹڈی کرتی تھی۔ انھوں نے آکر دروازہ کی کنڈی چڑھادی اور بک بک کر کے میرا دماغ پھرا دیا۔

مرزا: یو شیم لس بروٹ۔ تم کو ہزار دفعہ کہا کہ ہم کو ایسی باتیں نہیں ہیں پسند۔ ڈالی، ہی از سن آف آل.....(اشرف سے) تم الو کا بچہ ہے۔

اشرف: بے شک بچہ ہے۔ صرف ڈاڑھی منھ پر نکل آئی ہے۔
مرزا: تم گدھے ہو۔
اشرف: جبھی تو ڈھینچوں ڈھینچوں کرتا ہوا آیا ہے۔
مرزا: میں سمجھتا ہوں کہ تم شریف نہیں ہو۔
اشرف: یہ تو حرکتوں سے ہی ظاہر ہو رہا ہے۔
مرزا: تم بھلے آدمی کا بچہ نہیں ہے۔
اشرف: ارے بھلا آدمی کیا۔ میں تو تجھے آدمی ہی کا بچہ نہیں سمجھتا۔
مرزا: ویل اشرف۔ یولیو مائی ہاؤس ایٹ ونس۔
اشرف: یعنی؟
ڈالی: دم دبا کر بھاگو۔
مرزا: بس تم ہمارے مکان سے نکل جاو۔ ایک دم سے ٹل جاؤ۔

(فیضن کا آنا)

فیضن: اجی آج تمھیں ہوا کیا ہے۔ بیٹی کی طرفداری کر کے غریب داماد کی عزت لے رہے ہو۔ اور بیٹی کے جو منھ میں آئے اسے کہے دیتی ہے۔
مرزا: او یو بے علم جاہل اولڈ فیشن عورت تجھے یہاں کس نے آنے کو کہا۔
اشرف: ہاں اماں آنا تھا تو پہلے صاحب بہادر کے پاس ملاقاتی کارڈ کیوں نہیں بھیجا۔
فیضن: غریب ہوا تو کیا ہے۔ اپنا داماد ہے۔
ڈالی: تمھارا داماد اور میری ستیا ناس کا مصالحہ۔
فیضن: تو کیوں بیچ میں بولتی ہے میڈم کی خالہ۔
ڈالی: فادر دیکھو۔ میری اسٹڈی میں دیر ہوتی ہے اور مدر کیوں بیچ میں بولتی ہے۔
فیضن: بس چپ۔ رہنے دے اپنی انگریزی ۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش، ہمیں سے گھات کرتی ہے۔ ہم سمجھیں نہیں اس لیے اپنے باپ سے انگریزی

میں بات کرتی ہے۔ دیکھو میں کہتی ہوں کہ لڑکی کو اس قدر نہ پڑھاؤ کہ شرافت سے باہر نکل جائے۔

ڈالی: واٹ ڈو یو مین بائی دس۔ کیا میں شرافت سے باہر ہوں۔

فیضن: چپ ناکارہ۔ نہ سینا سیکھتی ہے نہ پرونا۔ ہر وقت لونڈر کے صابن سے ہاتھ منہ دھونا۔

ڈالی: اہا ہا ہا۔ اماں پرانی۔ شکل پرانی۔ عقل پرانی۔

اشرف: بس اماں بس۔ سسرال کی ناز برداری ہو چکی۔ غریب داماد کی خاطرہوچکی۔ اب میں اپنا بوریا بندھنا سنبھالتا ہوں۔ زمین آسمان کہیں بھی نوکری ڈھونڈھ نکالتا ہوں۔

مرزا: نوکری اور تجھے ملے گی۔

اشرف: کیوں نہ ملے گی۔

مرزا: ملے گی کسی شراب خانے میں گلاس دھونے کی۔

ڈالی: نہیں پاپا۔ کسی لاوارث کی میت پہ رونے کی۔

مرزا: نہیں میونسپل میں چوہے پکڑنے کی۔

اشرف: نہیں تم سبھوں کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کی۔ لو اب میں جاؤں گا۔

ڈالی: جھاڑو دینے۔

اشرف: اجی میاں سسرے صاحب۔ میرا زبانی نوٹس لو۔ لہٰذا کل میں ضرور جاؤں گا۔ اور آپ کی تعلیم یافتہ لڑکی یعنی اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جاؤں گا۔

ڈالی: نو نو نو۔ میں کبھی نہ جاؤں گی۔ کیا میں اس غریب کے ساتھ جا کر ہانڈی برتن مانجھوں گی۔ میں یہیں رہوں گی۔ پڑھوں گی، لکھوں گی اور بی۔ اے۔ کی ڈگری لینے کے بعد ولایت سے بیرسٹری پاس کر کے آؤں گی۔ اور پھر عدالت میں اپنی مظلوم بہنوں کے ہزاروں نکاح تڑواؤں گی۔

اشرف: او فتنہ۔ نکاح تڑوائے گی تو کوئی دل جلا عدالت ہی میں جوتیاں بھی دے گا۔

فیضن: دیکھو میں پھر کہتی ہوں کہ لڑکی کی زندگی برباد نہ کرو۔ اس کو اس کے

خاوند کے ساتھ روانہ کردو۔ خاوند سے چھڑاؤگے تو کیا سدا سہاگن بناؤگے۔ آخر جوان لڑکی کو کب تک گھر میں بٹھاؤگے۔

مرزا: دماغ نہ چاٹ۔ جا باورچی خانے میں پیاز کاٹ۔

ڈالی: بی کوائٹ مدر۔

مرزا: ویل مسٹر اشرف۔

اشرف: یس خانسامہ صاحب۔

مرزا: اگر تم کو جانا منظور ہے تو جاو۔ میں ڈالی کو نہ بھیجوں گا۔ اینڈ لائک اے وائز مین، اگر تم عقل مند ہو تو اسے ساتھ نہ لے جاؤ۔ یو سی۔ ابھی ان کے امتحان کا زمانہ ہے۔ اس لیے ابھی سے ڈالی کو گھر کے کاروبار میں جوتنا گویا اس کی زندگی برباد کرنا ہے۔ یو انڈر اسٹینڈ۔

ڈالی: دیکھو فادر نے تم کو کیسی اچھی نصیحت دی ہے۔

مرزا: آئی ایم ڈوئنگ دِس آل فار یور ہپی نس۔ میں جو کچھ کررہا ہوں تمھاری بھلائی کے لیے۔ ڈو یو سی۔ ڈونٹ بور یور وائف۔ او یو آر۔

(مرزا کا جانا)

ڈالی: مسٹر اشرف کچھ سمجھے۔

اشرف: ہاں سمجھے۔

ڈالی: کیا سمجھے؟

اشرف: یہی کہ تم سے اور تمھارے باپ سے خدا سمجھے۔

ڈالی: نو نو مائی ڈیر خفا نہ ہو۔ آخر میں کس کی ہوں۔ تمھاری۔

اشرف: مجھے یقین نہیں آتا کہ تو پڑھ لکھ کر میری رہے گی ۔ بلکہ تو اپنے باپ کی بھی نہ رہے گی۔ ـ

کسی کی رہی ہے نہ میری رہے گی
جوانوں کے حلقے میں گھیری رہے گی

خدا بخشوں کی ہیرا پھیری رہے گی

ڈالی: ڈیر میرے اسکول کا وقت قریب آ گیا۔

اشرف: تو کیا کروں۔

ڈالی: یہی کہ ذرا چھتری اور کتابیں اٹھاؤ اور میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔

اشرف: تمھاری چھتری اور کتابیں اٹھاؤں۔

ڈالی: کیا کچھ شرم کی بات ہے۔

اشرف: اجی شرم کیا ڈوب مرنے کی بات ہے۔ ابھی تو چھتری اور کتابیں اٹھوائیں۔ کل کو میرے کاندھے پر سوار ہوجاؤ گی۔ خصم کو بھاڑے کا ٹٹو بناؤ گی۔

ڈالی: او گاڈ۔ آپ کو دس قدم میرے ساتھ چلنے میں بار گذرتا ہے اور آپ کی میم صاحب کو ایجوکیشن دلانے کے لیے میرے باپ کا ہزاروں روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ اس کا کچھ بھی خیال نہیں۔ کم الانگ مائی کمانڈنگ۔

اشرف: کوئی دیکھتا تو نہیں ہے۔ ؎

لیا نوکر کا شوہر ہی سے کام آہستہ آہستہ
بنایا مجھ کو جورو کا غلام آہستہ آہستہ

ڈالی: ؎

چلے آؤ میرے ہمراہ ڈیر آہستہ آہستہ
کہ ہے اسکول اب ڈیر نیر آہستہ آہستہ

اوجانی۔ کم الانگ ود می۔ بیگ اٹھاؤ۔ ساتھ آؤ جلدی ۔ مائی ڈیر۔

باب پہلا ۔۔۔۔۔۔ سین آٹھواں

محل

(صفدر کا آرام کرتے ہوئے نظر آنا)

صفدر: یا خدا یہ کیا عذاب ہے۔ نہ چین ہے نہ خواب ہے۔ نہیں معلوم کیا ہے۔ کیوں ہے اور کس بات کا پیچ و تاب ہے۔ بدن سنسناتا ہے۔ دل بیٹھا جاتا ہے۔ کیا موسم کی گرمی کا اثر ہے۔ مگر گرمی کدھر ہے۔ نہیں نہیں ضرور ہے ورنہ آنکھوں سے دھواں کیوں نکلتا۔ کلیجہ کیوں جلتا ۔

نہ آنکھ جھپکے، نہ نیند آئے نہ ایک دم ہے سکون مجھ کو
کسی نے یا سحر کر دیا ہے ہوا ہے ورنہ جنون مجھ کو

(کسی کی آہٹ سن کر) کون؟

(جہاں دار شاہ کا ملازم کے لباس میں آنا)

جہاں دار: حضور کل جو لڑکی آئی تھی وہ آج پھر شرف حضوری کی امیدوار ہے۔

صفدر: کون۔ مجرم جمیل کی بہن سعیدہ۔

جہاں دار: جی حضور۔

صفدر: (خود کلامی) کون آتی ہے۔ سعیدہ۔ یا خدا میرا دل کیوں اچھلتا ہے۔ آہ کوئی کلیجہ ملتا ہے۔ مگر کیوں کس لیے۔ کیا اس حسین عورت کی صورت، کیا اس خوب صورت دیوی کی مورت میرے دماغ کے مندر میں پوجی جا رہی ہے۔ کیا اس مٹی کے چاند۔ کیا اس خاکی آفتاب کے حسن کی روشنی

میرے دل کے فانوس میں جگمگا رہی ہے۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ چاہے حسن عشق کو پھنسانے کے لیے جنت کی حوروں سے ناز و انداز مانگ لائے۔ چاہے تمام دنیا کی خوب صورتی سعیدہ بن کر آئے۔ مگر انصاف کی عاشق طبیعت کو کبھی اپنا شیدا بنا نہیں سکتی۔ صفدر جنگ جیسے مضبوط، سخت اور پتھر کا دل رکھنے والے پر اپنی دل فریبی کا نقشہ جما نہیں سکتی۔ مگر آہ۔ پھر بھی طبیعت کا غیر حال کیوں ہو رہا ہے۔ سعیدہ کے آنے سے دل کیوں خوف کھاتا ہے۔ آؤ آؤ۔ تمام جرم وگناہ کے محافظ فرشتو آؤ۔ میری مدد کو آؤ۔ بچاو۔ میرے استقلال کو لغزش سے بچاؤ۔ اطمینان کو پریشان خیالوں پر فتح دلاؤ یا اس خوبصورت تصویر پر بدصورتی کا روغن مل دو۔ یا میرے دل کو کچل دو۔ مسل دو۔ ایک پتھر کے ٹکڑے سے بدل دو ۔۔ ۔(آواز سے) کون؟

سعیدہ: غریب جمیل کی ماں جائی۔

صفدر: کیا ہے۔ پھر کیوں آئی۔

سعیدہ: حضور سے کچھ التماس ہے۔

صفدر . کیا التماس ۔ وہی بھائی کا پاس۔ موت کا ہراس۔ فضول بکواس۔ یا کوئی اور امر بے احساس۔

سعیدہ: جی نہیں۔ یہ نہیں۔ بلکہ اس مرتبہ میں اپنی لڑکھڑاتی زبان اور کانپتے ہوے ہونٹوں سے کچھ عرض کرنے آئی ہوں اور آپ کے لیے ایک بیش قیمت رشوت لائی ہوں۔

صفدر: رشوت۔ اے چالاک زمانہ۔ کیا انصاف کی تلوار کا وار رشوت کی ڈھال سے چاہتی ہے بچانا۔ ؎

صیاد بن کے آئی ہے اپنے خیال میں
انصاف کو پھنساتی ہے سونے کے جال میں
نفرت ہے گنج و مال سے اپنی سرشت میں
رشوت میں گر ملے تو نہ جاوں بہشت میں

سعیدہ: جی نہیں۔ میں وہ خزانہ آپ کو دینے نہیں آئی ہوں جس نے فرعون کو مچھلیوں کی خوراک کیا۔ ضحاک کو ہلاک کیا۔ قارون کو تہِ خاک کیا۔ ؎

جس کو پایا جس بشر نے نیک کاری چھوڑ دی
دوست داری، غم گساری، شرم باری چھوڑ دی
خاک کے پتلے تھے لیکن خاکساری چھوڑ دی

صفدر: (خود کلامی) یا خدا۔ کیا اچھا ہوتا جو میں اس زاہد فریب لڑکی کی زیادہ باتیں سننے کے لیے مجبور نہ ہو پاتا۔ میری آنکھوں میں نور نہ ہوتا۔ یا اس کے چہرے کی کتاب میں حسن و عشق کا حال مذکور نہ ہوتا..... (مخاطب ہوکر) لڑکی وہ کون سا خزانہ ہے؟

سعیدہ: وہ ایسا خزانہ ہے جس کی تمام دنیا کے بادشاہ مل کر قیمت نہیں ادا کر سکتے۔

صفدر: مگر معلوم تو ہو وہ ہے کیا؟

سعیدہ: مایوس، برباد اور غریب دل کی دعا۔

صفدر: لڑکی اگر قانون ایسے زبانی خزانوں پر انصاف بیچنے پر آمادہ ہوتا تو آج عدالت کے مکان سے پنساری کی دکان کا مرتبہ زیادہ ہوتا۔ ؎

یہی حالت ہوا کرتی اگر فرماں رواؤں کی
یوں ہی بکتا اگر انصاف دولت پر دعاؤں کی
تو جتنی آج کل دنیا میں قانونی کتابیں ہیں
ورق سے ان کے بنیئے باندھتے پڑیا دواؤں کی

سعیدہ: افسوس جہنم کو گناہ گار سے۔ موت کو بیمار سے۔ شیطان کو انسان سے۔ کفر کو ایمان سے جتنی دشمنی نہ ہوگی اتنی آپ کو ہمدردی اور رحم کے نام سے دشمنی ہے۔ خدا جانے ایسی سنگ دل طبیعت کس مٹی اور پانی سے بنی ہے۔ خیر سلام اے نیک بخت نیک نام۔ سلام ؎

زمانے میں کسی کے کام جو آئے وہ کم نکلے
جنھیں اہل کرم سمجھے تھے وہ اہل ستم نکلے

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

صفدر: (خود کلامی) جانے دوں۔ کیا اسے جانے دوں۔ مگر دل تو کہتا ہے کہ بغیر اپنا دل دکھائے نہ جانے دوں۔ اے نیکی اور بدی کے پیدا کرنے والے انصاف اور ایمان تیرے ہاتھ میں ہے (سعیدہ کو مخاطب کرکے) لڑکی ٹھہر۔ او گویائی یاری کر۔ لڑکی بھلا تو اور کوئی چیز رشوت میں دے سکتی ہے۔

سعیدہ: حضور یہ غریب لڑکی دعاؤں کے سوا اور کیا دے سکتی ہے۔

صفدر: حضور حضور۔ اے کتاب نمرود کے ناپاک حرف۔ کاش حضور کے بدلے میرا خطاب عاشق رنجور ہوتا تو میں ان حیات بخش ہونٹوں سے سن کرکتنا مسرور ہوتا ...... فرض کرو کہ کسی ایسی چیز کا سوال ہو جو تمھارے پاس فی الحال ہو۔

سعیدہ: میرے خیال میں تو میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ اور ہے تو بھائی سے زیادہ عزیز نہیں۔

صفدر: تو میں جو کچھ مانگوں گا پاؤں گا۔

سعیدہ: ہاں۔ دو چیزوں کے سوا سب کچھ۔

صفدر: ان چیزوں کا کیا نام و نشان۔

سعیدہ: ایک کا نام عصمت اور دوسرے کا نام ایمان۔

صفدر: ان چیزوں سے کوئی کیا فائدہ اٹھائے گا۔ اوڑھے گا یا بچھائے گا۔اچھا فرض کرو اگر کسی نے انھیں دونوں میں سے ایک چیز چاہی۔

سعیدہ: تو وہ مجھ سے لعنت پائے گا اور خدا سے روسیاہی۔

صفدر: اگر ایسا خیال ہے تو تیرے بھائی کا بچنا محال ہے۔

سعیدہ: ایک کیا اگر ایک لاکھ بھائی ہوں تو میں سب کو اپنے ہاتھوں سے پھانسی پر چڑھاؤں گی۔ مگر اپنا ایمان کبھی نہ گنواؤں گی۔

صفدر: تمھارے بھائی نے گناہ کیا ہے۔

سعیدہ: سچ ہے۔

صفدر: اور بہت بڑا گناہ کیا ہے۔

سعیدہ: یہ بھی سچ ہے۔

صفدر: اور اس گناہ کا کفارہ صرف دو چیزوں سے ہوسکتا ہے۔

سعیدہ: پھانسی یا رشوت۔

صفدر: سمجھتی ہو۔

سعیدہ: ہاں۔

صفدر: تو اب بتاؤ کہ تم اپنے بھائی کو چھڑانا چاہتی ہو یا پھانسی کے تختے پر لٹکانا چاہتی ہو۔

سعیدہ: نہیں نہیں یہ خونی لفظ زبان سے نہ نکالو۔ بچالو بچالو میرے بھائی کو بچالو۔ ؎

سر چاہیے کہ آپ کو یہ جان چاہیے
فرمائیے جو آپ کو ذی شان چاہیے
سب کچھ میں دوں گی اس کی رہائی کے واسطے
میں اپنی جان بیچوں گی بھائی کے واسطے

صفدر: تو مجھے ایک چیز چاہیے۔

سعیدہ: فرمائیے۔

صفدر: تیرا حسن معشوقانہ اور تیری عصمت کا خزانہ ......کیوں حیران ہے۔

سعیدہ: تو انسان کے لباس میں شیطان ہے۔

صفدر: بدزبان مجھے پہچان کر بات کر۔

سعیدہ: پہچانتی ہوں۔

صفدر: کیا؟

سعیدہ: جانتی ہوں۔

صفدر: کیا؟

سعیدہ: یہی کہ قابیل نے دوسری زندگی پائی ہے۔ انسان کے جسم میں کسی خبیث کی روح سمائی ہے۔

صفدر: او بد اوسان۔ میری شان اور یہ گستاخانہ زبان۔ میں کون ہوں؟

سعیدہ: کون ہے؟

صفدر: اس ملک کا سلطان۔

سعیدہ: چپ شیطان ۔ بادشاہوں کا نام بدنام کرنے والے۔ کیا بادشاہ اسی کو کہتے ہیں جو اپنی رعیت کی بہو بیٹی پر بری نظر ڈالے۔ ؎

شاہ وہ ہے جو رعیت کا ہمیشہ یار ہے
شاہ وہ ہے باپ ماں سے جو سوا غم خوار ہے
جو مسیحا بن کے ایذا دے وہ خود آزار ہے
گل جو ہاتھوں میں چبھے وہ گل نہیں ہے خار ہے
شاہ دے کر رنج دے تو وہ خدا کا قہر ہے
جو دوا لے جان وہ دارو نہیں ہے زہر ہے

صفدر ؎

یہ توکہے نہ کہے خود قبولتا ہوں میں
کہ بادشاہ کا اک فرض بھولتا ہوں میں
مگر وہ کون ہے جو ایک دن تباہ نہ ہو
بشر ہی وہ نہیں جس سے کوئی گناہ نہ ہو

سعیدہ: جب تم یہ جانتے ہو کہ دنیا میں کوئی ایسا آدمی نہیں جس سے کوئی نہ کوئی غلطی نہ ہوتی ہو۔

صفدر: بے شک۔

سعیدہ: تو پھر سمجھو کہ میرا بھائی بھی انسان ہے اور بہ حیثیت انسان کے اس سے بھول ہوئی ہے۔ میں معافی مانگتی ہوں۔ میرا بدنصیب بھائی معافی مانگتا ہے۔ میرے مرحوم ماں باپ کی روحیں معافی مانگتی ہیں۔ معاف کر معاف کر۔ اے فانی دنیا کے مجازی بادشاہ معاف کر۔

صفدر: لڑکی کیوں تکرار کرتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ طبیعت تجھ کو پیار کرتی ہے۔

سعیدہ: اور اسی پیار کے لیے تو گناہ کرے گا..........گناہ گار۔

صفدر: میں گناہ گار نہیں۔ او ایمان داروں سے ایمان چرانے والی۔ نیکی کو بدی کے جال میں پھنسانے والی۔ تو گناہ گار ہے۔ نور کے پردے میں نار۔ عورت کی صورت میں مار۔ تو گناہ گار ہے۔ یہ تیری آنکھیں گناہ گار ہیں۔ اگر تو یہاں نہ آتی تو تیری جوانی، تیری پاکدامنی، تیری خوش بیانی مجھے دیوانہ نہ بناتی۔ تو مجھ سا عادل، منصف، استقلال کا مجسم نمونہ کبھی گناہ گار نہ ہوتا۔

سعیدہ: تو کیا میں گناہ گار۔

صفدر: ہاں تو تو۔ پھر یہی کہتا ہوں کہ تو ؎

نازِ دل کش عشوۂ رنگیں اثر سے پوچھ لے
زلفِ شب گوں عارضِ رشکِ قمر سے پوچھ لے
پھر بھی کچھ شک ہو تو چشمِ فتنہ گر سے پوچھ لے
پیچ کھاتے بال، بل کھاتی کمر سے پوچھ لے
اپنے حسن اپنی ادا اپنی نظر سے پوچھ لے
اس میں بھی کچھ شک ہو تو آغا حشر سے پوچھ لے

او خدا۔ میرے دل سے اس کا نام کھرچ کر پھینک دے۔ مگر نہیں۔ آہ ؎

آنکھوں سے نور، جسم سے سر، تن سے جان جائے
دشوار تر یہ ہے کہ تو اور تیرا دھیان جائے
ہاں دل سے تب یہ حسرتِ باطل نکال دوں
جب اپنا سینہ چیر کے یہ دل نکال دوں

سعیدہ: تو تم میرے پیار کے لیے گناہ کرتے ہو۔

صفدر: بے شک۔

سعیدہ: تو اب سمجھو کہ جس طرح تم میرے پیار کے لیے گناہ کرتے ہو اسی طرح میرے بھائی نے بھی ایک لڑکی کے پیار کے لیے گناہ کیا ہے۔ اگر تم ایک سچے اور منصف سلطان ہو تو پہلے اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالو۔ پھر میرے بھائی کے لیے پھانسی کا لفظ زبان سے نکالو۔

صفدر: یہ میں کچھ نہیں جانتا۔ جو میں مانگتا ہوں وہ مجھے دے ورنہ تیرے بھائی کو

وہ دوں گا جس کا نام سزائے فوت ہے۔

سعیدہ یعنی۔

صفدر یعنی موت ہے۔

سعیدہ یا خدا یا خدا۔ تو دیکھتا ہے کہ میں ایک بے کس عورت ہوں۔ اگر اس طرح تیرے سامنے گڑ گڑاتی تو یہ وہ آنسو تھے جن سے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ سرد ہوجاتی۔ او گوشت اور خون سے بنے ہوے پتھر کے پتلے کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں اس ظلم پر خاموش رہ جاوں گی ۔ نہیں نہیں۔ میں تمام شہر میں تجھے رسوا کراؤں گی۔ میں روؤں گی۔ میں چلاؤں گی۔ ایک ایک کے سامنے تیرا ظلم دہراؤں گی۔ ظالم۔ جلاد۔ میں

صفدر چپ۔

سعیدہ لعنت ہے اس مکار دنیا کے ظاہری دکھاوے پر جو بدی پر نیکی کا ملمع چڑھاتی ہے۔ فرشتوں کا لباس خبیث روحوں کو پہناتی ہے۔

صفدر میں کہتا ہوں۔

سعیدہ مکار۔ جعل ساز۔ دغاباز۔ تاج پا گیا۔ اترا گیا۔

صفدر چپ چپ ۔ اب تو یوں نہیں مانے گی

(تلوار نکالنا)

سعیدہ یا خدا ے تو انا۔ میری عزت بچانا۔

(یکا یک بجلی گرتی ہے۔ ایک فرشے کا تیر کمان لیے ظاہر ہونا)

(پردہ)

باب دوسرا ——— سین پہلا

قید خانہ

(جمیل کا پابہ زنجیر مقید نظر آنا)

جمیل: اف رے ارمان بھری دل کی بربادی۔ یہ سن اور یہ ناشادی ؎

رنج دیتا ہے اگر ہر دم تو دم بھر شاد رکھ
ورنہ اے ترکِ مقدر حفظ کرلے، یاد رکھ
یہ کماں داری ہے دم تک عاشق دل گیر کے
اس نشانے کو اڑا کر پر کٹیں گے تیر کے

(سپاہی کا آنا)

سپاہی: کیوں کیا سعیدہ نامی تمھاری ماں جائی ہے۔
جمیل: ہاں بھائی ہے۔ کیا اس نے کوئی خبر بھجوائی ہے۔
سپاہی: نہیں وہ خود تم سے ملنے آئی ہے۔
جمیل: کون میری بہن میری ماں جائی۔

(سعیدہ کا داخل ہونا)

سعیدہ: آہ بھائی۔ میرا بدنصیب بھائی۔
جمیل: آہ سعیدہ۔ سعیدہ۔ میری ہمدرد سعیدہ۔ دیکھ دیکھ میرے ملال کو دیکھ۔ میرے حال کو دیکھ۔ ؎

داغ دل میں جو چمک ہے وہ نہیں ہیروں میں
خار غم میں وہ کھٹک ہے جو نہیں تیروں میں
ایک تن، اور ہے سو طرح کی تعزیروں میں
پاؤں بیڑی میں کسے ہاتھ میں زنجیروں میں
کیا یہی رنج لکھا تھا مری تقدیروں میں

سعیدہ صبر میرے بدنصیب بھائی صبر۔

جمیل صبر۔کب تک صبر۔ کہاں تک صبر ۔

تیرا دل میرے غم و رنج کو کیا جانتا ہے
مجھ پہ جو کچھ ہے گذرتی وہ خدا جانتا ہے
تا کجا نالہ و فریاد نہ آئے لب تک
صبر اک شے ہے مگر پھر بھی کہاں تک کب تک

سعیدہ بھائی اگر صبر سے اتنا گریز کروگے تو پھر موت کی سختی کیوں کر انگیز کروگے۔

جمیل موت؟ کس کی موت؟

سعیدہ تیری۔

جمیل میری ۔ تو کیا ۔

مرہم زخم نے درمان جگر کچھ نہ کیا
شور فریاد نے تاگوش گذر کچھ نہ کیا
کیا تری آہ رسا نے بھی اثر کچھ نہ کیا

سعیدہ فریاد کو امید رسائی کی نہیں ہے۔

جمیل کیا کوئی بھی تدبیر رہائی کی نہیں ہے۔

سعیدہ ہے ۔ مگر وہ تدبیر جو ایک ٹوٹے ہوے دل کو جوڑتی ہے مگر ایک ثابت دل کو توڑتی ہے۔ وہ تدبیر جو بھیڑیے کے پنجے سے نکالتی ہے اور شیر کے منھ میں ڈالتی ہے۔

جمیل: ۔

کچھ تیری بات دھیان میں آتی نہیں بہن
کیوں صاف صاف حال بتاتی نہیں بہن
باتیں نہ کر خدا کے لیے گول گول تو
اچھی بہن جو بولنا ہے صاف بول تو

سعیدہ: ۔

اثر نالہ و فریاد بیاں کرتی ہوں
دل میں جو راز ہے وہ منھ سے عیاں کرتی ہوں
دل کے غم کا جو سبب تھا وہی غم خوار ہے اب
خوش ہو حاکم تری جاں بخشی کو تیار ہے اب

جمیل: تو کیا۔ رحم مجھ پر عوض ظلم و غضب کرتا ہے۔

سعیدہ: ہاں مگر بدلے میں اک چیز طلب کرتا ہے۔

جمیل: کیا چیز۔ کوئی رشوت یا بیش قیمت خزانہ۔

سعیدہ: میری عصمت کا خزانہ۔

جمیل: او خدا۔ او خدا۔ یہ میں کیا سنتا ہوں۔ او رعایا کی شرم و عزت لوٹنے والے بادشا ہو۔ کیا اسی کا نام رحم و معافی ہے۔ نہیں نہیں یہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔ ۔

ظلم ہے گر خلق کو شہ رنج پہنچانے لگے
حیف ہے گر غول بن کر خضر بہکانے لگے
جان کس کے پاس پھر بھیڑیں بچانے جائیں گی
ذبح کر کے گر انھیں چرواہا خود کھانے لگے

سعیدہ: ۔

نصیب نے تو برا فیصلہ کیا بھائی
اب اپنا فیصلہ تو خود ہے کرتا کیا بھائی

جمیل: ؎

جنھیں جہاں میں ناکامیوں نے مارا ہے
بجز امید کے کیا ان کے غم کا چارا ہے

سعیدہ: مگر اب تو کیا امید رکھتا ہے۔ قید کی یا نجات کی۔ موت کی یا حیات کی۔

جمیل: حیات کی۔ حیات کی۔ بہن حیات کی۔ میں جانتا ہوں کہ انسان کا سب سے بڑا آرام نیند ہے مگر پھر بھی اس نیند سے جو موت کی کہلاتی ، روح تھراتی ہے۔ ؎

نقشۂ ہستی بنایا ہے مٹانے کے لیے
روح تن میں آئی ہے اک روز جانے کے لیے
آج جو موجود ہے وہ کل فنا اورفوت ہے
پھر بھی ڈر لگتا ہے اس سے نام جس کا موت ہے

سعیدہ: ڈر لگتا ہے کس کو ۔ تجھ کو۔ اور موت سے۔

جمیل: موت سے۔ بے شک موت سے۔ ؎

مجھ کو سمجھاؤ جو ہست و نیست میں تمیز ہے
زندگی اور موت کہتے ہیں جسے کیا چیز ہے

سعیدہ: بہادری اور نیک نامی کی موت کا نام زندگانی ہے اور بے شرمی سے جینے کا نام موت یا مرگ انسانی ہے۔ ؎

کاموں سے اپنے مرد خوش کام جی رہے ہیں
اب تک جہاں میں رستم اور سام جی رہے ہیں
گو جسم مر گئے ہیں پر نام جی رہے ہیں

جمیل: بہن ۔لاچاری کے گناہ کا داغ زندگانی کی توبہ سے دھویا جاتا ہے۔ مگر گئی ہوئی زندگی کا ایک دن ۔ ایک لاکھ برس تک افسوس کرو تو بھی واپس نہیں آسکتا۔

سعیدہ: ؎

ہوگئی اتنی طبیعت بے حیا کیوں کر تری
روح تھراتی ہے میری گفتگو سن کر تری

تاج نیکی ہے بہن کے سر سے چھینا چاہتا
کیا جہاں میں شرم کھو کر ہے تو جینا چاہتا

جمیل: ہاں۔ جینے دے ۔ جینے دے بہن مجھے جینے دے۔ اگر تو اپنے بھائی کی جان بچانے کے لیے کوئی گناہ یا امر خلاف کرے گی تو قدرت جو صفدر جنگ کی طرح بے رحم نہیں ہے اسے نیکی اور ثواب سمجھ کر ضرور معاف کرے گی۔

سعیدہ: اے انسان صورت شیطان۔ بے دین بے ایمان۔ تو میری برائی میں اپنی بھلائی کا طلب گار ہوتا ہے۔ بہن کی شرم اور عزت بیچ کر اپنی ناپاک زندگی کا خریدار ہوتا ہے۔ ؎

جہاں میں نام پدر کا ڈبو دیا تونے
حیا و شرم کو کیا دل سے کھو دیا تو نے
دہن سے گر نہ گئی کوڑھ سے بگڑ نہ گئی
یہ بات کہنے سے پہلے زبان سڑ نہ گئی

جمیل: بچالے۔ بچالے۔ سعیدہ میری اچھی سعیدہ مجھے بچالے۔ ؎

چور اور ٹوٹے ہوے دل کو تو پھر سے نہ مار
مر رہا ہے جو اسے باتوں کے خنجر سے نہ مار
زار ہوں یا خوار ہوں بے شرم یا سودائی ہوں
خیر جو کچھ ہوں مگر پھر بھی میں تیرا بھائی ہوں

سعیدہ: نہیں نہیں۔تو میری عزت کا شکاری ہے۔ بھائی نہیں بہن کی عزت و عصمت کا بیوپاری ہے۔ جا کنگال مر۔ کتوں سے زیادہ خراب موت مر ۔ ؎

زار ہو لا چار ہو اِس سے زیادہ خوار ہو
بے حیا، بدکار تجھ پر اس خدا کی مار ہو
تجھ سا دنیا میں نہیں بدذات و بداختر کوئی
کاش جنتی تیرے بدلے میری ماں پتھر کوئی

باب دوسرا ——— سین دوسرا

راستہ

(گانا)

ارے رے کیسا آیا زمانہ۔
ہوا جگ دھرم سے بیگانہ۔
مطلب کے سب سنگی ساتھی۔مطلب کے سب ناطی۔
بغل کے اندر چھری چھپی ہے۔ منھ پر میٹھی بانی۔
کسے اب پریت کی ریت سکھانا۔
ارے رے کیسا

باب دوسرا——سین تیسرا

کامک

میٹنگ روم

گل رو: بو اے ۔ بو اے۔

بوا ے: جی میم صاحب۔

گل رو: ابھی میٹنگ کا لوگ نہیں آیا۔

بوا ے: جی نہیں۔ ابھی پانچ منٹ ٹائم کم ہے۔

(ایک ایک کر کے لوگوں کا آنا)

ڈالی: بڑی خوشی کی بات ہے کہ آج ہماری فیمیل یونین کلب کی بہنیں اپنی آئندہ بہتری سوچنے اور غاصب مردوں سے اپنا حق مانگنے کے لیے یہاں جمع ہوئی ہیں۔ خدا کرے کہ ہماری ہر ایک تجویز بڑے زور شور کے ساتھ پاس ہو اور مردوں کے ظلم کا ستیاناس ہو۔

جمنا: آج کے جلسے کی صدارت کے لیے میں اپنی بہن بُدھی ساگر سے درخواست کرتی ہوں۔ امید ہے کہ ہماری محترم بہن قبول فرما کر ہم سب کو اپنا شکرگزار بنائیں گی۔

مینا: میں تائید کرتی ہوں۔

سب: ہیر۔ ہیر۔

بدھی ساگر: میں بہت ممنون ہوں کہ میری معزز اور پیاری بہنوں نے مجھے اس عزت

کے قابل سمجھا۔ ہاں اب میٹنگ کا کام شروع ہو۔

گل رو: چونکہ یہ میٹنگ صرف عورتوں کی ہے۔ اس لیے میری رائے ہے کہ جو مرد اس جلسے میں موجود ہیں وہ فوراً سے پہلے اس کمرے کو خالی کردیں اور جو نہ خالی کریں تو ہمیں ولایت کی عورتوں کی طرح ان پر دانت، ہاتھ، چھتری، گھونسے سے ایک دم حملہ کردینا چاہیے۔

سب: ہیر۔ ہیر۔

ایک مرد: لو بھئی راستہ ناپو۔ ورنہ جس عزت کے ساتھ آئے۔ اس سے ڈبل عزت کے ساتھ بھیجے جاؤگے۔

دوسرا مرد: ارے یار۔ لکچر سننے کون آیا تھا۔ہم تو دیدار بازی خدا راضی کا مضمون سمجھ کر آئے تھے۔ اچھا چلو خدا ان ظالم عورتوں سے ہم مظلوم مردوں کے صبر کا بدلہ لے گا۔

سب عورتیں: جاو چلے جاو۔

سب مرد: نہیں جاتے۔

سب عورتیں:پولس۔ پولس۔

سب مرد: اچھا جاتے ہیں۔

(سب مردوں کا باہر نکل جانا)

ڈالی: اب آپ بھی تشریف لے جایئے۔

اشرف: ارے اپنے شوہر کی تو رعایت کرو۔

ڈالی: شوہر کیا۔ اگر تم میرے باپ ہوتے تو بھی میں رعایت نہ کرتی۔

اشرف: اپنے شوہر کی یہ بے عزتی۔

ڈالی: یہ چودھویں صدی ہے۔ شوہر کے نام سے حکم چلاؤگے تو ایک دم گولی سے مار دیے جاوگے۔ اب تک عورتیں بیوی بن کر رہتی تھیں اور اب مردوں کو جورو بن کر رہنا پڑے گا۔

اشرف: اچھا تو اب بے فکر نہ رہنا۔ اگر میں نے تمھاری گھا گرہ پلٹن کو یہاں

سے نوک دم نہ بھگایا تو مجھے اشرف نہ کہنا۔

(اشرف کا بھی باہر چلے جانا)

ڈالی: سب سے پہلے میں یہ پرپوز کرتی ہوں کہ ہم ساری بہنیں کوشش کرکے شادی بیاہ کا پرانا دستور بدلوائیں۔ آج تک مرد عورتوں کو بیاہنے آتے تھے۔ اب عورتیں مردوں کو بیاہنے جائیں۔

گل رو: اور میں یہ پرپوز کرتی ہوں کہ ظالم مردوں نے ہم عورتوں کو کڑک مرغیوں کی طرح گھر کے دربے میں بند کرکے عزت، آزادی اور نوکری ہر ایک چیز پر قبضہ کر رکھا ہے اس لیے ان کے خلاف اخباروں، رسالوں، لکچروں میں الٹی میٹم دے کر ان کی حکومت کے دھویں اڑا دو۔ اور اگر اس پر بھی ہمارا حق نہ دیں تو لات گھونسے، پتھر، ڈنڈے اور چھتری جو ہاتھ چڑھے اس سے مار مار کر ٹھیک بنادو۔ اور جو لیڈر یا ایڈیٹر ہماری طرف داری نہ کرے تو اس کی دم میں نمدا باندھ کر دیا سلائی دکھا دو۔

سب عورتیں: ہیر ۔ ہیر۔

جمنا: جب ہم آزادی کی محبت، کام کرنے کی ہمت اور مردوں سے زیادہ قابلیت رکھتے ہیں تو ہم کو مردوں کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نوکریوں پر جائیں گے اور اپنا خرچ چلائیں گے۔

بدھی ساگر: اور گھر کا انتظام کون کرے گا؟

سب: مرد۔

بدھی ساگر: دکھ بیماری میں کون سنبھالے گا؟

سب: مرد۔

بدھی ساگر: بچے کون پالے گا؟

سب: مرد

اشرف: (دروازے پر کھڑے ہوے) اور بچے کون جنے گا؟

بڑھی ساگر: عزیز بہنو۔ میں اس آزادی کی محبت کے لیے بالکل تمھارے حق میں ہوں۔ لیکن ہندوستان کی عورتوں کے لیے اتنی آزاد خیالی پسند نہیں کرتی ۔

ڈالی: اررر۔ یہ تو مردوں کی طرف داری کرتی ہے۔

سب : شیم شیم۔

اشہر : سیم نہیں آلو۔

جمنا: ارے واہ۔ اچھی ہماری صدر بنی ہے۔ یہ تو ہماری ترقی کی گاڑی کو جنکشن پر پہنچنے سے پہلے ہی الٹ دینا چاہتی ہے۔

ڈالی: اری بہنو کیا دیکھتی ہو۔ اس مردوں کی لونڈی کو صدر کس نے بنایا۔ ہٹادو۔ جھونٹے پکڑ کر کرسی سے نیچے گرادو۔

گل رو: او بن بلاؤ کی بچی سنتی ہے۔ کرسی خالی کردے۔

بڑھی ساگر: کیا ایجوکیشن اسی کا نام ہے۔ کیا عورتوں کو لکھانے پڑھانے اور آزادی دینے کا یہی انجام ہے۔

گل رو: سوچتی کیا ہو گھسیٹ لو۔

بڑھی ساگر: اچھا اچھا۔ میں کورٹ کے ذریعے تم سب کو دیکھ لوں گی۔

ڈالی: جا جا۔ شکر کر تو عورت تھی جو بچ گئی۔ اگر کوئی مرد ہوتا تو یہیں ہمارے ہاتھوں سے سرد ہوتا۔ میری پیاری بہنو۔ بھلا ہم بہادر سورما۔ تعلیم کی روشنی میں قلموں کے بھالے سنبھالے ہوے خوبصورت سپاہیوں کے سامنے مردوں کی کیا حقیقت ہے۔ ہم پڑھی لکھی آزاد لیڈیوں کو اس چودھویں صدی میں مردوں کی غلامی سکھاتی ہے۔ مگر اب یہ کبھی نہ ہوگا۔ میں تجویز کرتی ہوں کہ آج سے کوئی بہن اپنی انگلیوں کے ناخن نہ کٹائے۔ انھیں بڑھنے دے۔ ایک دن یہی ناخن مردوں کے منھ نوچنے میں کیل کانٹوں کا کام دیں گے۔

(سب کا گانا)

مردوں سے جنگ چھڑے گی۔

دھکا مکی لات چلے گی۔ ہاں۔
مردوں سے بدلہ لینے کو کھٹل مچھر بھی تو آئے۔
ہم تو قول کے ہیں سب پکے۔ مردوں کے پھندے سے چھوٹے۔
سینا پرونا مرد کریں گے اور پکائیں کھانا۔
بحث کلب میں ہے ڈاڑھی چوٹی کی اب۔

اشرف: (خود کلامی) اب میں اس گھاگرہ پلٹن کی بہادری آزماتا ہوں۔ توپ گولے گولی کی جگہ یہ چوہا چلاتا ہوں۔ ....چوہا آیا چوہا۔

سب : بھاگو بھاگو۔ چوہا آیا چوہا۔

اشرف: لو عورتوں کی سپہ سالار چوہے سے ڈر کر بے ہوش ہو گئیں۔ ہوش میں آ میری بہادر دلھن۔ جنرل چوہا صاحب عورتوں کی فوج کو بھگا کر رفو چکر ہو گئے۔

ڈالی: کیا مارشل چوہا گئے۔

اشرف: مارشل چوہا چین کو فتح کر کے جاپان کو روانہ ہو گئے اور اب تم میرے ساتھ چلو۔

ڈالی: یو ڈرٹی خصم۔

اشرف: پھر آ گئی اپنی اصالت پر۔وہ آیا چوہا۔

ڈالی: او مائی فادر۔

باب دوسرا ——— سین چوتھا

محل کا راستہ

(جہاں دار شاہ، صفدر کی بیوی نادرہ اور سعیدہ کا داخلہ)

جہاں دار: کیوں سعیدہ کیا خبر لائی۔ میری سکھائی ہوئی تدبیر کارگر ہوئی۔

سعیدہ: اس نے ٹھیک رات کے بارہ بجے شاہی محل کے پائیں باغ میں بلایا ہے۔ اور یہ بھی سمجھایا ہے کہ آج اپنی مراد نہ پاؤں گا تو تیرے بھائی کو صبح ہونے کے پہلے قتل کر ڈالوں گا۔

نادرہ: ظالم جلاد۔

سعیدہ: آہ اب میں کیا کروں۔ کیا میرے بھائی کی زندگی آج ہی کی ماتم انگیز تاریکی میں چھپنے والی ہے۔ کیا ستاروں نے جمیل کا خون نہ دیکھنے کے لیے اپنی آنکھوں پر رات کی سیاہ چادر ڈالی ہے۔

جہاں دار: غریب لڑکی۔ کیوں اتنی دردمند ہے۔ اس شریف بیگم کی رائے پر عمل کر۔ جمیل کی زندگی اس کی تدبیر کی مٹھی میں بند ہے۔

سعیدہ: بیگم۔ اگرچہ بے رحم صفدر جنگ نے دس برس سے آپ کو چھوڑ رکھا ہے۔ پھر بھی آپ ان کی بیوی ہیں۔ کیا بیوی ہو کر اپنے شوہر کے خلاف آپ میری مدد کریں گی۔

نادرہ: مدد دینے والی خدا کی ذات ہے۔ صرف کوشش کرنا بندے کے ہاتھ ہے۔ آؤ اور تسلی رکھو۔

ہماری کوششیں ہیں ہیچ جو دے گا صمد دے گا
تمھیں میں، مجھ کو دل اور دل کو وہ مولا مدد دے گا

(سعیدہ اور نادرہ کا جانا)

باب دوسرا ——— سین پانچواں

کامک

محل

گل رو: کیا تم نے اپنے شوہر کو بالکل اپنے قبضے میں کرلیا ہے؟

ڈالی: بالکل۔ چونکہ وہ میرے باپ کے ٹکڑوں پہ پڑا ہوا ہے۔ اس لیے مجبوراً اسے میرا ہر حکم سننا پڑتا ہے۔

گل رو: خوب خوب۔ ایک عورت کی مرد پر یہ پہلی فتح ہے۔

ڈالی: میں اپنی سچائی کا ثبوت پیش کرسکتی ہوں۔ اشرف۔ اشرف۔

اشرف: جی میم صاحب۔

ڈالی: تم نے آج بوٹ کو برش نہیں کیا...... ......ابھی صاف کرو۔

اشرف: میم صاحب ذرا شرم معلوم ہوتی ہے۔

ڈالی: شرم کا ہے کی شرم۔ کہاں کی شرم۔ شرم اس مکان میں نہیں ہے۔

اشرف: تو بس ہمارے بھی خاندان میں نہیں ہے۔

گل رو: کیا یہ بوٹ بھی صاف کرے گا۔

ڈالی: میرے تو کیا تمھارے بھی بوٹ صاف کرے گا۔

اشرف: کرتا ہے بوٹ صاف یہ ناچار رفتہ رفتہ۔کیا آگیا زمانہ اے یار رفتہ رفتہ۔

ڈالی: اشرف ہمارا بوٹ رکھ دو۔ پہلے ہماری سہیلی کا بوٹ صاف کرو۔

اشرف: اس کا بوٹ میں کیوں صاف کروں۔ کیا اس کا شوہر مر گیا ہے۔

ڈالی: تم کو اس سے کیا مطلب۔

اشرف: اچھا کیا غم ہے۔ اس کا شوہر آگیا تو میں اپنی جورو کا بوٹ اس سے

صاف کراؤں گا۔ تو آجاؤ پھر۔

گل رو: نہیں معاف کیجیے ۔مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

(مرزا کا داخلہ)

مرزا: او یو آر۔

اشرف: لو چھاونی میں بگل بجا۔

ڈالی: فادر۔ فادر۔ دیکھو یہ اپیلی کیشن کا رپلائی آیا ہے۔ مجھے ٹیلی گراف ڈپارٹمنٹ میں ہیڈ سگنلر کی جگہ ملی ہے ۔

مرزا: بڑا خوشی کا بات ہے۔ بڑا خوشی کا بات ہے۔ او یو آر۔

ڈالی: اور یہ کہتے ہیں کہ میں نوکری پر نہ جانے دوں گا۔

مرزا: کیوں؟

اشرف: اس میں میری بے عزتی ہے۔

مرزا: بے عزتی کا ہے کی۔ خوش نہیں ہوتا کہ تیری انڈین جورو میم ہو گئی۔

اشرف: انڈین جورو تو میم ہو گئی۔مگر شوہر تو موچی کے موچی رہے۔

مرزا: نونو نو۔ ہنس ہنس۔

اشرف: کیسے ہنسوں۔

مرزا: ایسے ہنس۔ اہا ہا ہا ہا ۔ جس طرح ولایت میں عورتیں نوکریاں کرتی ہیں۔ اگر ہماری لڑکی بھی کسی آفس کو کروسین لیمپ بن کر روشن کرے تو کیا برائی ہے۔

اشرف: اجی ولایت کی عورتوں میں اور ہماری عورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

مرزا: وہ کیسے۔

اشرف: سن لیجیے۔

(گانا)

گوری صورت اور کالی چمڑیا۔ ایک ہی قدرت کی بنویا
گوری صورت کو موٹر گاڑی۔ کالی چلت ہے راہ پدلیا
گوری اوڑھے ہے شال دو شالے۔ کالی اوڑھے کالی کملیا

گل رو: بہن میں اس نوکری کے ملنے پر تمھیں مبارکباد دیتی ہوں۔

مرزا: بڑا خوشی کا بات ہے۔ بڑا خوشی کا بات ہے۔

اشرف: بڑا افسوس کا بات ہے۔ بڑا افسوس کا بات ہے۔

گل رو: ہم سب بہنوں کی قسمت عالی ہے۔

اشرف: کالے آدمی کی قسمت بھی کالی ہے۔

مرزا: مسٹر اشرف۔تمھاری بیوی کے صدقے میں تمھاری تقدیر بھی چمکنے والی ہے۔

اشرف: اچھا چلو۔ یا اِس طرف دِوالہ یا اُس طرف دیوالی ہے۔

گل رو: بہن اب مجھے اجازت ہے۔

(ڈالی اور اشرف کا گانا)

آؤ مری بیوٹی کے متوالے۔ کاہے خفا ہوتے ہو ہم سے ۔آؤ......
فطرت تم ناہیں کرو۔ خصم نہیں۔ بہرا ہوں میں۔
جنٹل مین بن جاو ابھی او ڈارلنگ۔
میڈ ہم بن گئے غمزوں سے تمھارے میڈم
تم سی بگڑی کو تو اللہ ہی سنوارے بیگم

باب دوسرا ——— سین چھٹا

محل کا باغیچہ

(صفدر جنگ سعیدہ کا انتظار کرتے ہوئے)

صفدر : افسوس اب تک کوئی نہیں آیا۔ اب کیا کروں۔ خود لینے جاؤں یا کسی نوکر کو دوڑاؤں۔ نہیں نہیں۔ بارہ بجے تو وہ خود آنے والی ہے۔ کم بخت رات بھی نہیں جاتی۔ گویا اس کے پیر میں کسی نے زنجیر ڈالی ہے۔ خادم ...... خادم ...... خادم۔

(جہاں دار شاہ کا خادم کے لباس میں آنا)

جہاں دار: حضور۔

صفدر: بولتا کیوں نہیں بدشعور۔

جہاں دار: حضور میرے سننے میں نہیں آیا۔

صفدر : اچھا۔ (خود سے) ہاں ...... میں نے اسے کیوں بلایا۔

جہاں دار: یا وحشت۔

صفدر : ہاں۔ وہ سن۔ کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔

جہاں دار: جی کوئی نہیں۔

صفدر: کوئی نہیں ....افسوس............کوئی نہیں............خادم۔

جہاں دار: سرکار۔

صفدر: آہ میرا دم نکلتا ہے۔

جہاں دار: تو کیا حکیم کو بلاؤں۔
صفدر: اف میرا کلیجہ جلتا ہے۔
جہاں دار: تو حضور شربت بنا کے لاؤں۔
صفدر: ارے میں دیوانہ ہو گیا ہوں۔
جہاں دار: تو کیا پاگل خانے پہنچاؤں۔
صفدر: آہ سعیدہ ..... سعیدہ۔

(ایک طرف سے جہاں دار شاہ کا جانا اور دوسری طرف سے نادرہ اور سعیدہ کا آنا)

نادرہ: نہیں بہن اتنا نہ گھبراؤ۔ خدا مددگار ہے۔ قدم اٹھاؤ۔
سعیدہ: بانو مجھے تو ہول سا آتا ہے۔ قدم اٹھاتی ہوں مگر جی پھٹا جاتا ہے۔
نادرہ: پیاری سعیدہ۔ تلوار پر گلا رکھ کر موت سے ڈرنا بیکار ہے۔ اگر چہ ہم تم عورتیں ہیں مگر اس وقت ہمیں مردوں سے زیادہ دلیری درکار ہے۔ لو یہ بے ہوشی کی دوائی۔ اسے شراب میں ملا کر پلا دینا تمھارا کام ہے۔ اور باقی میری کارروائی ہے۔

(نادرہ کا ایک طرف چھپ جانا)

صفدر: آہ اے حسین زمانہ۔ اتنی رات گئے جلوہ دکھانا ۔

کیا کہوں ہجر میں حالت جو مری غیر ہوئی
دم چلا ہی تھا تم آئیں یہ بڑی خیر ہوئی
ہاتھ رکھ کر میرے سینے میں جگر تھام لیا
تم نے اس وقت تو گرتا ہوا گھر تھام لیا

سعیدہ: حضور ۔

میں تو وعدے کے برابر ہی یہاں آپہنچی
پھر بھی شرمندہ ہوں کہ آپ کو ایذا پہنچی

صفدر ؎

غم و تکلیف تو ہلکے سے بوجھے ہیں دل آرا دو
اٹھا لیں کوہ ہم سر پر جو تم دل کو سہارا دو

سعیدہ سبحان اللہ۔ تو گویا آپ بھی دوسرے فرہاد ہیں۔

سفدر بے شک میں فرہاد ہوں اور تم شیریں ہو۔ میں مجنوں اور تو لیلی ثانی۔ میں بلبل ہوں اور تم گل بوستانی۔ ؎

میں عشق سے تم حسن و نزاکت سے بھری ہو
میں وقت کا گلفام ہوں تم سبز پری ہو

جہاں دار (سائڈ میں پوشیدہ طور پر) اور یہ گھر اندر کا اکھاڑا ہے۔

سعیدہ مگر حضور ۔ میرے ساتھ آپ کا اس قدر محبت جتانا بے سود ہے۔ کیوں کہ خدا رکھے آپ کی بیوی موجود ہے۔

صفدر اجی توبہ کرو۔ وہ تو گولی مار دینے کے قابل ہے۔

جہاں دار (سائڈ میں) شاباش ۔ کتنا شریف آدمی ہے۔

سعیدہ مگر حضور اس کا کوئی قصور۔

صفدر اجی سب سے بڑا قصور تو یہ ہے کہ بالکل لاابالی ہے۔ دوسرے سر سے پاؤں تک کالی ہے۔

جہاں دار (سائڈ میں) کتنا سچ بول رہا ہے۔

سعیدہ مگر حضور عالی۔کالا ہونا کوئی گناہ ہے یا گالی۔

صفدر کچھ ہو۔مگر حسن پرست آنکھ کے لیے تو وبال ہے۔

سعیدہ یہ آپ کا غلط خیال ہے۔ ؎

نیک عصمت دار اچھی خوب رو بدکار سے
مور بدصورت بھی اچھا خوب صورت مار سے
اس سے بڑھ کر دہر میں عورت کوئی اعلیٰ نہیں
جس کی صورت گو ہے کالی دل مگر کالا نہیں

صفدر: خیر اب اس ذکر کو ہٹایئے۔ کچھ پیجیے اور کچھ پلایئے۔ زندگی کا لطف

اٹھایئے......خادم...... کوئی گانے والا طائفہ ہو تو حاضر کرو۔ لیجیے۔ یہ مے وہ ہے جو فرشتوں نے پی نہیں۔

سعیدہ: بس آپ نوش کیجیے۔

صفدر: تھوڑی سی۔

سعیدہ: جی نہیں۔

صفدر: خیر ۔

گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجیے
زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں

(طائفہ کا حاضر ہونا اور گانا)

جائیں گے وہاں خوش دل دیوانہ جہاں ہو
گھر لیں گے وہیں اب کہ پری خانہ جہاں ہو
ہوگی کوئی جنت مری جنت تو یہی ہے
جانا نہ و پیمانہ و مے خانہ جہاں ہو
منھ چوم نہ لے پھول کے دھوکے میں تمھارا
جانا نہ وہاں بلبل دیوانہ جہاں ہو
اے حشؔر مرے شعر ہیں مستی کا ترانہ
گانا یہ غزل محفل رندانہ جہاں ہو

صفدر: بس اب ان چڑیوں کا گانا بند ہو۔ پیاری کچھ تم گاؤ تو دل پسند ہو۔

سعیدہ: بہت خوب حضور عالی۔ ایک اور جام مے پرتگالی۔

صفدر: جیتی رہو میری پلانے والی۔

سعیدہ: حضور شاعر لوگ سچ کہتے ہیں کہ شراب آتش سیال ہے۔ رنگ تو دیکھیے کس قدر تیز اور لال ہے۔

صفدر: لال۔ یہ تمھیں کس نے سمجھایا ہے۔ پیاری یہ لال نہیں تمھارے گلابی

گالوں کا رنگ پانی میں اتر آیا ہے ؎

آج کا شانہ ہے جنت مرا ہر پہلو میں
اک قمر ہاتھ میں ہے ایک قمر پہلو میں

کیا مے پیتا ہوں؟

سعیدہ: مے یاسمیں بو پیتے ہیں۔

صفدر: مے نہیں آپ کے دشمن کا لہو پیتے ہیں۔

(سعیدہ کا گانا)

ہاں رے جا وسکی کے بھر بھر کے پینا۔
پیارے اپنے ہاتھوں سے بھر کے پلانا۔
بے وفائی نہ کرنا ۔ تم اے صنم۔ تم کو میری قسم۔
میرے سر کی قسم۔
بات کا تو تمھاری بھروسا نہیں۔
ہاں رے جام.........

(جہاں دار شاہ کا ملازم کی شکل میں آنا)

جہاں دار: حضور۔

صفدر: کیوں بے مردود۔ اس وقت کیوں آیا۔

جہاں دار: حضور۔ ایک سانڈنی سوار شہنشاہِ عالم کی تشریف آوری کی خبر لے کر آیا ہے اور کہتا ہے کہ جلالت مآب نے آپ اور نیز تمام خیر خواہان سلطنت کو یاد فرمایا ہے۔

صفدر: ابے تو اس وقت خبر لانا کیا ضرور تھا۔

جہاں دار: نہ کیوں کر لاتا یہ تو میرا فرض حضور تھا۔

صفدر: فرض کا بچہ دور ہو۔ دفعان ہو۔ چلا جا۔ اب آئے گا تو ماروں گا بوتل کہ منھ شراب کی بھٹی بن جائے گا۔

سعیدہ: کیا کل ہی شہنشاہ تشریف لائیں گے ۔ حضور والا۔

صفدر: اجی کچھ نہیں۔ کم بخت نے کباب میں ہڈی بن کر مزہ کرکرا کر ڈالا۔ بس اٹھو۔ ۔

وصل سے اب شاد مجھ کو اے پری پیکر کرو
خانہ آبادی کرو آنکھوں میں میرے گھر کرو
آتشِ فرقت میں تیرے کل کلیجہ بھُن گیا

سعیدہ: دیکھیے تو۔

صفدر: کچھ نہیں۔

سعیدہ : سنیے تو۔

صفدر: بس اب سن چکا۔

سعیدہ: مہربان۔

صفدر: بس ایک بوسہ۔

سعیدہ: ہوش کیجیے۔

صفدر. ایک پیار۔

سعیدہ: اے ہے کوئی دیکھ لے گا۔

صفدر . دیکھنے دو گل عذار۔

(نہایت تیزی سے نادرہ کا سعیدہ کی جگہ لے لینا اور لپٹ جانا)

باب دوسرا ——— سین ساتواں

راستہ

(رضیہ کا گانا گاتا)

کسی طرح شب فرقت بسر نہیں ہوتی
یہ کیسی رات ہے جس کی سحر نہیں ہوتی
جو تم نہ آؤ تو للہ موت ہی بھیجو
کہ زندگی مری اے جاں بسر نہیں ہوتی
مرے نصیب میں راتیں ہی راتیں لکھی ہیں
اسی لیے شب غم کی سحر نہیں ہوتی
بھرے ہیں حسرتِ سمندر مگر ان آنکھوں میں
یہ خشک آٹھ پہر چشم تر نہیں ہوتی

باب دوسرا——سین آٹھواں

ٹیلی گراف آفس

مسٹر ولیم: یارو یہ نئی بات دیکھنے میں آئی کہ صاحب نے مردوں پر لیڈی ہیڈ سگنلر بھجوائی۔

چندر سین: ارے بھائی۔ آج کل کی یہی تہذیب کہلاتی ہے کہ مرد تو بھاڑ جھونکا کریں اور عورتیں ان پر حکومت کیا کریں۔

چاندخاں: مگر یار۔ عورت ایسی پٹاخہ ہے کہ ہائے ہائے۔

پیر خاں: خدا کرے کہ وہ میرے ہتھے چڑھ جائے۔

گوکل داس: ابے جا۔ اس پر تو میں دانت لگائے ہوں۔

پیرخاں: ہوش کرو۔ اس کے لیے تو میں انکھیاں بچھائے ہوں۔

چاند خاں: مگر یار۔ اس کا شوہر کیسا ہوگا۔

گوکل داس: ہوگا کوئی الو کا پٹھا۔ جبھی تو ایسی خوب صورت بیوی کو مردوں میں نوکری کرنے کو بھیج دیا ہے۔

(ڈالی کا داخلہ)

ڈالی: راما۔

راما: جی میم صاحب۔

ڈالی: ٹومسٹر شام راو۔ ٹومسٹر چاند خاں۔ ٹو مسٹر ولیم۔ ٹو مسٹر گوکل داس۔ ٹومسٹر چندر سین۔ ٹومسٹر پیرخاں......

چاند خاں: میڈم اب تو کوئی مسٹیک نہیں ہے۔
ڈالی: تم بالکل گدھے کا مافک ہے۔ جاو پھر سے درست کرو۔
پیر خاں: کم بخت کو جھاڑ پڑی۔ اس کی صورت سے نفرت کرتی ہے۔
گوکل داس: پیار کرنے کے لائق تو صرف یہ صورت ہے۔ چاند کے ہوتے ہوئے جھاڑو تارے کو کون پوچھتا ہے۔
اشرف: (سائڈ میں) واہ واہ۔ میری جورو نے تو نوکر ہو کر تمام دنیا کی عورتوں کی ناک رکھ لی۔ اب اس کے نوٹ کے صدقے میں میرا بھی بھاؤ بڑھ جائے گا۔ ....میڈم حاضری تیار ہے۔
ڈالی: او یو جاؤ روم میں رکھو۔
سب: گیٹ آوے۔ گیٹ آوے۔

(اشرف اور اس کے بعد ڈالی کا روم میں جانا)

گوکل داس: میں ضرور اس کے عشق میں مر جاؤں گا۔
چندرسین: اور میں بھی اس کی محبت میں پاگل ہو کر دنیا میں مجنوں سے زیادہ نام کرجاؤں گا۔
اشرف: (سائڈ میں) یہ سب کیا کہہ رہے ہو۔
سب: مرتے ہیں جس کے عشق میں اس کو خبر نہیں
کیا آہ بے اثر ہے کہ مطلق اثر نہیں
اشرف: میری جورو بڑی باوفا ہے۔ آفس میں اس کی وفاداری کا کورس گایا جا رہا ہے۔
سب: عشق میں تیرے کوہ غم سر پر لیا جو ہو سو ہو۔
اشرف: یہ کیا معاملہ ہے دگر گوں۔ ایک لیلیٰ اور ساڑھے سات مجنوں۔
گوکل داس: ارے یارو کسی طرح اس پری کو شیشے میں اتارو۔
چاند خاں: میں اس کے لیے ملا سے تعویذ اور گنڈے لاؤں گا۔
اشرف: ابے رذالو۔ پرائے خوانچہ میں ہاتھ ڈالنے والو۔ ادھر نظر اٹھاؤگے تو جوتوں

سے ادھیڑ دیے جاوگے۔

چندر سین: تو کون؟

اشرف: تیرا باپ۔

چندر سین: کی بوبچش اے۔

اشرف: تو کیا کرے گا۔

چندر سین: دروازہ بند کر کے ایک ہزار گالی دے گا۔

پیر خاں: ابے ہم اس کے عاشق ہیں۔

اشرف: تو ہم اس کے عاشقوں کے باوا ہیں۔ تم منگنی ہو تو ہم بدھاوا ہیں۔ تم پاجی ہو تو ہم پچھاوا ہیں۔

چندر سین: تم پیجامہ ہو تو ہم پتلون ہیں۔

چاند خاں: ارے یارو یہ ہماری پکی پکائی ہانڈی کا حق دار کہاں سے آنکلا۔

گوکل داس: دیکھتے کیا ہو ٹھونک ڈالو۔

(سب اشرف کو پیٹتے ہیں۔ڈالی کا داخل ہونا)

ڈالی: وٹ از دی میٹر۔ وٹ از دی میٹر۔

(پردہ)

باب تیسرا ——— سین پہلا

راستہ

(جہاں دار شاہ گاتے ہوئے جاتا ہے)

(گانا)

ہے کرتار۔
بھید اس جہان کا نہ پایا
کیا لاکھوں نے ہی تلاش ......بھید......
بن کے پتنگا جان نثاری
آخر اس کو ہی جلایا...... بھید......
آوے گی کس کے کام یہ دنیا
مایا نے سب کو رجھایا......بھید......
جس کو جہاں نے شاہ بنایا
زنداں میں اُس کو پھنکایا...... بھید......

باب تیسرا۔۔۔۔سین دوسرا

کامک

آفس

گوکل داس: دیکھو اب صبر نہیں ہوسکتا۔ مجھے جنون ہوجائے گا۔
چاند خاں: اور میں کہتا ہوں بات نہ بڑھاو۔ ورنہ ہم دونوں میں سے ایک کا خون ہوجاے گا۔
گوکل داس: ابے ہم اس کے لیے اپنی جان گنوائیں گے۔
چاند خاں: تو کیا ہم تھرڈ کلاس کے عاشق ہیں۔ ہم بھی اس کے لیے سر کٹا دیں گے۔
مسافر: بابو صاحب یہ تار دینا ہے۔
گوکل داس: اچھا میں دیکھ لوں گا۔
مسافر: اجی بابو صاحب ۔ بابو صاحب۔
چاند خاں: اچھا میں بھی دیکھ لوں گا۔
مسافر: اجی بابو صاحب۔ یہ تار لے لیجے۔
چاند خاں: ابے کیا تار تار کر کے دماغ چاٹ گیا۔ جا نہیں لیتے۔
مسافر: کیوں ؟
چاند خاں: ابے آج کل ہم عشق کر رہے ہیں۔ اس لیے دوسرے کام کی فرصت نہیں ہے۔

مسافر: بابو صاحب۔ آپ یہ قانون کے خلاف کرتے ہیں۔
چاند خاں: ابے کیسا قانون۔ عاشق اور پاگل ان دونوں کے لیے کوئی قانون نہیں ہے۔
مسافر: خدا غریب پر رحم کرے۔
چاند خاں: بول ڈالی۔ پیاری ڈالی۔ تو کیا کرسکتی ہے۔ لے میں نے تیری پیاری پیاری کلائی کو ہاتھ لگایا۔ اور پیارے گالوں کو بوسہ لیا۔

(ڈالی داخل ہوتی ہے)

ڈالی: ہیں۔ یہ کس کا بوسہ لے رہا ہے۔ ارے یہ تو میرا فوٹو ہے۔ اس کے پاس کہاں سے آیا..........چاند خاں یہ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟
چاند خاں: میری جان۔ میری زندگی۔ خدا کرے ایسا زمانہ بھی آئے کہ جیسے میں اس نقلی ڈالی کو گلے لگاتا اور پیار کرتا ہوں اور یہ کچھ نہیں کہتی۔ اسی طرح اصلی ڈالی..........
ڈالی: چاند خاں۔ تم جانتے ہو کہ میں تمھاری افسر ہوں۔
چاند خاں: تم میری نہیں۔ میرے دل کی افسر ہو۔ میری جان کی افسر ہو۔ آہ ڈالی۔ پیاری ڈالی......
ڈالی: یو فول۔ کیا تو نہیں جانتا کہ میں بازاری نہیں ایک شریف اور نیک عورت ہوں۔
چاند خاں: اجی بس رہنے بھی دو۔ اگر تم ایسی نیک ہوتیں تو جوان مردوں میں نوکری کرنے نہ آتیں۔
ڈالی: تو کیا نوکری اور بدکاری ایک ہی چیز ہیں۔ دیکھو اگر تم میری عزت پر حملہ کروگے تو میں بھی اپنے افسر سے کہہ کر تمھیں آج ہی نوکری سے برخاست کراؤں گی۔
چاند خاں: نوکری سے برخاست کرا دوگی۔ تو کیا ہوا۔ دل سے تو برخاست نہیں کروگی۔

ڈالی: میں تیرے اور اس دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گی۔
چاند خاں: اس کے لیے تمھیں اپنے ہاتھوں کو تکلیف نہ دینی ہوگی۔ یہ کام میری چھری کرے گی۔
ڈالی: او گاڈ۔ چاند خاں۔تم چھری کس لیے لائے ہو۔
چاند خاں: بس ہاں یا نہیں کیا کہتی ہو۔
ڈالی: شریر آدمی مجھے چھوڑ دے۔
چاند خاں: کبھی نہیں۔ کم سے کم ایک بوسہ تو دینا ہی ہوگا۔

(چاند خاں زبردستی بوسہ لینے کی کوشش کرتا ہے)

ڈالی: دوڑو۔ دوڑو۔ یہ بدمعاش ایک شریف عورت کی آبرو لیتا ہے۔
گوکل داس: کیا ہے۔ کیا ہے۔
چاند خاں: نہیں مانتا.......... اچھا تو آجا۔
اشرف: پھنسی ہو آفت میں..........چلو آؤ میرے ساتھ۔

(اشرف ڈالی کو لے کر باہر نکل جاتا ہے)

باب تیسرا ــــــ سین تیسرا

دربار

(بادشاہ جہاں دار شاہ کا آنا)

صفدر: محوِ مشتاق تھا مدت سے زمانہ تیرا
ہو مبارک دلِ پرشوق کو آنا تیرا

جہاں دار: خوش آمدید۔ اے آسمان خیر خواہی کے درخشندہ ستارو۔ قابل شکریہ شکر گزارو۔ خوش آمدید۔ عزیز صفدر ؎

نوشیرواں سے بڑھ کر ہے آج نام تیرا
مشہور ہو رہا ہے عالم میں نام تیرا
دنیا عنایتوں کی توصیف کر رہی ہے
تعریف خود زباں سے تعریف کر رہی ہے

سعیدہ: تعریف۔ کس کی۔ اس نابکار کی۔ اور کس کی زبان سے۔ شہر یار کی۔

صفدر: اے یہ سودائی۔ یہاں کہاں سے آئی۔

جہاں دار: بدزبان عورت ۔ تو نابکار کس کو بتاتی ہے۔

سعیدہ: اس ستم گار کو۔ اس بے رحم بدشعار کو ؎

یکتا جو کینہ بازی و مکر و دغل میں ہے
وہ پرجفا یہی ہے جو بیٹھا بغل میں ہے

صفدر: کون؟ میں؟

سعیدہ: ہاں ہاں تو۔ بے رحم بدخو تو۔ حضور جو غریب عورت آپ کے پاس فریاد لائی ہے وہ اس بدنصیب مجرم کی بہن ہے جس نے کل اس سنگ دل

شخص کے حکم سے پھانسی پائی ہے۔

جہاں دار: پھانسی پائی۔

سعیدہ: جی ہاں۔ میرے بھائی نے پھانسی پائی ہے۔

جہاں دار: مگر انصاف اور راست بازی سے۔

سعیدہ: نہیں حضور۔ بلکہ ناانصافی اور دغابازی سے ۔ میں اس مکار جعل ساز کے پاس آئی۔ روئی۔ گڑ گڑائی۔ اپنی بے کسی اور بے بسی سنائی۔

جہاں دار: مگر پھر بھی صفدر جنگ نے تیرے بھائی کو معافی عطا نہیں فرمائی۔

سعیدہ: نہیں اے سزاوار شاہی۔ اور دینا بھی چاہی تو وہ چیز طلب کی جو دونوں جہان کی کمائی ہے۔ جس سے ایک عورت کی عزت افزائی ہے۔

جہاں دار: کوئی بیش قیمت نذرانہ۔

سعیدہ: نہیں عزت و عصمت کا خزانہ۔

جہاں دار: تو کیا تو نے عصمت سی نایاب چیز کھودی۔

سعیدہ: ہاں میرے حضور۔ میں نے اپنی اور اپنے شریف ماں باپ کی عزت ڈبو دی۔

جہاں دار: چپ بے وقوف عورت۔ جس کو تمام دنیا نیک بتاتی ہے اس پر تو الزام لگاتی ہے۔ بھلا تیری اس بات کا کوئی گواہ بھی ہے۔

سعیدہ: جی ہاں عالی جاہ ہے۔

جہاں دار: کون کوئی درباری امیر؟

سعیدہ: جی نہیں ایک انسان سیرت فقیر۔

جہاں دار: سپاہی جا اور اس فقیر کو ڈھونڈھ کر ابھی لا۔

صفدر: حضور جس فقیر کو آپ نے طلب فرمایا۔ نہ میں نے کوئی تکلیف دی نہ ستایا۔ پھر نہیں سمجھ سکتا کہ کس بات کا غصہ اس کے سر پر سوار ہے۔جو میری بدنامی کا طلب گار ہے۔

جہاں دار: عزیز صفدر۔ یہ فقیر تو کیا۔ اگر یہ تیرے کندھوں کے فرشتوں سے اپنی گواہی دلوائے یا آسمان کو زمین پر شہادت دینے کے لیے بلوائے تو میں پھر بھی کہوں گا کہ تو بے گناہ ہے۔

نادرہ: بے شک یہ بے گناہ ہے۔ اے عادل سلطان میں گواہی دیتی ہوں کہ یہ بے گناہ ہے۔

جہاں دار: تو کون؟

نادرہ: باغ راستی کی ڈالی۔ اس عورت کی جھوٹ اور اس نیک شخص کے سچائی کی شہادت دینے والی۔

جہاں دار: خیر بیان کر۔ کہ یہ عورت نیک ہے یا بدکار۔ جھوٹی ہے یا راست گفتار۔

نادرہ: جھوٹی بالکل جھوٹی۔ حضور عالی۔ اس سے دریافت کیا جاے کہ نواب صفدر جنگ نے کس روز اور کس وقت تیری عزت لوٹی۔

سعیدہ: کل کی رات۔

نادرہ: جھوٹ بات۔ محض الزام دھرتی ہے۔ نامدار سلطان۔ جس رات کا یہ بیان کرتی ہے اسی رات اور اسی وقت ہم اور یہ نیک شخص خوشیاں منارہے تھے۔ جام پر جام اور ساغر پر ساغر لنڈھا رہے تھے ۔

صفدر: یہ لیجیے۔ یک نہ شد دو شد۔ یہ میری گواہی دینے آئی ہے۔

جہاں‌دار: اے عورت کیا تو نے سچ بات سنائی۔

نادرہ: حضور سچ بالکل سچ۔

سعیدہ: نہیں حضور۔ جھوٹ اور بالکل جھوٹ۔

نادرہ: نہیں۔ حضور یقین کیجیے یہ نہیں تھی میں تھی۔

سعیدہ: نہیں حضور یہ نہیں تھی میں تھی۔

صفدر: لاحول و لاقوۃ۔ میں تم دونوں میں سے ایک کو بھی نہیں جانتا۔ اعلیٰ حضرت میں اس مقدس تخت کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ نہ اس سے واقف ہوں نہ اُس کو پہچانتا ہوں۔

سعیدہ: کیا تو نے کل رات کو مجھے نہیں بلایا۔

صفدر: استغفراللہ۔

نادرہ: کل رات کو آپ نے مجھے یاد نہیں فرمایا۔

صفدر: نعوذ باللہ۔

(سپاہی کا واپس آنا)

سپاہی: حضور۔ اس فقیر کا تمام شہر میں سراغ لگایا مگر کہیں ہاتھ نہ آیا۔
صفدر: جہاں پناہ پر خدا کا سایہ۔ دیکھیے وہ فقیر چونکہ اپنے انجام سے خبردار ہو گیا اس لیے ان بے وقوف عورتوں کو بلا میں پھنسا کر خود فرار ہو گیا۔
جہاں دار: ہاں میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ اچھا جاو ایک مرتبہ پھر سراغ لگاؤ۔
نادرہ: واہ جناب واہ۔ میں تو گواہی دے کر آپ کی عزت بچانے آئی اور آپ نے مجھی پر تہمت لگائی۔ خیر جب آپ ہمیں دغا باز بولتے ہیں تو ہم بھی آپ کا سارا راز کھولتے ہیں۔
جہاں دار: راز؟ وہ کیا؟
نادرہ: وہ یہ کہ واقعی کل رات کو حرص و ہوس کے شیطان نے اس کی آنکھ سی دی تھی۔ اس نے اپنا انصاف بیچ کر اس عورت کی عزت خریدی تھی۔ مگر چونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ باعصمت ہے، اس لیے میں نے اسے ہمیشہ کی تباہی سے بچایا اور رات کی تاریکی میں اس کا لباس پہن کر اپنی عصمت کی پیشانی پر بدنامی کا ٹیکا لگایا۔
صفدر: تو جھوٹی ہے۔
نادرہ: اچھاتو ملاحظہ فرمایئے کہ یہ کس کی انگوٹھی ہے۔
جہاں دار: تعجب۔ یہ تو وہی انگوٹھی ہے جو سلطنت کے ساتھ میں نے تمھیں عطا فرمائی تھی ......اے عورت یہ انگوٹھی تو نے کہاں پائی ؟
صفدر: جی ہاں حضور۔ اس سے دریافت کیا جاے کہ یہ انگوٹھی اس نے کہاں سے اڑائی ہے۔
نادرہ: کہاں سے ۔ تیرے ہاتھ سے اور اپنی گھات سے۔ جہاں پناہ۔ کل رات کو جب اس پر شراب کی خماری طاری تھی اس وقت میں نے یہ انگوٹھی اس کے ہاتھ سے اتاری تھی۔
صفدر: تو جھوٹی ہے۔ منھ کھول دیکھوں تو سہی تو کون ہے؟

نادرہ: (نقاب پلٹتے ہوئے) آنکھیں کھول اور دیکھ۔

صفدر: کون میری بیوی نادرہ۔

جہاں دار: عزیز صفدر۔کیا یہ تمھاری بیوی ہے؟

صفدر: جی ہاں حضور۔ یہ نابکار میری بیوی ہے۔ چونکہ میں نے اس کو دس برس سے علیحدہ کیا ہے اس لیے اس نے میری بربادی کا ارادہ کیاہے۔

جہاں دار: عزیز صفدر۔ میں سمجھ گیا جو اس مقدمے میں راز ہیں۔ یہ دونوں عورتیں بڑی مکار ہیں۔ تمھاری شان میں زیادہ گستاخانہ باتیں سننا نہیں چاہتا۔ لو اب میں جاتا ہوں تمھیں اختیار ہے کہ ان مکار عورتوں کو جو چاہے سزا دو۔ سولی پر چڑھاؤ یا قید خانے بھجواؤ۔

(جہاں دار شاہ کا جانا)

سعیدہ: او خدا۔ او خدا۔ کیا ہم بدقسمتوں کا نصیب بالکل ہی الٹ گیا۔ جو وہ فقیر بھی میرا برا وقت دیکھ کر ہٹ گیا۔ آہ۔ اگر آج وہ شریک حال نہ ہوگا تو اپنا کیا مآل ہوگا۔ ؎

گھرے ہیں آفتوں میں بندگان بے نوا تیرے
مدد کر میرے مولا اب نہیں کوئی سوا تیرے

نادرہ: بہن سعیدہ۔ ذرا سی بات میں ہو گئیں آب دیدہ۔ ؎

نیک و خوش کام کا انجام بھلا ہوتا ہے
سچ ہمیشہ سببِ فضلِ خدا ہوتا ہے
وہ فقیر اور فلک بلکہ ملک تک پھر جائیں
اک مگر وہ نہ پھرے ہم سے تو کیا ہوتا ہے

(سپاہی کا فقیر کو گرفتار کر کے دربار میں لانا)

سپاہی: ۔

زیر زمین حکم سما و سمک رہے
اقبال شاہ ہم سر اوج فلک رہے
شیطان کو بھی مات کیا جس کے نام نے
حاضر ہے وہ فرشتۂ بدکار سامنے

صفدر: ادھر آو جی۔ تمھارا نام؟

جہاں دار: (فقیر کے بھیس میں) بندۂ خاص و عام۔

صفدر: وطن؟

جہاں دار: کبھی بستی کبھی بن۔

صفدر: پیشۂ آبائی۔

جہاں دار: مخلوق کی بھلائی۔

صفدر: کیوں او دنیا کے کتے۔ تو فقیروں کا لباس پہن کر شیطانوں کا کام کرتا ہے۔ شہر کی آبرو باختہ عورتوں کے ذریعے سے شریفوں اور امیروں کو بدنام کرتا ہے۔ او کمینے۔ کیا یہی ہیں شریفوں کے قرینے۔ او نابکار۔ کیا یہی ہیں نیک بختی کے آثار۔

جہاں دار: بس بس ہوش کیجیے۔ اس قدر نہ جوش کیجیے۔ خیر بندہ تو اصل میں ایک کمینہ ہے ۔ مگر ایک غریب شخص کو بغیر ثبوت ثابت کیے گا لیاں دینا۔ کیا یہی شریفوں کا قرینہ ہے۔

صفدر: شریفوں کو ستانا۔ عورتوں کو بہکانا۔ امیروں پر الزام لگانا۔ اور پھر اپنا قصور نہ جانا۔

دوسرا امیر: ایک قصور اور بھی تو ہے شاہِ زمانہ۔

جہاں دار: یعنی؟ وہ کیا۔

پہلا امیر: شاہی افسروں کو رشوت دے کر پھسلانا۔

جہاں دار: رشوت ۔ رشوت لینے کے لیے میں نے کس کو اور کس دن لاچار کیا۔

دوسرا امیر: مجھ کو۔ اور اس روز جس روز میں نے اس عورت کے بھائی کو گرفتار کیا

تھا۔ مگر یہ تو کہیے کہ میں ہمیشہ کا ایمان دار تھا ورنہ اشرفیوں کی چکنائی پر ایمان کا پاؤں پھسل جانا کیا دشوار تھا۔

جہاں دار: یہ آپ نے مجھ پر غلط الزام لگایا ہے ۔حضور عالی میں حلفیہ کہتا ہوں کہ نہ میں نے انھیں رشوت لینے کو کہا اور نہ اس عورت کو بہکایا۔

صفدر : تو پھر اور کون مردود ہے۔

جہاں دار: (اپنی اصل شکل میں ظاہر ہوتے ہوے) وہ یہ آپ کے سامنے موجود ہے.... کہیے ایمان دار زمانہ اس رشوت دینے والے کو آپ نے پہچانا۔ کیوں اس طرح شہر کا انتظام ہوتا ہے۔ بھیڑوں کا لباس پہن کر بھیڑیوں کا کام ہوتا ہے۔ اور کیا سلطنت اسی لیے تمھیں اپنا نمک کھلاتی ہے کہ اس کی غریب رعیت کا خون چاٹا جاے۔ کیا حکومت کی تلوار اس ہاتھ میں اسی لیے دی گئی ہے کہ اس ہاتھ سے بے گناہوں کا گلا کاٹا جاے۔ اور کہیے تو نوشیروانِ ثانی۔ موت کی دھمکی دے کر رعایا کی بہو بیٹیوں کی زندگی خراب کرنا۔ کیا اسی کا نام ہے انصاف سلطانی ؎

دم بند، سخن بند، دہن بند یہ سب بند
کیوں رک گئے کیوں جھک گئے کیوں ہوگئے لب بند
یار اے سخن، تاب بیاں ہے کہ نہیں ہے
فرمایئے کچھ منھ میں زباں ہے کہ نہیں ہے

صفدر: ؎

ہر آہ میں فغاں ہے ہر چپ میں سو بیاں ہے
ہر عضو اک دہاں ہے ہر موے تن زباں ہے
سننے کو صرف رحم اب خاموش بن گئی ہیں
لاکھوں زبانیں ہیں پر سب گوش بن گئی ہیں

جہاں دار: رحم۔ او بے رحمو۔ جس چیز پر تم نے ہمیشہ نفرت کی نظر ڈالی آج اسی شے کے ہوتے ہو سوالی۔ بس لے جاؤ ؎

چڑھا دو دار پہ ان موذیوں کو تا کہ جاں نکلے
وہ ایذا دو کہ رگ رگ سے صدائے الاماں نکلے

نادرہ: او رحم دل شہر یار...........

جہاں دار: بس خبردار۔ ابھی تک شرطِ دوستی نبھاتی ہے۔ جو تیرا دل لے کر دوسروں پر جان دے اس کی جان بچانا چاہتی ہو...........لے جاؤ۔

نادرہ: او سعیدہ۔ او فضل و رحم کو نور دیدہ۔ ایک گناہ گار کے لیے ان ہونٹوں، ان بہشت کے دروازوں کو کھول۔ میرے پاس آ۔ میری طرف سے کچھ بول۔ نہیں تو صرف اپنے گھٹنے جھکادے۔ اس نے مرد ہو کر رحم نہیں کیا۔ تو عورت ہو کر اس کو رحم کرنا سکھادے۔

سعیدہ: اے عادل سلطان۔ اگر چہ اس نے میرے بھائی پر رحم نہیں کیا ۔مگر میں چاہتی ہوں کہ تو اپنی رحم دلی کے صدقے میں اسے چھوڑ دے۔ ؎

میں نے بھی بخشا تو بھی دل اب اس سے صاف کر
مرحوم جیتا ہے یہ سمجھ کر معاف کر

جہاں دار: اگرچہ اس موذی پر رحم کرنا سخت ناگوار ہے۔ مگر اس کی جان اور اپنے فرمان سے تمھارا کہنا زیادہ پیارا ہے۔ پھر بھی میں اسے قتل نہیں تو قید ضرور کروں گا۔

نادرہ۔ سعیدہ: او شہر یار۔

جہاں دار: بس خبردار۔ نادرہ ادھر آو۔ اپنے بالوں کو اس کی کلائیوں پر لپیٹو۔ دیکھو۔ جن بالوں سے تمھاری کلائی بندھوائی گئی ہے۔ یہ بال نہیں وہ خدائی زنجیر ہے جو خاص محبت کے قیدیوں کے لیے بنائی گئی ہے۔ لڑنا بھڑنا لیکن اسے خدائی زنجیر کے توڑنے کی کبھی کوشش نہ کرنا۔

صفدر: تیار ہوں۔ تیار ہوں۔ اس وفا کیش سے باوفائی کرنے کو تیار ہوں۔ اور اے نیک چلن پاک دامن سعیدہ تجھ سے بھی معافی کا امیدوار ہوں۔

(قدموں پر جھک کر معافی مانگتا ہے)

سعیدہ: اٹھیے اٹھیے ۔جناب اٹھیے۔ اس طرح معافی مانگنے سے میں کیا میرا بھائی ہوتا تو وہ بھی شرمندہ ہوتا۔ اے کاش وہ زندہ ہوتا۔

(جمیل کا دربار میں آنا)

جمیل: زندہ ہوں پیاری بہن۔ میں زندہ ہوں۔

باب تیسرا——سین چوتھا

کامک

مکان

ڈالی: ارے کوئی آو۔ مجھے بچاؤ۔

اشرف: کیا ہوا۔ کیا ہوا۔ میری خوب صورت دلھن کیا ہوا۔

ڈالی: ارے بس بس۔ بس بس۔

اشرف: اری کیسی بس بس۔

ڈالی: بس بس اب میں آفس کو کبھی نہ جاوں گی۔

اشرف: اے میاں۔ کیوں نہ جاؤ گے۔ اگر تم نہ جاؤ گے تو میں گھر میں چین سے کیسے بیٹھوں گی۔

ڈالی: بس مذاق چھوڑو۔ خدا نے آبرو بچالی۔

اشرف: مگر ہوا کیا؟

ڈالی: آفس کے تمام کلرک میرے دیوانے ہو گئے۔ اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ چھریاں نکل پڑیں۔

اشرف: بڑی خوشی کی بات ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے۔

ڈالی: یہ کیا تم مجھے چڑھاتے ہو۔

اشرف: ابھی چڑھانے کی کون سی بات ہے۔ اگر آزاد عورتوں سے آزاد مرد ہنسی مذاق کریں تو کون سی بری بات ہے۔

ڈالی: دیکھو اشرف۔ زخموں پر نمک نہ چھڑکو۔

اشرف: کچھ بھی ہو مگر تمھیں آفس ضرور جانا ہوگا۔

ڈالی: میں ہرگز نہ جاوں گی۔
اشرف: نہیں جاوگی تو میں کندھے پر الٹا کر تمھیں آفس میں چھوڑ آؤں گا۔

(مرزا کا آنا)

مرزا: اے یو آر۔
اشرف: دیکھیے مرزا صاحب۔ یہ آپ کا لونڈا آفس میں نہیں جاتا ہے۔ میں تو سمجھاتے سمجھاتے ہار گئی۔نگوڑا مارا مانتا ہی نہیں۔
مرزا: ڈالی آج تم آفس سے اتنی جلدی واپس کیوں آئیں۔
ڈالی: بس چولھے میں جائے آفس۔ اور جہنم میں پڑے نوکری۔ اب میں ادھر کا رخ بھی نہ کروں گی۔
مرزا: کیوں؟
ڈالی: وہ آفس بدچلن اور بدنظر آدمیوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ مجھے آپس میں تبرک کا حلوا سمجھ کر بانٹ کھانا چاہتے ہیں۔
مرزا: ان ہندوستانیوں نے ایک ایجوکیٹڈ لیڈی کی یہ بے عزتی کی۔ نو نو۔ میں نہیں مانوں گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔
اشرف: (سائڈ میں) لو وہاں تو چھری اور چاقو نکل پڑے اور یہ نو نو کا بچہ ابھی تک یہی بھونک رہا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔
مرزا: تم کو نوکری پر ضرور جانا چاہیے۔ دیکھو مائی سویٹ ڈالی ایسی رسپیکٹیبل نوکری گھڑی گھڑی نہیں ملتی ہے۔
اشرف: کیوں بے لونڈے کیوں نہیں جاتا۔ باپ کا حکم نہیں مانتا۔
ڈالی: باپ کا حکم مان کر کیا میں اپنی بے عزتی کرالوں۔
مرزا: ارے کیا یہ میری لڑکی بول رہی ہے۔
اشرف: جی نہیں۔ انگریزی گراموفون میں دیسی ریکارڈ بج رہا ہے۔
ڈالی: بس بس۔ میں سمجھ گئی۔ آج سے انگریزی طریقہ۔ انگریزی لباس۔ انگریزی

فیشن سب پر لعنت بھیجتی ہوں۔ ہماری پرانی بڑی بوڑھیوں نے عورتوں کے لیے جو دستور اور قاعدے مقرر کردیے ہیں۔انھیں دستور اور قاعدے کے ساتھ دنیا میں جیوں گی اور اپنے شوہر کے پاؤں دھو دھو کر پیوں گی ۔

اشرف: یہ بات ہے.........اجی مرزا صاحب۔

مرزا : او میرے خدا۔ او میرے خدا۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔

اشرف: خدا تمھاری نہیں سن سکتا۔

مرزا: کیوں؟

اشرف: کیوں کہ تم ایک بڈھے چکرم ہو۔ کیوں ڈالی تم نے قطعی فیصلہ کرلیا تا کہ آفس نہیں جاوگی۔

ڈالی: نہیں نہیں۔ پیارے میں سمجھ گئی کہ جس طرح سردی کا کپڑا گرمی میں کام نہیں آسکتا اسی طرح ہندوستانی عورت کے لیے انگریزی طرز زندگی بالکل نامناسب ہے۔

اشرف: اچھا جاو یہ کپڑے بدل ڈالو...... اجی مرزا صاحب...... اچھا تو پھر گھر کا کام کاج کروگی۔

ڈالی: جی ہاں۔

اشرف: مصالحہ پیسوگی؟

ڈالی : جی ضرور۔

اشرف: جھاڑو نکالوگی۔

ڈالی: برابر۔ بے شک میرے پیارے شوہر بے شک۔

اشرف: اچھا تو میری پیاری بیوی جس طرح تم نے اسکول میں امتحان دیا تھا اسی طرح سے آج بھی امتحان دو۔

ڈالی: خوشی کے ساتھ۔

اشرف: اچھا تو میری پیاری بیوی ذرا میرے بوٹ کو تو اپنے رومال سے صاف کردو۔

ڈالی: شوق سے۔

اشرف: مرزا صاحب ہنسو۔
مرزا: کیسے ہنسوں۔
اشرف: ایسے ہنسو۔ ہا ہا ہا ہا ۔ جس طرح سے تم نے مجھے ہنسنا بتایا تھا۔
مرزا: بس بس سمجھ گیا۔ یہ سب تیرا ہی فساد ہے۔
اشرف: تو میں نے آفس کے بابوؤں سے کہہ دیا تھا کہ میری بیوی پر عاشق ہوجائیں۔
مرزا: بس بس۔ میں جاتا ہوں۔ اور سپرنٹنڈنٹ سے اس بیہودگی کی وجہ دریافت کرتا ہوں۔
اشرف: جاؤ۔ شیطان کے حوالے۔ بس پیاری تم گھر میں بیٹھو۔ میں کماؤں تم کھاؤ اور اپنے باپ کے منھ پر جھاڑو مارو۔

باب تیسرا ——— آخری سین

دربار

سعیدہ: پیارے بھائی ۔ تو نے آج تک نہ بتایا کہ تیری جان کس نے بچائی۔
جمیل: اس نے جس نے صفدر جنگ کے ہاتھ سے تیری آبرو بچائی۔ اسی نے میری جان پر عنایت فرمائی۔
سعیدہ: او غریبوں کے خلیل۔ بول بول یہ غریب عورت کس طرح اس احسان کا بدلہ اتارے۔
جہاں دار: دو چیز۔ اے پاک دامن حور۔ دو چیز۔
سعیدہ: فرمایئے وہ کون سی دو چیز۔
جہاں دار: اپنا پاک دل اور پاک ہاتھ........... کیوں کیا میرا سوال فضول ہے۔

جمیل: جہاں پناہ یہ ہاتھ تو کیا اگر آپ میری اور اس کی جان مانگیں تو دینا قبول ہے۔

جہاں دار: عزیز جمیل میں تمھیں ایک تحفہ دیتا ہوں (آواز دے کر) رضیہ ادھر آو......(رضیہ کا باہر آنا) تم جمیل سے اور صفدر تم نادرہ سے ہاتھ ملاؤ۔

تا حشر غم و رنج سے آزاد رہو تم
سکھ دیکھو جوانی کے سدا شاد رہو تم
پھولو پھلو خوشیاں کرو آباد رہو تم

سب: آمین ۔ آمین۔ آمین۔

(صفدر آگے بڑھ کر سعیدہ کا ہاتھ جہاں دار شاہ کے ہاتھ میں دے دیتا ہے)

(گانا رامش گروں کا)

جان سے پیارا۔ دلارا۔ شاہ دارا ہمارا
درد فراق کا چارہ آیا
قمرفلک شاہ میں آیا
لطف نظر ہر چشم نے پایا
مژدہ فصل بہار ملا
غنچہ خاطر راز کھلا
آن بان دونوں کہو اس آن۔ سزاوار شاہ عالم آرا
آیا
جان سے پیارا............

(پردہ)

سفید خون

سفید خون (1906)

آغا حشر نے یہ ڈراما 1906 میں اڈیسر بھائی (اُردو شیر بھائی) ٹھونٹھی کی کی کمپنی کے لیے لکھا تھا۔ اس کے سال تصنیف کے بارے میں خاصا اختلاف ہے۔ ایک طرف بادشاہ حسین اور انجمن آرا اسے 1906 کی تخلیق قرار دیتے ہیں تو دوسری طرف عبدالعلیم نامی، ابراہیم یوسف اور محمد شفیع مختلف وجوہ کی بنا پر اسے 1907 کی تخلیق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آغا حشر کے ذخیرے سے اس ڈرامے کا جو واحد مسودہ دستیاب ہوا ہے اس کے پہلے ڈراپ کے بعد یہ زبان انگریزی ایک اندراج موجود ہے۔ جس میں دستخط (ناقابل فہم) کے نیچے 17 جولائی 1906 بروز منگل بمقام بمبئی تحریر ہے۔ اسی مسودے میں آگے چل کر دوسرے ایکٹ کے آخر میں انگریزی میں لکھا ہے COMPOSED BY MOHAMMAD SHAH HASHAR اور اس کے نیچے تاریخ 6 اپریل 1906 درج ہے۔ اس کے دوسرے ایکٹ کا خط بدلا ہوا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کسی دوسرے کاتب کی تحریر اور کسی دوسرے مسودے کا حصہ ہے۔ لیکن اس سے اس کے سنہ تحریر کی بحث بہر حال ختم ہوجاتی ہے۔ یہ بلاشبہ 1906 کی تصنیف ہے اور اسے بمبئی میں لکھا گیا ہے۔

یہ واحد مسودہ خستہ حالت میں ہے اور جزوی طور پر نامکمل بھی ہے۔ اس میں کاتب کا نام کہیں درج نہیں ہے۔ اس جلد میں شامل متن کی تیاری میں اسی مسودے کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ لیکن اس میں چونکہ درمیان کے کچھ صفحات نہیں ہیں اس لیے انھیں مطبوعہ نسخے مرتبہ عشرت رحمانی اور اردو مرکز،

گنپت روڈ، لاہور کے پہلے ایڈیشن مجموعہ 1954 کی مدد سے پورا کیا گیا ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ عشرت رحمانی کے مرتبہ اس مطبوعہ نسخے اور دستیاب مسودے کے متن میں کافی اختلاف ہے۔ مکالمے، مناظر اکثر جگہوں پر اضافی ہیں اور کہیں کہیں منظر سرے سے غائب ہیں۔ اس کے باوجود مطبوعہ نسخوں میں یہی قدرے معتبر ہے۔ اب مکمل متن پہلی بار اس جلد کے ذریعے منظر عام پر آرہا ہے۔ اس مطبوعہ نسخے کے علاوہ ایک اور مطبوعہ نسخہ شائع کردہ آئینہ ادب، چوک مینار، انارکلی، لاہور (1981) بھی مرتب کے پیش نظر رہا ہے۔

اس ڈرامے کے بارے میں عام طور پر یہ کہا گیا ہے کہ یہ شیکسپیر کے مقبول عام حزنیہ ڈرامے ''کنگ لیئر'' کا ترجمہ ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ دونوں کا مرکزی خیال ایک ہے لیکن دونوں کے پلاٹ میں کوئی مماثلت دکھائی نہیں دیتی۔ اس افواہ کو تقویت اس بات سے اور ملی کہ اسے مختلف اوقات میں ''سفید خون'' اور ''ایک بادشاہ'' کے علاوہ ''کنگ لیئر'' کے نام سے بھی اسٹیج کیا گیا تھا۔ اس عہد میں ڈراموں کے نام بدلنے کے اسباب تاجرانہ ہوتے تھے۔ ظاہر ہے ایسا دوسری کمپنیوں کے ہم نام ڈراموں سے مقابلہ کرنے اور ناظرین کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے کیا جاتا ہوگا۔ آغا حشر کا تخلیق کردہ یہ ڈراما شیکسپیر کے ''کنگ لیئر'' کے برعکس طربیہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس ڈرامے کو تحریر کرتے وقت آغا حشر کے ذہن میں شیکسپیئر کا یہ ڈراما کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہوگا۔ لیکن اسے کسی بھی صورت میں ترجمہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

کردار

1۔	خاقان	شہنشاہ
2۔	ارسلان	وزیر
3۔	سعدان	وزیر
4۔	کیواں	زارا کا ماموں
5۔	بیرم	سعدان کا بیٹا
6۔	پرویز	سعدان کا بیٹا
7۔	سنجر	مہ پارہ کا شوہر
8۔	اکرم	دل آرا کا شوہر
9۔	الماس	مہ پارہ کا قاصد
10۔	طرم	سپہ سالار
11۔	گل خیرو	طرم کا نوکر
12۔	بغلول	جلیل کا استاد

13۔	جلیل	طرم کا بیٹا
14۔	پھڑک۔کڑک	طرم کے دوست
15۔	مہ پارہ	خاقان کی بڑی بیٹی
16۔	دل آرا	خاقان کی منجھلی بیٹی
17۔	زارا	خاقان کی چھوٹی بیٹی
18۔	گل دُم	طرم کی ملازمہ
19۔	لیلیٰ	جلیل کی بیوی

(دیگر سہیلیاں اور خادمائیں)

باب پہلا ——— سین پہلا

دربار

(سہیلیوں کا حمدیہ نغمہ سنانا)

پیاری پیاری قدرت کی پھلواری
ہربن ہرا۔ گلشن ہرا۔ جگت کی شوبھا ساری
دیکھ کے تہاری نیاری گلکاری۔ پیاری پیاری.....
ڈار ڈار پر کلیاں بجتی۔ کویل گن بھیجتی
کیسی پیاریاں ہیں ساری نیاریاں
ہری ہری ڈاری پھولن سے بھری نسیم بہاری
ہے پیاری۔ ناز سے جاری۔ پیاری پیاری.....
فصلِ گل آئی کھلی کلیاں دل ناشاد کی
ہوگئی دونی بہار اس گلشن ایجاد کی
گارہی ہیں مل کے پریاں نغمہ ہائے تہنیت
قاف سے آواز آتی ہے مبارکباد کی
فصل بہاری سے رنگت چمکے عالم کی
ہرگھر در سے جوبن برسے
فصل بہاری سے نورانی ہے۔ لاثانی
جگ بن کے چم چم دمکے
رنگت چمکے عالم کی

ہر گھر در سے.....
ساقیا لے آگئے دیر و حرم سے گھوم کر
غم گھٹا کلفت گھٹی ساغر پلادے جھوم کر
سرو کو دیتی ہے قمری بن کے عاشق پیچ و تاب
گل کو بلبل چھیڑتی ہے روئے رنگیں چوم کر
تم پر جگ کے ادھار۔ تن من دھن سب نثار
کیسی دکھائی نرالی بہار
جدھر نظر قدرت آئی۔ آن دکھاتی۔ شان بتاتی۔ جان لبھاتی
فصل بہاری سے رنگت چمکے عالم کی

(شہنشاہ خاقان کی لڑکیوں کا شوہروں کے ساتھ آنا اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ جانا۔ شہنشاہ کا معہ وزیر ارسلان آنا۔ سب اہلِ دربار کا تعظیم کے لیے دست بستہ کھڑے ہونا۔ شہنشاہ کا تخت پر بیٹھ کر سب کو بیٹھنے کا اشارہ کرنا)

درباریوں کا گانا ۔

۱۔ فروغ دربار ماہ عزت سے ہے قمر شرمگیں فلک پر
وہ ذرے ذرے میں روشنی ہے کہ ہنس رہی زمیں فلک پر
۲۔ سنارہی ہے زبان بلبل، جتا رہی ہے فغانِ قلقل
قسم سر جم کی یہ تجلی زمیں تو کیا ہے نہیں فلک پر
۳۔ اے بادشاہ محترم، اے خسروِ دارا حشم
عالی علم، والا ہمم، فرخندہ فر، فرخ شِیم
۴۔ شہرے ترے سن پائے ہیں سر نذر کرنے لائے ہیں
مجرائی بن کر آئے ہیں اسکندر و دارا و جم
۵۔ جب تک گلوں میں بو رہے، بلبل محبت خو رہے

دنیا رہے اور تو رہے آنکھیں ہوں اور تیرے قدم

خاقان: اے باعث حیات جہاں بانی۔ اے روح روان سلطانی ۔

برسوں سیر جہان فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

اندیشہ مرگ و غم فردانے گھیرا ہے۔ تھوڑے عرصے میں میری شام زندگی کا سویرا ہے۔ لہٰذا چاہتا ہوں کہ وفات سے پہلے حیات کا ایک بڑا فرض چکایا جائے۔ قبل اس کے کہ نااتفاقی اس کے حق داروں کا سر چڑھائے، یہ مغرور تاج اتفاق کے ہاتھوں سے حق دار کے سر پر چڑھایا جائے۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ تم میں سے کون بیٹی ہم کو زیادہ پیارکرتی ہے۔ مہ پارہ۔ تم اولاد اکبر ہو۔ اول تم ہی سے سنیں کہ تمھاری سعادت مندی کیا اظہار کرتی ہے۔

مہ پارہ: جہاں پناہ۔ اگر یہ امر سچ ہے کہ سمندر کا پانی کوزے میں نہیں سما سکتا تو اسے بھی سچ سمجھیے کہ آپ کی لا انتہا محبت کا اظہار زبان اور کلام کے ذریعہ سے نہیں کیا جاسکتا۔ جو لوگ صاحب عقل و تمیز ہیں انھیں دنیاوی چیزوں میں صحت اور دولت سب سے زیادہ عزیز ہے۔ لیکن مجھ سے پوچھیے تو یہ چیزیں بھی آپ کی محبت کے سامنے ناچیز ہیں۔ میری گویائی اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتی کہ جتنی محبت اس خادمہ کو آپ سے ہے اتنی محبت کوئی لڑکی اپنے باپ سے رکھتی تھی نہ رکھتی ہے۔

زارا: (سائڈ میں) اُف ری خوشامد۔

دل آرا: (سائڈ میں) یا اللہ ساری دنیا کا جھوٹ تو یہی بول گئی۔ اب میں کیا کہوں۔

خاقان: شاباش میری نور نظر شاباش۔ مجھ ضعیف باپ کے مشتاق کان جس بات

کے لیے گوش برآواز تھے تو نے وہی تسلی بخش بات سنائی۔ مبارک ہے وہ باپ جس نے تجھ سی سعادت مند بیٹی پائی۔ (دل آرا کی طرف اشارہ کرکے) ہاں بول اے باپ کی دلاری اب تیری باری آئی۔

دل آرا: عالی جاہ۔ باجی جان کی لاجواب تقریر کے بعد اس کنیز کا کچھ عرض کرنا محض بے ضرورت ہے۔ اتنا حضور بھی جانتے ہیں کہ میری طینت اور باجی کی طبیعت کی بالکل ایک کیفیت ہے۔ چنانچہ جس وقت یہ اپنا قصۂ الفت کہہ رہی تھیں تو مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرے سچے جوش کا ذکر کر رہی ہیں۔ بلکہ یہاں تک مجھے دھوکا ہوا کہ شاید ان کی نگاہوں کے روبرو کسی نے میرے دل کی کتاب کھول کر رکھ دی ہے اور یہ اسے دیکھ دیکھ کر پڑھ رہی ہیں۔

دونوں دل میں جلوہ فرما ہے محبت آپ کی
دونوں گھر کا ہے اجالا شمع الفت آپ کی
سر میں سودا آپ کا دل میں عقیدت آپ کی
منھ پہ کلمہ آپ کا ہے لب پہ مدحت آپ کی
افتخار ارض بھی فخرِ سما بھی آپ ہیں
گر خدا کہتا تو ہم کہتے خدا بھی آپ ہیں

زارا: (سائڈ میں) پناہ تیری۔

خاقان: مرحبا اے میری نور دیدہ مرحبا۔ بے شک تو میری امیدوں سے زیادہ سعید و فرماں بردار ہے (زارا کی طرف اشارہ کرکے) ہاں۔ اے غنچۂ آرزو اب تیری گل فشانی کا انتظار ہے۔

زارا: ابا جان میں کیا عرض کروں ۔

اطاعت مجھ سے کہتی ہے کہ تو چپ رہ نہیں سکتی
مگر میرا یہ کہنا ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتی

خاقان: کیوں۔ کیا بات کرنے میں کچھ برائی ہے۔ آخر خدا نے زبان کس لیے

عطا فرمائی ہے۔

زارا: اس کی خدائی اور یکتائی کا اقرار کرنے کے لیے۔ اور ضرورت کے وقت اپنی ضرورت کا اظہار کرنے کے لیے ۔

زمانے کی راحت اگر چاہیے
تو باتیں کرے سوچ کر، چاہیے
کہے ایک جب سن لے انسان دو
کہ حق نے زباں ایک دی، کان دو

خاقان: باپ کی فرماں بری فرمانِ شرع و دین ہے
اس قدر انکار میرے حکم کی توہین ہے

زارا: عالی جاہ۔ میں وہ بات نہیں جانتی جس سے انسان کی پسند کو شکار کیا جاتا ہے۔ سچائی شرافت کی جان ہے۔ میں اپنے بزرگ باپ سے اسی قدر محبت رکھتی ہوں جتنی محبت رکھنا ہر سعادت مند بیٹی کا فرض و ایمان ہے۔

خاقان: او فرض فراموش۔ کیسی بیہودہ گفتار کرتی ہے۔اس سے زیادہ اور اس سے اچھے لفظوں میں تو ایک غیر کی زبان مجھ سے محبت کا اظہار کرتی ہے۔

زارا: تو خطا معاف۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی طبیعت راست بازی کو نہیں لفاظی کو پیار کرتی ہے۔

خاقان: زارا۔ زارا ۔

صبر حال تباہ مشکل ہے
ضبط و فریاد و آہ مشکل ہے

زارا۔ سریر آرا۔ قول کو فعل کے ترازو میں رکھ کر تولنا چاہیے۔ سچی محبت زبان کی دوکان اور لفظوں کے بازار میں نہیں ملتی۔ اسے دل کے خزانے میں ڈھونڈھنا اور طبیعت کے تہہ خانے میں ٹٹولنا چاہیے۔

خاقان: ارے۔ اتنی چھوٹی اور اتنی طرار۔

زارا: جی نہیں۔ یوں فرمایئے کہ اتنی چھوٹی اور اتنی راست گفتار۔

خاقان: کیا راست گفتاری اسی سخن سازی کا نام ہے۔

زارا: تو کیا حق گوئی خوشامد بازی کا نام ہے۔

خاقان: اظہار وفاداری کو خوشامد کہنا بدزبانی ہے۔

زارا: اور مکاری کو وفاداری سمجھنا خوف ناک نادانی ہے۔

خاقان: وفاداروں کو مکار کہنا تجھے بجا نہیں۔

زارا: دنیا جانتی ہے کہ جو برستا ہے وہ گرجتا نہیں۔

خاقان: دل کا حال زبان کی گفتگو سے جانا جاتا ہے۔

زارا۔ عطر عطار کے کہنے سے نہیں اپنی خوشبو سے پہچانا جاتا ہے۔

خاقان: چھوڑ دے ہٹ.....

زارا: آج تک چھوٹی نہیں۔

خاقان: بے ادب ہے تو.....

زارا: مگر جھوٹی نہیں۔

خاقان: یہ باتیں ناپسند ہیں.....

زارا: دنیا کو ہے پسند۔

خاقان: مجھ کو نہیں پسند.....

زارا: خدا کو تو ہے پسند۔

خاقان: نقصان اٹھائے گی تو.....

زارا: مرا باری تعالیٰ ہے۔

خاقان: میں کچھ نہ دوں گا تجھ کو.....

زارا: خدا دینے والا ہے۔

خاقان: بہت خوب۔ اگر تو میری دولت و سلطنت کو لاپروائی سے ٹھوکر مارتی ہے تو اب اسی غرور کو دولت سمجھ ، جسے حق، سچائی، ایمان اور صداقت شعاری کے نام سے پکارتی ہے۔ جا۔ میں تیرا رشتۂ الفت توڑتا ہوں۔ تجھے اور تیری محبت دونوں کو آج سے چھوڑتا ہوں ۔

سنگ فالج بن کے تجھ پر تو سہی لعنت گرے

درد کی صورت اٹھے اور اشک کی صورت گرے
سر کٹے، شوکت گھٹے، ذلت بڑھے، عزت گرے
قہر ٹوٹے، عیش چھوٹے، غم پڑے، آفت گرے
اب تری جان حزیں ہے اور بے حد اضطراب
تو ہے اور غم، غم ہے اور دل، دل ہے اور صد اضطراب

سعدان: جہاں پناہ بس۔ یہ ہولناک لعنت و بددعا ان کانوں سے نہیں سنی جاتی ہے۔ دل لرزتا ہے۔ روئیں روئیں سے پناہ کی آواز آتی ہے

(سر جھکا لیتا ہے)

خاقان: بددعا نہیں تو کیا ایسے ناخلف کو لوگ دعائے نیک دیتے ہیں۔

سعدان: ولی نعمت۔ بچہ اگر ران کو نجس کردے تو کیا باپ ماں کاٹ کر پھینک دیتے ہیں۔

خاقان: ایسے پر قصور پر ترحم کچھ ضرور نہیں۔

کیواں: عالی جاہ۔ اول تو جسے آپ بہت بڑا قصور سمجھتے ہیں وہ کوئی قصور نہیں۔ دوم اولاد کیسی ہی قصور وار ہو، ایسی دل ہلادینے والی بددعا دینا محبت پدری کا دستور نہیں۔ فیاض دل اپنا برا چاہنے والے کے حق میں بھی بھلا کلمہ نکالتا ہے۔ سرسبز درخت جو اس کی جڑ کاٹتے ہیں ان پر بھی سایہ ڈالتا ہے۔

خاقان: آپ کیوں اس ناشدنی کی سفارش کرتے ہیں۔ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ کسی وقت کام آئے گی۔ خوب سمجھ رکھیے کہ جو اپنے باپ کے احسانوں کو بھول گئی وہ ماموں کے احسان کو پہلے بھول جائے گی۔

کیواں: میرے خیال میں تو آپ کی نفرت کا سبب سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ جہاں اس میں بے حد حسن و لیاقت ہے وہاں تھوڑی سی دروغ گوئی نہیں ہے۔

خاقان: خیر۔ اگر اس کھوٹی اشرفی کو آپ کھری سمجھتے ہیں تو ہٹائیے۔ آپ ہی اپنے ساتھ لے جائیے۔ سوگند ہے آفتاب قدرت کی کہ جس کے دست اختیار میں نظام عالم کے ذریعے نیست و بود نہیں۔ قسم ہے تمام اجرام فلکی کی جو ہماری نمود بے بود کا باعث وجود ہیں۔ آج سے، اس گھڑی سے، او مغرور و سرکش لڑکی اسی لحظہ سے تجھ کو اس خوفناک وحشی درندے کی طرح جو اپنی اولاد کو مار کر کھا جاتا ہے، زیادہ ذلیل اور ہیٹی جانوں گا۔ جا دور ہو۔ اب سے نہ تو مجھے اپنا باپ سمجھنا اور نہ میں تجھے اپنی بیٹی جانوں گا۔

ارسلان: جہاں سردار۔

خاقان: ارسلان خبردار۔

ارسلان: سریر آرا۔

خاقان: ادھر آؤ۔ مہ پارہ۔ دل آرا۔ آج سے تمام دولت، حشمت، حکومت، سلطنت غرض جزو کل تک جو کچھ ہے وہ تمھارا۔ اب مابدولت کو عزت کی پرواہ نہ سطوت کی چاہ، نہ سلطانی کی جستجو، نہ جہاں بانی کی آرزو۔ صرف ایں جانب اپنے لیے یہ انتظام کریں گے کہ سو سرداروں کے ساتھ ایک مہینہ اے نورنظر تیرے یہاں اور ایک مہینہ اے لخت جگر تیرے گھر یکے بعد دیگرے قیام رکھیں گے۔ اور.....

ارسلان: حضور۔ ذرا غور۔

خاقان: بس زبان تھام لے۔

ارسلان: انسان کو چاہیے کہ غصے سے نہیں ذرا عقل سے بھی کام لے۔

خاقان: اس سے مراد؟

ارسلان: عالی نژاد۔ آپ کا یہ سخت حکم سنگ غم بن کر ضعیف دلوں کو کچل دے گا۔

خاقان: ارسلان شاہی معاملات میں دخل دینا اچھا نہیں۔ یہ ضعیف شخص کوئی نادان بچہ نہیں۔ جو تمھاری باتوں کی شیرینی پر پھسل جائے گا۔ یا زمانے

کی طرز یا اس محسن کش پتلی کی آنکھوں کی طرح اپنے مضبوط ارادے سے بدل جائے گا۔

بشر الجھیں، ملک بگڑیں، یہ جسم اور جاں الٹ جائے
زمیں لرزے، فلک کانپے جہاں سارا پلٹ جائے
مگر کیا تاب، کیا طاقت کہ دل اور وہ بھی میرا دل
بڑھے اور بڑھ کے گھٹ جائے، جمے اور جم کے ہٹ جائے

ارسلان: حضور عالی۔ تھوڑا صبر اور کیجیے۔ میں ارادہ بدلنے کو نہیں کہتا۔ صرف یہ کہتا ہوں، غیظ کے پہلے غور کیجیے۔ سوگند ہے اس مقدس تخت و اورنگ کی جس کو میرے آباو اجداد نے اپنے خون سے غسل دے کر پاک بنایا ہے۔ قسم ہے اس سربلند سر کی جس کی سرداری کے لیے بڑے بڑے سرداران خودسر نے اپنا سر کٹوایا ہے۔ آپ کا یہ ارادہ ظلم ناحق ہے۔ اگر سلطنت ہی سے آپ کو نفرت ہوگئی ہے تو اس میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ چھوٹی صاحبزادی کا حق ہے۔

خاقان: میں سوائے بددعا اور لعنت کے اسے کچھ نہیں دے سکتا۔

ارسلان: حضور محض زبانی باتوں پر کسی کو اپنے دل سے نکال نہ پھینکنا چاہیے۔ جب کوئی محبت کی تصویر پیش کرے تو تحقیق کی عینک لگاکر اس کو دونوں رخ سے دیکھنا چاہیے۔

خاقان: ارسلان تیری باتوں میں گستاخی کا رنگ نظر آتا ہے۔

ارسلان: خداوند آنکھ اور کان میں چار انگل کا فاصلہ ہے مگر سن کر تجربہ کی آنکھ سے دیکھیے تو کوسوں کا فرق پڑجاتا ہے۔

خاقان: دیکھو کمان کشیدہ کے سامنے نہ آؤ۔ اگر ہمیشہ کے لیے چپ نہ ہونا ہو تو اس وقت خاموش ہو جاؤ۔

ارسلان: خاموش۔ کیا خاموش۔ اے سرتاج سرِ سر فروش۔ چاپلوسی کا شیطان آپ کو تباہی کے جہنم کی طرف ریلے۔ سخن ساز زبان آپ کی عقل کی آنکھوں پر خوشامد کی پٹی چڑھا کر مصیبت میں ڈھکیلے۔ اور یہ غلام اظہار راستی

سے خاموش ہو۔ لعنت ہو اس دل پر جو ایسا فرض فراموش ہو۔ ۔

نہ چپ ہے نہ یہ حشر تک چپ رہے گا
یہی کہہ رہا ہے، یہی پھر کہے گا

خاقان: کہ.....

ارسلان: ..... آپ اپنے حق میں جفا کر رہے ہیں۔ برا کر رہے ہیں، برا کر رہے ہیں۔

خاقان: قسم خدا کی۔ ہم راہ انصاف کے خلاف ہرگز قدم نہیں اٹھاتے ہیں۔

ارسلان: حضور معاف کیجیے۔ آپ جھوٹی قسم کھاتے ہیں۔

خاقان: کیوں رے سفلے۔ کمینے تو یہاں تک گستاخی پر آمادہ ہوا۔

ارسلان: حضور سنیے۔ طبیب کو قتل کیا اور مرض زیادہ ہوا۔

خاقان: تو گستاخ ہے۔

ارسلان: مگر خوشامد باز نہیں۔

خاقان: تو سخن پرور ہے۔

ارسلان: مگر سخن ساز نہیں۔

خاقان: مُجّی ہے۔

ارسلان: مگر راست گفتار۔

خاقان: احمق ہے۔

ارسلان: مگر آپ سے زیادہ ہوشیار۔

خاقان: چپ۔

باب پہلا ـــــــــ سین دوسرا

بارہ دری

(بیرم کا ہاتھ میں ایک خط لیے ہوئے آنا)

بیرم: (خود کلامی) کینہ، دھوکا، عیاری، مکاری۔ انھی چیزوں کا نام ہے دنیاداری۔ صورت میں نور اور سیرت میں نار۔ منھ پر پیار اور بغل میں تلوار۔ بس یہی ہے وہ چلتا ہوا ہتھیار جس سے بیوقوف ڈرتے ہیں اور عقل مند اپنے حریفوں کی دھجیاں کرتے ہیں۔ او پرویز نابکار۔ او غاصب بھائی۔ تو باپ کی دولت سے تین حصہ پائے اور بیرم صرف چوتھائی۔ کس لئے؟ اس لیے کہ تو سراپا نیکی ہے اور میں مجسم برائی۔ تو پارسا ہے اور میں عیاش۔ تو نیک چلن ہے اور میں بدقماش.....ہوں.....پھر۔ کیا میں اس بیہودہ وجہ سے اپنے اشہب امید کی لگام میدان آرزو کی طرف سے موڑدوں گا۔ کیا میں اپنا حق، حصہ، دولت اور آئندہ زندگی کی سنہری امیدیں چھوڑدوں گا۔ نہیں نہیں (خط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) میں ان حرفوں کے بنے ہوئے جادو سے تیری خوش نصیبی کا سارا طلسم توڑدوں گا..... (اپنے باپ سعدان کو اپنی طرف آتے دیکھ کر) بے وقوف بوڑھا.....چل اے آدھی رات کے سناٹے میں قلم اور سیاہی کے جگائے ہوئے منتر اپنا اثر دکھانے کو تیار ہوجا۔ اے اولاد آدم کے دشمن نما دوست مددگار ہوجا۔

سعدان: (خود کلامی) ظلم، دغا، تباہی، ویرانی، افسوس ایسا عقل مند بادشاہ اور اتنی

بڑی نادانی۔ زارا سی سعادت مند بیٹی اور اس سے یہ برائی۔ ارسلان سا خیرخواہ اور اس سے یہ کج ادائی۔ ہائے۔ صرف اتنے قصور پر کہ ایک نے خوشامد کیوں نہ کی اور دوسرے کی زبان پر سچ بات کس لیے آئی۔

عجب چرخ کہن نے ان دنوں ہے طرز نو بدلی
کہ چھائی آفتاب راستی پر کذب کی بدلی
جو طبع نیک تھی اس نے بھی راہ کذب ہے بدلی
تباہی سے مگر قہر خدا نے شرط ہے بدلی
سزا ملتی تھی پہلے جھوٹ پر اور بدشعاروں کو
غضب ہے سچ پہ اب ملتی ہے وہ بھی جاں نثاروں کو

بیرم: (خود کلامی لیکن اتنی زور سے کہ باپ سن لے) نہیں ہوسکتا۔ اے ہوس پرست دل یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔

سعدان: یا اللہ۔کس خیال سے اس کادل بے آرام ہے۔بیرم۔بیرم یہ کیا بکتا ہے۔

بیرم: آہ دنیا تو کس قدر اپنے مطلب کی غلام ہے۔ افسوس جس چشمے کے پانی سے پیاس بجھانا اسی میں زہر ملانا۔ جس درخت کے سایے میں سونا اسی کی جڑ کاٹنے کو آمادہ ہونا۔ غضب خدا کا۔ بیٹا اور باپ کی جان لینے پر آمادہ۔ افسوس۔ پرویز سا فرشتہ اور یہ شیطانی ارادہ۔

سعدان: پرویز؟ میں نے کیا سنا پرویز۔

بیرم: دغا، موت، قتل، خون۔ اف مری آنکھوں کے نیچے اندھیرا آتا ہے۔ میرا دماغ چکر کھاتا ہے۔

سعدان: او خدا۔ کیا پرویز میرا خون بہانا چاہتا ہے۔ بیرم۔ بیرم۔

بیرم: او گویائی یاری کر۔ او طعنہ دنیا سے ڈرنے والی زبان حق کی طرفداری کر۔ ہائے یہ کیسا ارادۂ جاں سوز ہے۔ او میرے غریب باپ کاش مجھے معلوم ہوجاتا کہ آج تیری زندگی کا آخری روز ہے۔

سعدان: آخری آخری۔ میرے کان تو مجھے دھوکا نہیں دیتے۔

بیرم: او کیسی لعنت بھری جعل سازی۔ کتنی خوفناک دغا بازی۔ او دیکھنے والے آسمان۔ او سننے والی زمین۔ او پاس سے ہوکر گزرنے والے ہوا کے جھونکو کیا تم میں کوئی ایسا نہیں جو میرے باپ کو ایک لفظ "خبردار" کہہ کر خبردار کردے۔

سعدان: یہ تم کرسکتے ہو بیرم۔ یہ تمھیں کرنا چاہیے۔

بیرم: ....جہ....جہ....جناب....آپ....میں....اب میں کیا کروں۔

سعدان: ادائے فرض۔ اظہار حق۔

بیرم: میں....میں۔

سعدان: ہاں تم۔ تم۔

بیرم: یا خدا تو جانتا ہے۔

سعدان: ہاں اور تم بھی جانتے ہو۔

بیرم: کیا؟

سعدان: جو میں نہیں جانتا مگر اب جاننا چاہتا ہوں۔ بیرم کیا تو میرا بیٹا نہیں ہے۔ کیا میں تیرا باپ نہیں ہوں۔

بیرم: خدا کو معلوم۔ شاید آپ نے سن لیا۔ پرویز۔ بے وقوف۔ نافہم۔ او رحم میرے مہربان باپ رحم۔

سعدان: صرف تجھ پر۔

بیرم: نہیں دونوں پر۔

سعدان: وہ شیطان ہے اس لیے اس پر لعنت ہونی چاہیے۔

بیرم: مگر آپ فرشتہ ہیں اس لیے برکت بخشیے۔ (خط چھپانا چاہتا ہے)

سعدان: برکت۔ بے وقوف۔ یہ کیا۔ یہ کس کا خط۔

بیرم: جی پرویز۔ نہیں....میرا....میرا۔

سعدان: تیرا....نہیں۔ بے وقوف گناہ کا چھپانا بھی گناہ ہوتا ہے۔

بیرم: ٹھہریے۔ٹھہریے۔ آہ لعنتی حرص تیرے لیے آج میرا بھائی تباہ ہوتا ہے۔

سعدان: (خط کا مضمون پڑھتا ہے) رات کے بارہ بجے جس وقت زندگی کی

شورشیں خوف ناک خاموشی سے بدل جاتی ہیں۔ آسمان بھیانک، زمین خوف زدہ اور ناپاک روحیں قبروں سے نکل کر سنسان فضا میں رینگتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ حسب وعدہ قلعے کی کھڑکی پر تمھارا انتظار کروں گا۔ بس اگر آج شب کو تمھاری چھری نے میرے باپ کو اس نیند سے جس میں سوتا ہوگا پھر جاگنے کا موقع نہ دیا تو جتنا میں اس کی دولت کے لیے اس سے نفرت کرتا ہوں اتنا ہی تمھاری جرأت کے لیے تمھیں پیار کروں گا_ ارے یہ کون کہتا ہے۔ میرا لڑکا۔

بیرم: (سائڈ میں) اے میری فصاحت ذرا اور شعلہ بھڑکا۔

سعدان: یہ پھندا؟

بیرم: خدا وندا۔

سعدان: یہ بے مہری؟

بیرم: پناہ تیری۔

سعدان: میرا خون۔

بیرم: بے وقوف۔ مجنون۔

سعدان: آہ زمانہ_زمانہ_زمانہ_

بیرم: الٰہی میرے باپ اور نادان بھائی دونوں کو ہلاکت سے بچانا۔ جناب عالی۔ اگر یہ تحریر میں نے یہاں پرویز کی میز پر پڑی پائی ہے تاہم میرا یقین ہے کہ یہ خط جعلی اور کسی دشمن کی کارروائی ہے۔

سعدان: کیا میں اندھا ہوں۔ کیا میری پیشانی میں آنکھوں کے بدلے صرف دو سوراخ ہیں۔ کیا میں اس کا خط اور طرز تحریر نہیں پہچانتا۔

بیرم: ابا جان۔ سفید کاغذ پر چند سیاہ حرفوں کو دیکھ کر ان کا مطلب نکالنے میں جلدی نہ کیجیے۔ اس خط میں حملے کے لیے آج کی رات تجویز کی گئی ہے۔ اگر آج شب کو مقررہ وقت پر کوئی واردات ہو تو بے شک سمجھ لیجیے گا کہ پرویز کی نیت میں فتور ہے اور ایسا نہ ہوا تو یقیناً وہ بے قصور ہے۔

سعدان: افسوس کیسا خراب زمانہ ہے۔ آج کل برابر چاند سورج میں گہن لگتا ہے۔ شام ہوئی اور ستارے ٹوٹنا شروع ہوئے۔ وبا گئی کہ قحط آیا۔ طوفان مٹا کہ زلزلے نے سر اٹھایا۔ علاوہ بریں دغا، فریب، خون، ظلم۔ بیٹیاں ماں سے غیر۔ بیٹوں کو باپ سے بیر۔ بھائی بھائی کا خون چاٹے۔ دوست دوست کا گلا کاٹے۔ غرض عجب اندھیر ہے۔ خدا پناہ دے یہ سب ہمارے ستاروں کا پھیر ہے۔

(سعدان کا جانا)

بیرم: ہاہاہا۔ دنیا والے بھی عجب چیز ہیں۔ خود ہی تو مصیبت بڑھانے والے کام کرتے ہیں اور جب ان سے تکلیف پہنچتی ہے تو بے گناہ سورج اور غریب ستاروں کو بدنام کرتے ہیں۔ اگر شراب پی کر ہم کسی عورت کی عصمت پر حملہ کریں اور اس کے بدلے میں جیل جانا ہو تو گویا یہ سورج کا قصور ہے۔ اگر فضول خرچی کرنے کے لیے ہم کسی معصوم بچے کو مارکر زیور اتار لیں اور اس کے بعد اس میں پھانسی ملے تو گویا یہ چاند اور ستاروں کا فتور ہے۔ غرض ایک غریب آسمان اور دوسرے ہمارے مہربان حضرت شیطان، دو مل گئے ہیں۔ پاپ کیا اور ان کے سر ڈالا۔ وہی مثل ہے کر جائے ڈاڑھی والا اور پکڑا جائے مونچھوں والا۔

(پرویز کا آنا)

پرویز: بھائی۔

بیرم: کون؟

پرویز: آپ کا خادم

بیرم: او پیارے پرویز۔ کہو جان برادر۔ کیا خبر ہے۔

(گانا)

سارے چتر گنی گئے ہار
جگ کی نہ پائی سار۔ لاکھن کیے بچار
سارے چتر گنی.....
جن کی جگت بیچ لاکھن کو ہے آس
انھی کے چت نت بھیو ہے نراس
آج دیکھا یہ سنسار
سارے چتر گنی گئے ہار

پرویز: بھائی۔ بھلا تم جانتے ہو کہ والد مجھ سے کیوں ناراض ہیں۔

بیرم: تم سے۔ جو ان کے آنکھ کے تارے ہو۔ تم سے جو انھیں نیکی اور عزت کی طرح پیارے ہو۔

پرویز: بھائی کیا آپ اسے جھوٹ سمجھتے ہیں۔

بیرم: تو کیا کبھی یہ سچ بھی ہوسکتا ہے۔

پرویز: بالکل سچ ہے۔

بیرم: بھلا تم سے اور والد سے کچھ بات ہوئی۔

پرویز: ابھی ابھی ملاقات ہوئی۔ میں نے جھک کر سلام کیا تو آپ ایک شخص سے کہتے ہیں کہ کیوں میاں کبھی تم نے بھی دیکھا ہے کہ ایک بیٹے نے باپ کا ایسا حال کیا۔ پھر میں نے پوچھا کہ مزاج کیسا ہے حضرت۔ تو فرمانے لگے تمھیں پوچھنے کی ضرورت۔ اور منھ پھیر کر چلے گئے۔

بیرم: بے شک یہ ناراضی کے آثار ہیں۔ شاید کسی دشمن نے انھیں الٹا سیدھا سمجھایا ہو۔

پرویز: مگر دشمن کی کارروائی تو تب سمجھوں جو میں نے کسی کو ستایا ہو۔

بیرم: بھئی کیا نادان ہو۔ میاں بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو بغیر کسی عداوت کے دوسروں کو رنج پہنچاتے ہیں۔ بھڑ اور بچھو کو کیا کسی سے دشمنی ہے جو ڈنک مارتے ہیں۔

پرویز: خدا ایسے بدمعاشوں کا برا کرے۔

بیرم: نہیں بھائی تم بھلے آدمی ہو اس لیے یہی کہو کہ خدا ہمارے دشمنوں کا بھی بھلا کرے۔

پرویز: یہاں میں تمھارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ ان کی ناراضی دور ہونے کی کوئی تدبیر نکالو۔

بیرم: نہ گھبراؤ۔ دل ٹھہراؤ۔ طبیعت کو سمجھاؤ۔ میں والد کو سمجھادوں گا۔ تمھاری خوشی کی دنیا کو جسے غم کی تاریکی نگل گئی ہے دوبارہ منور بنادوں گا۔

پرویز: خدا آپ کو کامیاب کرے۔

(پرویز کا جانا)

بیرم: (خود کلامی) خدا تیرا ستیا ناس کرے۔ ہاہاہا۔ بھئی واللہ کیا الو باپ اور کیا ہی الو کا پٹھا بھائی پایا ہے۔ ابھی تک تو جتنے پانسے پھینکے سب میں پو بارہ ہی آیا ہے۔ اب ایک رات کی بازی اور ہے۔ اگر راجا نل کی روح نے مدد پہنچائی تو سمجھ رکھو کہ وہ بھی یاروں کے ہاتھ آئی ۔

مات دینا ہے حریفوں کو وہ ڈٹ کر دوں گا
پڑگئی چت تو بس ایک ہاتھ میں پٹ کردوں گا

(بیرم کا گانا)

عاقل و دانا ہوں۔ دنیا سے یگانہ ہوں

میری سیانی ہے چال
آگ لگانے میں، دھوکے بہانے میں۔ سارے زمانے میں
ہوں باکمال
ناجب پھینکا تب آیا پانسا۔ دے کر چکمہ فقرہ۔ جھانسا۔ روز اک الو
پھانسا
سوکراماتوں سے، دھوکے سے باتوں سے
چالوں سے گھاتوں سے۔ دنیا کے ہاتھوں سے
لیتا اڑاتا ہوں مال
عاقل و دانا ہوں.....

باب پہلا ——— سین تیسرا

مہ پارہ کا محل

(خاقان اور ارسلان کا آنا)

خاقان: وہ نہیں آتا؟۔ وہ کیوں نہیں آتا۔

ارسلان: سرکار اس کی مرضی۔

خاقان: وجہ؟

ارسلان: نمک حرامی۔ شرارت۔ خود غرضی۔

خاقان: افسوس۔

ارسلان: فضول ہے۔

خاقان: یہ انقلاب۔

ارسلان: زمانے کا معمول ہے۔

خاقان: غضب خدا کا۔ میری طلب اور جواب صاف۔ میرا حکم اور اس سے انحراف۔

ارسلان: خطا معاف۔ شاید حضور کو آج تک یہ معلوم نہیں کہ جب تک سوار کے مہمیز کا خوف یا چابک کا ڈر نہ ہو گھوڑا گاڑی کو نہیں کھینچتا۔ قبلہ عالم۔ دنیا والوں کا دل دولت یا حکومت کا حکم مانتا ہے یا عاجزی اور خوشامد سے پسیجتا ہے۔ خوشامد آپ کے حصے میں نہیں ۔ دولت اور حکومت تھی وہ حضور نے بیٹیوں کو عطا فرمائی۔ اب آپ ہی فرمایئے

کوئی کیوں کر آپ کے حکموں کی تعظیم کرسکتا ہے۔ غور تو کیجیے کہ اگر ایک مفلس فقیر اپنا نام بادشاہ رکھ لے تو کیا زمانہ اس کی خراج گزاری اور فرماں برداری تسلیم کرلے گا ۔

آب دریا میں سرور جام مل ہوتا نہیں
خار کا گل نام رکھ لینے سے گل ہوتا نہیں
آہنی فولاد کی تلوار ہو یا کاٹھ کی
غیر مانے گا تبھی لوہا جب اس نے کاٹ کی

خاقان: اے میرے آئینہ تو سچ کہتا ہے۔

ارسلان: کاش سلطنت دیتے وقت آپ نے کچھ فکر سے کام لیا ہوتا۔ یا دور اندیشی کا دامن تھام لیا ہوتا یا عقل اڑگئی ہوتی یا سمجھ لڑگئی ہوتی۔

خاقان: ہاں۔ تو آج اتنی پریشانی نہ اٹھانی ہوتی۔ لیکن اب بس کر ارسلان۔ ورنہ میں غم اور غصے سے دیوانہ ہوجاؤں گا۔ اگر مہ پارہ مسخ ہوکر درندہ بن گئی ہے تو میں اس کی صورت پر لعنت بھیج کر آج ہی اپنی دوسری بیٹی کے پاس روانہ ہوجاؤں گا۔

ارسلان: ہوسکتا ہے۔

خاقان: تو میرا منھ کیوں تکتا ہے۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ مہ پارہ کی طرح دل آرا بھی مجھے صدمہ پہنچائے گی۔

ارسلان: معاف فرمایئے۔ جب بڑی سے فیض نہ پایا تو چھوٹی سے کیا امید برآئے گی۔ تلوار اور چھری میں صرف قد کا فرق ہے ورنہ گلا کاٹنے میں دونوں کی دھار برق ہے۔

(مہ پارہ اور سعدان کا آنا)

خاقان: کون؟ مہ پارہ۔

مہ پارہ: جی سریر آرا۔

خاقان: آج کیا دل میں آئی جو اپنے ناخواندہ مہمان پر عنایت فرمائی۔

مہ پارہ: میں افسوس کرتی ہوں کہ ان طعنہ آمیز باتوں کا جواب دینے کے لیے نہ میرے پاس الفاظ ہیں اور نہ فرصت ہے۔ میرے آنے کی وجہ یہ ہے کہ مجھے چند وجھوں سے اس مکان کی سخت ضرورت ہے۔

خاقان: لہٰذا۔

مہ پارہ: اگر آپ فلک منزل یا شاہی محلوں میں سے اور کسی محل میں تشریف لے جاتے تو اس لونڈی پر نہایت عنایت فرماتے۔

خاقان: تو کیا میں اس گھر کو چھوڑ دوں۔

مہ پارہ: اب میں زیادہ کیا کہوں۔ اگر اتنی عنایت ہو تو مجھے سینکڑوں مصیبتوں سے فارغ البالی ہوجائے۔

خاقان: تو یہ صاف کیوں نہیں کہتی کہ میں قبر ہی میں چلا جاؤں تاکہ یہ مکان کیا یہ جہان ہی مجھ سے خالی ہوجائے اور تجھے ہمیشہ کے لیے فارغ البالی ہوجائے۔

مہ پارہ: میرا یہ منشا ہرگز نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ آپ کے مشیروں اور نوکروں نے برداشت سے زیادہ ستا رکھا ہے۔ مارپیٹ، شورغل، چیخ پکار۔ غرض ایک طوفان مچا رکھا ہے۔ کہیں گالی کہیں گلوج۔ کہیں رنگ کہیں موج۔ ایک ناچتا ہے ایک گاتا ہے۔ مکان کیا خاصا بھٹیار خانہ نظر آتا ہے۔

خاقان: یہ تم کیا کہتی ہو۔

مہ پارہ: میں سچ کہتی ہوں۔ نہ رعب نہ داب۔ نہ ادب نہ آداب۔ ایک سے ایک بڑھ کر لچے لفنگے۔ ایک سے ایک بڑھ کر شہدے۔ بس جناب بس۔ اب صبر نہیں ہوسکتا۔ انسان کو اتنا نہ گدگدائے کہ آخر وہ

رودے۔

خاقان: جھوٹ، غلط۔ یہ سب بہتان ہیں۔ میرے سارے ملازم ادب کے شیدا، تہذیب کے عاشق، شرافت کی جان ہیں۔

مہ پارہ: بس بس معلوم ہوا کہ آپ ہی اپنی شہ سے ان کی شرارت کی آگ پر تیل چھڑک کر انھیں بھڑکاتے ہیں۔ آپ چند غریب گداگروں کے لیے ایک معزز شہزادی کو جھٹلاتے ہیں۔

خاقان: غریب۔ غریب۔ کیا کسی غریب کا بلا قصور جگر چاک کر ڈالوں۔ پیس ڈالوں۔خاک کر ڈالوں۔ کیوں؟ کس لیے؟ کیا اس لیے کہ انھوں نے پہننے کے لیے یہ زری کا چیتھڑا نہیں پایا۔ اس لیے کہ امیروں کو خدا نے اور ان کو کسی اور نے بنایا۔ کیا غریب کے پاس وہی آنکھ کان ہاتھ پاؤں ہوش جوش نہیں ہیں جو امیر رکھتے ہیں۔ کیا غریبوں کو اس زمین پر چلنے کا حکم نہیں دیا جس پر امیر چل سکتے ہیں۔ کیا یہ آفتاب امیروں کے محل کے سوا غریبوں کے جھونپڑے پر اپنی روشنی نہیں ڈالتا۔ کیا یہ آسمان امیروں کو اپنے سائے میں بٹھاتا اور غریبوں کو دھکے دے کر نکالتا ہے۔ او غریبوں پر ہنسنے والی مغرور ہستی۔ کیوں چند روزہ دولت پر اتراتی ہے۔ جا ایک امیر اور ایک غریب دونوں کی قبر کھود کر دیکھ۔ پھر معلوم ہو جائے گا کہ مرنے کے بعد کس کی کیا حالت ہو جاتی ہے۔

مہ پارہ: مجھے اس سے بحث نہیں کہ مردوں کی دنیا میں مفلسوں کا درجہ امیروں سے گھٹایا جائے یا بڑھایا جاے۔ مگر اس زندوں کی دنیا میں تو میرا یہی خیال ہے کہ غریب سر چڑھانے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ ان کے سر کے چمڑے سے امیروں کی جوتیوں کا تلا بنایا جائے۔

خاقان: کیا یہ عورت ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ میرا خون ہے۔

مہ پارہ: بس بس۔ یہ سب جنون ہے۔ اگر کل تک یہ تمام نجس کتے اس گھر

سے نہ نکل جائیں گے تو یاد رکھیے کہ یہ عجز و ادب زبردستی اور سختی سے بدل جائیں گے۔

خاقان: زبردستی۔ استغفراللہ۔ ہمارے گھوڑے لاؤ۔ کل خادمانِ درگاہ کو بلاؤ۔ جا اے ناشدنی دور ہو۔ میں نے تجھے عاق کیا۔ تو میرا خون نہیں بلکہ وہ زنگ ہے جو لوہے کے دل میں بیٹھ کر اس کے جگر کو چاٹتا ہے۔ تو میری اولاد نہیں بلکہ وہ سانپ ہے جو پہلے اپنے پالنے والے کو کاٹتا ہے۔ کیا نمک حلالوں کو زہر کھلادوں۔ غریبوں کو سزا دوں۔ کیوں۔ کس لیے۔ کیا ان زر و جواہر کے لیے جو بھوک کے وقت کھاکر تیرا پیٹ بھی نہیں بھر سکتے۔ کیا ان زری کے چیتھڑوں کے لیے جو مرنے کے بعد تیرے کفن کے کام بھی نہیں آسکتے۔

ارسلان: حضور والا۔

خاقان: ہائے زارا۔ زارا۔ ارسلان۔ محض ذرا سے قصور پر، صرف اتنے ہی قصور پر کہ وہ سچ کیوں بولی۔ مجھ کم بخت نے راست باز زارا کا حق چھین کر اس ناخلف اور جھوٹ کی پتلی پر قربان کرڈالا۔ او باری تعالیٰ اگر تیرا یہی ارادہ ہے کہ یہ کم بخت پھولے اور پھلے تو اپنے بندوں پر رحم کر اور اس مغرور فرعونہ کو قارون کی طرح اسی مکان میں گاڑدے۔ اس کی نسل کو برباد کر۔ اس کے ستم کو اجاڑ دے۔ اگر اولاد بھی ہو تو ان خوفناک درندوں کی طرح جو اپنے پنجوں سے اپنے ماں باپ کو مار کر کھا جاتے ہیں۔ اسی طرح اس کو ستائے۔ اس کو جلائے۔ یہ اپنی بے رحم آنکھوں سے خون کا دریا بہائے۔ تاکہ اس کے پتھر دل کو معلوم ہو جائے کہ بد اولاد سانپ سے بھی زیادہ بد ہوتی ہے۔

مہ پارہ: استغفراللہ۔ اگر میں ان بددعاوں سے ڈرتی تو شاہوں کی سرداری چھوڑکر ان غریبوں میں سے کسی ایک کے پاؤں دھویا کرتی۔

خاقان: اری او مغرور ہستی۔ تو خدا کی بستی میں بستی ہے۔ اور اس کی قدرت

اور قہر پر ہنستی ہے۔ لرز لرز اس ہاتھ سے جس نے ضحاک اور شداد کا بھیجا اپنی چٹکیوں میں مسل ڈالا۔ ڈر ڈر۔ اس بے آواز لاٹھی سے جس نے غرور کا سر کچل ڈالا۔ لعنت ہو تجھ پر اور تیرے گھر پر۔ میں شہروں سے پناہ چاہوں گا۔ میں ریچھوں کے آگے گڑگڑاؤں گا مگر او درندوں سے زیادہ سخت دل رکھنے والی حسین کافرہ تیرے اس خاکی جہنم میں کبھی نہ آؤں گا۔

(خاقان کا غصے میں چلے جانا)

باب پہلا ـــــــــ سین چوتھا

ملزم کا مکان

گل دم: (گانا)

بال جال گالوں پہ لالی
ناگن لٹ کالی۔ یہ انکھیاں متوالی
نازک نازک کمر لچکے جیسے پھولن کی ڈالی
جوبن والی۔ چھب نرالی۔ موری عمر بالی
ایک تو چکنا پیپل کا پتہ دوجے چکنا گھی
تیجے چکنا مورا جو بنا یاروں کا للچے جی
بال جال گالوں پہ.....

(خودکلامی) یا اللہ کیا کروں۔ کدھر جاؤں۔ کہاں چھپوں۔ کوئی چھیڑتا ہے۔ کوئی چڑھاتا ہے۔ جس سے کھنچو وہی موا آوازیں کستا ہے۔ شان تیری کہاں۔ میں کہاں۔ وہ موا لنگڑا رام جی حلوائی اور موا کبڑا چندن نانبائی۔ وہ قمرالدین عمرالدین کا سالا اور وہ موا گنجا رام کشن پاپڑ بیچنے والا۔ ان کم بختوں نے بھی جال ڈالا۔ ایک کہتا ہے کہ گوری یہ بتاؤ۔ دوسرا کہتا ہے کہ ظالم ذرا ادھر تو آؤ۔ اور تیسرا تو دیکھتے ہی اونٹ کی طرح بلبلاتا ہے۔ اور چوتھا تو ایک ٹھنڈی سانس لے کر بالکل ٹھنڈا ہی ہوجاتا ہے۔ انھیں کم بختوں کے لیے تو میں نے اپنا بناو سنگار چھوڑدیا ہے۔ ورنہ جب کبھی ان گلاب کی پنکھڑیوں پر مسی کی دھڑی اور ان

نرگسی آنکھوں میں کاجل کا ڈورا کھینچ کر آئینہ اٹھاتی تھی تو اس بھری جوانی کی قسم خود کلیجہ تھام بیٹھ جاتی تھی۔

گل خیرو: آچھیں۔

گل دم: اوئی اللہ۔

گل خیرو: کیوں پیاری خیر سلاّ۔

گل دم: واہ آج تو خوب ہوا کھائی۔ کچھ ٹھکانا ہے۔ صبح کا گیا شام کو شکل دکھائی۔

گل خیرو: کیا کہوں پیاری۔ اس بد ذات بغلول کے کاموں سے فرصت نہیں ملتی۔ ورنہ میں اور تمام دن غتربود رہتا۔ اجی اللہ اللہ کرو۔ گل خیرو تو بھوت کی طرح ہر وقت تمھارے سر پر موجود رہتا۔

گل دم: میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ موا بغلول اتنی حکومت کیوں چلاتا ہے جیسے ہم نوکر ویسے یہ، پھر کس برتے پر اتراتا ہے۔

گل خیرو: تیری آنکھوں کی قسم۔ مجھے تو اس کی صورت دیکھ کر خون اتر آتا ہے۔

گل دم: صورت۔ ارے میں اس موئے کو پاؤں تو کچا ہی کھا جاؤں۔

گل خیرو: چل ہٹ۔ پھیکا گوشت کس کام کا۔ میں تو مسالا لگا کر کھاوں مسالا۔ کیوں ہنس دی نا۔ ہاے ہاے، عورت ہے یا ریشم کا گدیلا۔

گل دم: اجی ہٹو کہیں میرا گال نہ ہو جائے میلا۔

گل خیرو: ہاے ہاے تیرے نخرے میں گرم مصالحہ۔

(گانا)

گورے گورے گالوں پہ پیاری۔ میں واری
غضب کی ہیں لالیاں
کانوں میں بالیاں
جوبن والیاں

گل دم: (گاتا) جاؤ جی جاؤ۔ نہ دو گالیاں
گورے گورے گالوں.....
گل خیرو: (گاتا) بات نرالی۔ گھات نرالی
چال چلت متوالیاں

(بقلول کا آنا)

بقلول: اچھا بے اچھا۔
گل دم: (گاتا) بھویں کٹاریاں۔
بقلول: الّو کا بچہ۔
گل دم: (گاتا) پیارے پہ واریاں۔
بقلول: کھاوں گا کچا۔
گل دم: (گاتا) نین مدھ کی پیالیاں۔
گل خیرو: (گاتا) گورے گورے گالوں پہ.....
بقلول: ایں یہ لچھن۔ یہ بے حیائی۔ یہ کیسی کارروائی۔ ایں۔ ایں۔
گل خیرو: کم بختی۔
بقلول: تباہی۔
گل خیرو: حضور پہلے میری سنیے۔
گل دم: نہیں جناب پہلے میری سنیے۔
بقلول: دونوں نہیں۔ ایک ایک کہو ایک ایک۔ دونوں کی سنوں گا اور دونوں کو سزا دوں گا۔
گل دم: اچھا جناب تو میری سنیے۔
گل خیرو: نہیں جناب پیشتر بندے کی سنیے۔
بقلول: پھر وہی حرکت۔ چل ہٹ۔
گل دم: اچھا جناب تو پہلے میں کہتی ہوں۔

گل خیرو: نہیں جناب پہلے میں کہتا ہوں۔
بغلول: کیوں بے نہیں مانتا رزالا۔ اچھا پہلے تو ہی بول شیطان کی خالہ۔
گل خیرو: مگر حضور پہلے شیطان کے باپ سے تو پوچھیے۔
گل دم: حضور حقیقت حال یہ ہے کہ۔
گل خیرو: جناب واقعی احوال یہ ہے کہ۔
بغلول: نہیں مانتا ہے رزالا۔
گل خیرو: اچھا تو تم ہی بولو میری خالہ۔
گل دم: حضور پورا حال تو خدا ہی جانتا ہے۔
گل خیرو: اور جناب کچھ حال آپ بھی جانتے ہیں۔
بغلول: چل ہٹ۔
گل دم: جناب میں سچ کہتی ہوں۔
گل خیرو: اور جناب میں کب جھوٹ کہتا ہوں۔
بغلول: بدمعاش۔ پاجی۔ لچے۔ خبیث۔ بس میں کسی کی نہیں سنتا۔ تم دونوں سزادار ہو۔ دونوں خطاوار ہو۔ بس ایک دن کی مہلت دیتا ہوں۔ آج ہی اپنا بوریا بدھنا اٹھاؤ۔ اور آفتاب نکلنے سے پہلے اس مکان سے نکل جاؤ۔
گل دم: حضور۔
بغلول: بس تو چپ ہی رہنا۔
گل دم: (سائڈ میں) اچھا موئے جائے گا کہاں۔ میں بھی اپنا بدلہ نہ لوں تو مجھے گل دم نہ کہنا۔

(گل دم اور گل خیرو کا جانا)

بغلول: لاحول ولا قوت۔ ایسے بے ہودہ مرد اور عورت جو آج تک کبھی دیکھنے میں نہیں آئے۔ شکر ہے خدا کا کہ کہیں جلیل نے نہیں دیکھ پایا۔

غریب کا بچہ جو ابھی یہ نہیں جانتا کہ لغت میں ایک لفظ عشق بھی ہے۔ اگر وہ ان لیلیٰ مجنوں کی جوڑی کو زلیخا پڑھتے دیکھ پاتا تو میرا پڑھایا لکھایا سب چوپٹ ہوجاتا۔لو وہ بھی سامنے سے آتا ہے۔

جلیل: بڑا غضب ہوا۔ باغ میں ابا جان آئے۔ اب کیا کروں۔ کس سے مدد چاہوں۔

بغلول: اررر۔ اسے کیا ہوا۔ جلیل جلیل۔

جلیل: اوہو۔ جناب آپ یہاں ہیں۔ میرے استاد۔ میرے محافظ۔ میرے اتالیق میری مدد فرمایئے۔ مجھے موت اور ندامت سے بچایئے۔

بغلول: ارے یہ معاملہ کیا ہے۔ کچھ منھ سے تو بول۔

جلیل: آپ خفا ہوں گے۔ آپ بگڑیں گے۔ آپ فوراً ابا جان سے کہہ دیں گے۔

بغلول: نہیں نہیں۔ یہ کچھ نہ ہوگا۔

جلیل: تو کیا آپ اقرار کرتے ہیں۔

بغلول: ارے ہاں۔ ہاں۔ ہزار بار کرتے ہیں۔

جلیل: تو جناب سنیے۔ میں ایک عورت کے عشق.....

بغلول: ایں عشق۔ ابے عشق۔ گل دم عشق۔ گل خیرو عشق۔ تو عشق۔ سب کو عشق کا طاعون ہوگیا۔ گھر کا گھر ہی مجنون ہوگیا۔

جلیل: اور جناب وہ مدد کا اقرار۔

بغلول: مدد۔ کیسی مدد۔ شریر۔ لچے۔ پاجی۔ خبیث۔ اگر تو شریعت کے مطابق کسی عورت کی محبت میں گرفتار ہوتا تو میں تیری مدد کرنے کو تیار ہوتا۔

جلیل: تو کیا آپ ابا جان کو سمجھاتے۔ میرے نکاح کی کوشش فرماتے۔

بغلول: بے شک۔

جلیل: تو جناب خوش ہوجیے کہ ہوچکا۔

بغلول: کیا ہوچکا۔

جلیل: نکاح۔

بہلول: تو کیا نکاح بھی ہوچکا۔
جلیل: جی ہاں۔ اور بیوی بھی موجود ہے.....لیلیٰ۔ لیلیٰ۔
بہلول: یہ کسے بلاتا ہے۔ یا اللہ۔

(لیلیٰ کا آنا)

جلیل: لیجیے جناب اب اسے اپنے کمرے میں چھپایئے۔
بہلول: ابے میں اور اپنے کمرے میں چھپاؤں۔ ارے او جلیل تو میری اس لال ڈاڑھی کو داغ لگائے گا۔
جلیل: جناب جلدی کیجیے ورنہ کوئی آجائے گا۔
لیلیٰ: ہاں جناب رحم کیجیے۔
بہلول: بیگم۔ لونڈا تو بے وقوف ہے۔
لیلیٰ: نہیں جناب۔ ہم دونوں کی زندگی آپ کے رحم پر موقوف ہے۔

(طرم کا اندر سے آواز دینا)

طرم: جلیل۔ جلیل۔ کہاں گیا۔
جلیل: وہ دیکھیے والد صاحب آواز دے رہے ہیں۔ جاؤ جاؤ پیاری تم اندر جاؤ۔
بہلول: اے ٹھہر ٹھہر یہ کیا کرتا ہے۔ یا اللہ اس لال ڈاڑھی کی عزت تیرے ہی ہاتھ ہے۔
لیلیٰ: تو کیا جناب میں اندر سے دروازہ بند کرلوں۔
بہلول: ارے خدا کے لیے آہستہ بول۔ کوئی نوکر یا وہ بدذات کی بچی گل دم سن پائے گی تو اور ہی قیامت ڈھائے گی۔ لو اب میں جاتا ہوں۔ جب میں آکر تین بار دستک دوں تو دروازہ کھولنا۔ بیگم بیگم سمجھ گئی نا۔

(گل دم کا آنا)

گل دم: جی ہاں اچھی طرح سمجھ گئی۔

بلول: یا اللہ یہ ناسزائی کہاں سے آئی۔

گل دم: بندگی جناب بندگی۔ ڈاڑھی میں منھ نہ چھپایئے۔ ذرا آنکھ سے آنکھ ملایئے۔ یہ کون سی بیگم آئی ہے۔ ذرا مجھے بھی تو دکھایئے۔

بلول: بیگم کون بیگم۔ کہیں تو بھنگ تو نہیں پی آئی۔

گل دم: میاں بگلا بھگت۔ تم نے اڑائی ہے تو میں نے بھون بھون کر کھائی ہے۔ مجھ سے بھی چھپاتے ہو۔ جو مٹی سونگھ کر گنہ گار کی قبر بتاتی ہے۔ اس کو دھوکا دیا چاہتے ہو۔ دائی سے پیٹ چھپاتے ہو۔

بلول: یا اللہ۔ اب کیا کروں۔ کیا سچ سچ کہہ دوں۔ گل دم دیکھو۔

گل دم: دیکھوں۔ کیا دیکھوں۔ فرشتوں کا جامہ۔ اور شیطانی اعمال نامہ۔ دوسروں کو دھمکاؤ اور خود بیواؤں کو کمرے میں بلاؤ۔

بلول: اچھا اچھا شور نہ مچاو۔

گل دم: شور۔ ارے میں تو سارے محلے میں دہائی مچاؤں گی۔ آج تو اپنا بدلہ لے کر جاؤں گی۔ (پکارتی ہے) سرکار.....

بلول: سنو میری سنو۔

گل دم: نہیں میں کچھ نہیں سنتی۔ سرکار.....

بلول: دیکھو میری طرف دیکھو۔

گل دم: نوکری سے چھڑایا ہے بیٹا۔ (ذرا زور سے پکارتی ہے) اجی بڑی سرکار۔

بلول: گل دم میں پاؤں پڑتا ہوں۔ چل میں تجھے دوسری جگہ نوکری دلاتا ہوں۔

گل دم: نوکری۔ لعنت ہے نوکری پر۔ آج تو میں اپنا بدلہ لے کر جاؤں گی۔ حضور۔ سرکار۔ بڑی سرکار۔ ارے کوئی آؤ۔ دوڑو۔

(طرم کا آنا)

طرم: کیوں کیا ہے۔ کیوں شور کر رہی ہے..... (بغلول سے) اوہو جناب۔ آپ کچھ تناول نہ کیجیے گا۔ کھانا تو سرد ہوگیا۔ اور مچھلی تو بالکل ہی ٹھنڈی ہوگئی۔

گل دم: جناب اب انھیں آپ کی مچھلی کی پرواہ نہیں۔ یہ تو اپنے کمرے میں ''پاپ لیٹ'' تل کر کھایا کرتے ہیں۔ پاپ لیٹ۔

طرم: پاپ لیٹ۔

گل دم: جی ہاں۔

بغلول: (آہستہ سے) میری اچھی گل دم۔

طرم: اری یہ تو کیا بک رہی ہے۔ کچھ سودائی ہے۔

گل دم: جناب میں بک نہیں رہی ہوں۔ سچ کہہ رہی ہوں۔ جناب نے۔ حضور کے گھر کو اندر کا اکھاڑا بنانے کے لیے ایک پری بلائی ہے۔ پری۔

طرم: پری۔ یعنی عورت۔ کچھ شامت تو نہیں آئی بدذات۔

گل دم: حضور اس کمرے میں دیکھیے کون بیٹھی ہے۔

طرم: کیوں جناب کیا یہ سچ ہے۔

بغلول: سچ۔ سچ تو اس کے باپ نے کبھی نہیں بولا۔ تو یہ کیسے بولے گی۔

گل دم: جناب دروازہ تو کھلوایئے۔ پھر آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

بغلول: کیوں جناب آپ کو شک ہے۔

طرم: اجی توبہ کرو۔

بغلول: (ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر) تو ہے تو کیا غم ہے۔ تو ہے تو کیا غم ہے۔ تو ہے تو کیا غم ہے۔

گل دم: جناب اس سے پوچھیے کہ یہ ابھی باتیں کس سے کر رہے تھے۔

بغلول: گل خیرو سے اور کس سے۔ لاحول ولا قوت۔ یہ منہ سے کیا نکل گیا۔

گل دم: (پکارتی ہے) گل خیرو ارے او گل خیرو۔

بغلول: بلا بلا۔

(گل خیرو کا آنا)

گل خیرو: کیا ہے۔ کیا تو نے بلایا ہے۔
طرم: ہیں یہ تو اس طرف سے آتا ہے۔
بغلول: لٹیا ڈوب گئی۔ مٹ گئے۔ جہنم رسید ہوگئے۔
طرم: اب بولیے جناب۔
بغلول: شاید یہ کسی دوسرے راستے سے آیا ہو۔
گل دم: دوسرا تو کوئی راستہ ہے نہیں۔
بغلول: نکل یہاں سے خانہ خراب۔
طرم: بس تم چپ رہو۔ اب میں خود تحقیق کرتا ہوں۔ خیرو مار لات اور کھول دے دروازہ۔

(دروازہ کھلنے پر جلیل اندر بیٹھا دکھائی دیتا ہے)

بغلول: اررر۔ یہ اندر کیسے پہنچا۔
گل دم: ارے کیا یہ موا۔ چھوٹے سرکار کو بیگم کہہ کر پکار رہا تھا۔
جلیل: معاف کیجیے ابا جان۔ میں ایک قلمی کتاب جس کو آپ سب سے چھپانا چاہتے تھے اس کی نقل اتار رہا تھا۔
طرم: بس صرف اتنی سی بات۔ کیوں ری۔ تو تو کچھ اور کہتی تھی بدذات۔
گل دم: سرکار۔
طرم: چپ مردار چلی جا۔ ورنہ مارے کیچیوں کے پیٹھ کی کھال ادھیڑ دوں گا۔
گل دم: اچھا سنیے۔ خوشی سرکار کی۔
طرم: چلی جا۔ ورنہ ابھی جان سے ماردوں گا۔

بغلول: جا۔ جا۔ جا۔ جا۔ جا۔ جا۔ جا۔

گل دم: اچھا موئے جائے گا کہاں۔ سو دن سنار کا ایک دن لُہار کا۔

بغلول: دیکھیے حضور۔ پھر بڑبڑاتی ہوئی جارہی ہے۔

طرم: اجی گولی مار کتیا کو۔

بغلول: ہے یو ڈیم پھوس بکری۔

طرم: معاف کیجیے۔ آپ کی بڑی توہین ہوئی۔ آیئے کچھ کھانا تو کھایئے۔

بغلول: آپ نوش فرمایئے۔ مجھے اس وقت اشتہا نہیں۔

طرم: اچھا تو میں گل خیرو کے ہاتھ تھوڑی سی چائے بھجواتا ہوں۔ (طرم کا جانا)

بغلول: یا اللہ۔ کیا تھا۔ کیا ہوا۔ اور اب کیا ہوگا۔

جلیل: جو خدا کو منظور ہوگا۔

بغلول: بدذات۔ یہ سب تیرا ہی فتور ہے۔

جلیل: ہاں جناب۔ ضرور ہے۔

بغلول: جلیل دیکھ۔ اب تو مسکین بلی مت بن۔ ابے اے زمین کی طرف کیا دیکھتا ہے میری طرف دیکھ۔ یہ ملامت کی ٹوکری جو میرے کمرے میں رکھی ہے کہیں اور لے جا۔

جلیل: کہاں؟

بغلول: چولھے میں۔ جہنم میں۔ بھاڑ میں۔

جلیل: مگر کوئی ٹھکانہ۔

بغلول: ڈھونڈھو۔ ہاں وہ باغ والا دیوان خانہ۔

جلیل: ہاں۔ ٹھیک ہے۔ آپ نے خوب یاد دلایا۔

بغلول: ٹھیک ہے نا۔ اچھا تم چلو اور میں تمھاری حماقت کو لے کر آتا ہوں۔

جلیل: مگر جناب۔

بغلول: جاتا نہیں ہے خانہ خراب۔ بیگم۔ بیگم۔

لیلیٰ: کہیے خیریت تو ہے جناب عالی۔

بغلول: ارے آہستہ بول۔ وقت بہت نازک ہے۔ قدم اٹھاؤ اور چپکے چپکے میرے پیچھے چلی آؤ۔

لیلیٰ: کیا کسی اور جگہ چھپایئے گا۔

بغلول: اری بھینس کی طرح تو نہ چلا۔

لیلیٰ: مگر جناب۔ کتب خانے میں میرا نظیر.....

بغلول: ہیں نظیر۔ کون نظیر۔

لیلیٰ: میرا شیر خوار بچہ۔

بغلول: یا اللہ۔ پہلے عشق۔ پھر نکاح۔ پھر بچہ۔ یہ تو اے بی سے وائی زیڈ تک تمام ڈگریاں پاس ہے۔ یا شیخ بغلول اب تو اور ابھی معاملہ ستیا ناس ہے۔

لیلیٰ: پھر جناب کیا ارشاد ہے۔ ٹھہریے بندی جاکر لے آتی ہے۔

بغلول: ارے تو کہاں جاتی ہے میری ماں۔ ارے تو یہ نظیر کی اماں۔

لیلیٰ: تو پھر؟

بغلول: اچھا باوا تم اندر جاؤ۔ یہ حماقت کی گٹھری بھی میں ہی سر پر اٹھا کے لاتا ہوں۔

(گل دم اور گل خیرو کا لیلیٰ کو دیکھ لینا)

گل دم: وہی وہی۔ بہت ترسے کی۔ آخر دیکھ پایا۔ اب بکرا چھری تلے آیا۔ خیرو۔ ارے او موے گل خیرو۔

گل خیرو: کیا ہے۔ کیا ہے۔ کیا پھر کوئی نئی جھک آئی ہے۔

گل دم: ارے موے۔ اس کھوسٹ نے ایک اور بلا لائی ہے۔ جاجا سرکار کو بلالا۔

گل خیرو: اری کیوں جوتیاں کھلوائے گی۔ خود تو جھوٹی بن چکی ہے۔

گل دم: کم بخت کو دو گھڑی کی موت۔ خدا اس کا جنازہ نکالے۔ موئی کو بیوہ

کر ڈالے۔

گل خیرو: اری تو مجھے کیوں کوس رہی ہے۔

گل دم: ارے جاجا۔ سرکار کو بلالا۔ میں آج اپنا بدلہ لینے پر اڑی ہوں۔

گل خیرو: ارے پر وہ ہے کہاں۔

گل دم: یہاں۔ یہاں۔

گل خیرو: ارے وہ پھر نہ نکل جائے کہیں۔

گل دم: نکل کیسے جائے۔ میں جو دروازہ روکے کھڑی ہوں۔

جلیل: شکر ہے کہ اچھی جگہ پائی۔ اری تو یہاں کیوں آئی۔

گل دم: جناب میں آپ کے استاد جی کی استانی کو جھک کر سلام کرنے آئی ہوں۔

جلیل: استانی۔

گل دم: جی ہاں۔ کمرے میں تو دیکھیے۔ کون بیٹھی ہے غیبانی۔

جلیل: اری چپ شیطان کی نانی۔

گل دم: حضور میں کیسے چپ رہوں۔ میں نے تو سرکار کو بلوایا ہے۔

جلیل: اف یہ تو غضب ہوا۔ اری کم بخت اس میں تو میں نے اپنی بیوی کو چھپایا ہے۔

گل دم: اوئی بیوی اور آپ کی۔

جلیل: ہاں۔

گل دم: اچھا تو آپ نہ گھبرایئے۔ میں کوئی تدبیر کرتی ہوں۔

(گل خیرو طرم کو لے کر آتا ہے)

گل خیرو: جی ہاں۔ وہ کمرے میں ہی ہے۔ آپ دروازہ کھلوایئے۔

طرم: دیکھو کہیں جھوٹ نہ ہو۔

گل خیرو: جھوٹ۔ کیا مجال۔ جب گل دم نے قسم کھا کر کہا تو میں آپ کو بلانے

گیا۔ (گل دم سے) لو میں سرکار کو بلا لایا۔

گل دم: کیوں۔ کس لیے۔

گل خیرو: اری تو نے جو کہا تھا۔

گل دم: کیا۔ کس وقت۔ کس سے۔ حضور اس موے کی نبض دیکھیے۔ کہیں اس کا دماغ تو نہیں سڑ گیا۔

گل خیرو: اری تو نے جو مجھے ابھی بھیجا تھا۔

گل دم: کہاں۔ پاگل خانے۔

گل خیرو: اری نہیں۔ سرکار کو بلانے۔

گل دم: دیکھو موا خواہ مخواہ مجھے بھی اپنے ساتھ لپیٹتا ہے۔

گل خیرو: اری کیوں جوتیوں سمیت آنکھوں میں گھسی جاتی ہو۔ عورت ہے یا مداری۔ آپ ہی بلایا آپ ہی انکاری۔

گل دم: ارے دیکھ خدا کے غضب سے ڈر۔ کیوں کسی غریب کا صبر سمیٹتا ہے۔

گل خیرو: اری تو کیا یہاں کوئی عورت نہیں۔

گل دم: عورت کون عورت۔ تیری خالہ یا ممانی۔

گل خیرو: اری او شیطان کی نانی.....

طرم: چپ یہ کیا جھگڑا نکالا ہے۔ گھر میں۔ نہیں۔ اس عورت کے بشرے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔ ٹھہرو میں خود دروازہ کھلواتا ہوں۔ دروازہ کھولو۔

لیلیٰ: کون میرے شفیق۔ میرے محسن۔

طرم: ہیں۔ یہ تو سب سچ نکلا۔ کہاں گیا وہ پاجی فیلسوف بغلول۔ نکالو۔ نکالو۔ ابھی اس بدذات کو میرے گھر سے نکالو۔

گل خیرو: ارے کہاں مرگیا۔

(بغلول کا گود میں بچہ لیے ہوے آنا)

بغلول: لو بیگم آؤ اور اپنے بچے کو کھلاؤ۔

طرم: کیوں او میاں معلم الملکوت۔ یہ جامہ۔ یہ عمامہ۔ یہ ڈاڑھی اور یہ کرتوت۔

گل خیرو: دھوت۔

گل دم: دھوت۔

طرم: اور یہ بغل میں کیا چھپایا ہے۔ ذرا ہمیں بھی دکھاؤ۔

بغلول: کچھ نہیں۔ یہ تو ایک ناٹک کی کتاب ہے۔

طرم: یا اللہ تین فٹ کا بچہ۔ کیوں حضرت یہ کون سے ناٹک کی کتاب ہے۔

بغلول: شیریں فرہاد عرف اندر سبھا عرف لیلیٰ مجنوں عرف ہیر رانجھا عرف سسّی پنّوں۔

جلیل: میں بتاؤں ابا جان۔

طرم: ارے تجھ سے کون پوچھتا ہے شیطان۔

بغلول: اسی سے تو پوچھنا چاہیے مہربان۔

طرم: اس سے۔ اس سے کیوں؟

جلیل: جناب میں کہتا ہوں۔

طرم: ارے تو چپ کا بیٹھ۔

جلیل: نہیں جناب مجھے بولنے دیجیے۔ جسے آپ آپ کی بیوی سمجھتے ہیں وہ آپ کی بہو ہے۔

طرم: بہو۔ یعنی تم نے شادی کی۔ کب۔ کس وقت۔ اور کس کے حکم سے۔

بغلول: اجی اس جھگڑے کو گولی لگاؤ۔ لو ذرا اپنے پوتے کو کھلاؤ۔ مثل ہے بویا نہ جوتا اور اللہ میاں نے بخشا پوتا۔

طرم: عجیب قصہ ہے۔

بغلول: آؤ بٹیا۔ ایک مرتبہ اپنے باوا کے سامنے ہاتھ ملاؤ۔ ارے اے تم کیا کرتے ہو۔ مبارک باد گاؤ۔

(سب کا گانا)

سورج چندر کا ہے جوڑا
گل و بلبل نے رشتہ جوڑا
لاؤ لٹاؤ زر کا توڑا
دل سب کا ہے خوش ہوتا۔ ہاتھ آیا اچھا طوطا
بویا کبھی نہ جوتا۔ اللہ نے بخشا پوتا
لاؤ لٹاؤ زر کا توڑا
سورج چندر کا.....

باب پہلا ——— سین پانچواں

دل آرا کا باغ

(ارسلان کا افسوس ناک حال میں آنا)

ارسلان: (خود کلامی) ہم اور ہمارے جینے کی حقیقت۔ یعنی جسم اور روح کے تعلق کی کیفیت گو ظاہر میں ایک بھید ہے۔ مگر حقیقت نگر آنکھ سے دیکھو تو فوراً چلا اٹھوگے کہ جسم سانس کی تیلیوں سے بنا ہوا پنجرا اور روح ایک پر بندھی چڑیا ہے جو اس میں قید ہے۔ جس کے نغموں کی ہر صدا درد کے پردے میں ہم پر یہ آواز کستی ہے کہ اے حرص و ہوس کی بستی میں رہنے والی ہستی کیوں چند روزہ چہرہ دستی پر غفلت پرستی ہے۔ ہر کمال کو زوال، ہر بلندی کا نتیجہ پستی ہے۔ نخوت ذلت کے گڑھے میں اتارے گی۔ موت مارے گی۔ عبرت قبر کے ڈھیر پر کھڑی ہوکر پکارے گی۔ ؎

نہ تن میں تاب، نہ بازو میں بل، نہ سر میں شور
بدن کی فکر میں کیڑے، کفن کی تاک میں چور
پڑا ہے کس لیے خاموش اے نوالۂ گور
کہاں ہے آج ترا زر کدھر گیا ترا زور
لحد ہے، تو ہے اور ایک بے کسی سی چھائی ہے
جواب دے کہ فنا پوچھنے کو آئی ہے۔

وہ زندگی جس کے انجام کا یوں ظہور ہوتا ہے۔ وہ مٹی کا کھلونا جو

موت کی ایک ٹھوکر سے چور ہوتا ہے۔ اس پر یہ طور، یہ قرینہ کہ اپنوں سے بیر۔ عزیزوں پر ظلم، محسنوں سے کینہ۔ غضب خدا کا۔ ظالم بہن کی تحریر کی یہ عزت افزائی کہ ہونٹوں سے چومی آنکھوں سے لگائی۔ اور مظلوم باپ جس نے گودیوں میں کھلا کھلا کر پالا اس کے خط کا یہ ادب کہ دیوانوں کا خبط کہہ کر چاک کر ڈالا۔

الماس: سلام بھائی۔ تم ملازم شاہی ہو۔

ارسلان: نہیں۔

الماس: تو کیا غیر ملک کے سپاہی ہو۔

ارسلان: نہیں۔

الماس: اجی ذرا زبان تو کھولو۔

ارسلان: میں کوئی ہوں تم اپنا مطلب بولو۔

الماس: میرا مطلب یہ ہے کہ شاہی اصطبل کو کون سا رستہ جاتا ہے۔

ارسلان: وہ رستہ جو سیدھا جہنم کو پہنچاتا ہے۔

الماس: جہنم۔

ارسلان: ہاں ہاں جہنم۔ بے ایمان، شیطان اور کہاں تجھے جاتا ہے۔

الماس: ابے زبان سنبھال کر بات کر، کچھ دیوانہ ہے۔ بدشیم جانتا ہے کون ہیں ہم۔

ارسلان: کم ظرف، پاجی، کمینہ، شہدا، بزدل کا مرکب، شیطان کا نظیر، دو جوڑے کپڑا اور شریر، سفید بدمعاش، مغرور فقیر، غریب حرام زادہ۔ اگر تیری یاوہ گوئی ان میں سے کوئی ایک بات بھی جھٹلائے گی تو اتنے گھونسے ماروں گا کہ گواہی دینے کو تالو سے زبان باہر نکل آئے گی۔

الماس: یہ کیا دل میں سمجھتا ہے۔ ابے تو کیسا پاجی ہے بے سبب دوسرے سے الجھتا ہے۔

ارسلان: سبب۔ تلوار نکال پاجی میں سب سمجھاتا ہوں۔ اگر آج ایک بوٹی بھی بچ جائے تو ہاتھ کٹاتا ہوں۔ تلوار نکال۔

الماس: اے دوڑو۔ دوڑو۔ مجھے مارے ڈالتا ہے۔

(دل آرا کا آنا)

دل آرا: کون ہے؟ کیا ہے؟ سب آؤ۔ الگ ہوجاؤ۔ ارے یہ تو بہن اور والد کے قاصد ہیں۔ تم دونوں کیوں لڑ پڑے۔

الماس: حضور اسی سے پوچھیے۔ میں بالکل بے دم ہوگیا ہوں۔

ارسلان: کیوں نہیں ۔ آپ نے بڑی بھاری بہادری دکھائی ہے۔ بزدل پاجی تو ایک عورت کی روح ہے جو مردوں کا اتارن پہن کر دنیا کو دھوکا دینے آئی ہے۔

الماس: دیکھیے حضور کس قدر بے لگام ہے۔

ارسلان: حضور اس سے پوچھیے کہ کیوں بے حرام زادے تجھ ایسے نالائق کا اس دنیا میں کیا کام ہے۔ واللہ آپ کی اجازت ہو تو میں مصالحہ کی طرح پیس کر دھر دوں۔ اسی کی ہڈیوں کا چونا بناکر اسی کی قبر پر قلعی کردوں۔ منھ کیا دیکھتا ہے طوطا چشم۔ مطلب پرست۔ دوسروں کا گھر جلاکر اپنا ہاتھ سینکتا ہے۔

الماس: اس کا کیا ثبوت ہے۔

ارسلان: چپ ورنہ ثابت کردوں گا کہ تیری کھوپڑی سے میرا گھونسہ زیادہ مضبوط ہے۔

دل آرا: ہائیں یہ گستاخی۔ ہمارے سامنے دلیری۔ مغرور گدھے ہم ابھی شیخی نکالتے ہیں۔

ارسلان: اے غصہ ور ملکہ آپ بڑا بھاری دھوکا کھاتی ہیں۔ تلوار کے فرزند کو لکڑی کے کاٹ سے ڈراتی ہیں۔ آپ مجھے شکنجے میں کیوں نہ کس دیں لیکن اگر اس دل میں مالک کی محبت بچی ہے تو یہی آواز آئے گی کہ دغابازی کی زندگی سے وفاداری کی موت ہزار درجہ اچھی ہے۔

(کئی لوگ آکر ارسلان کو مارتے ہیں)

الماس: پڑا رہ۔ اور مرجا۔ چھوڑدو اور چلے آؤ۔

ارسلان: اف رے خود نمائی۔ اللہ ری ستم آرائی۔ مجھ سے اور یہی سلوک واجب تھا۔ نہیں کبھی نہیں۔ میں باپ کا کتا ہوتا تو بھی یہ برتاؤ سخت نامناسب تھا۔ صبر کر اے راستی کے شہیدو۔ طوفان ذلت کے سیلاب۔ آفتوں کے ریلے۔ صرف موت تک کے ہیں جھمیلے۔ انقلاب کی کارگزاری ہے۔ فنا کا پہیہ جاری ہے۔ بچپن اور جوانی پس چکی اب بڑھاپے کی تیاری ہے۔

گذر گئی عمر کٹ گئے دن بچا تھا دم وہ بھی اب رواں ہے
زباں پہ شکوہ ہے آسماں کا تو لب پہ قسمت کی داستاں ہے
رہا ہے کوئی نفس جو باقی بجھی ہوئی آگ کا دھواں ہے

خاقان: تعجب کی بات ہے کہ میرے آنے کی خبر پائی اور پھر نہ کسی نوکر کو بھیجا نہ خود پیشوائی کرنے آئی۔

سعدان: واقعی یہ برتاؤ تو بالکل خلاف ادب ہے۔ پر کیا ارشاد اب ہے۔

خاقان: ارشاد کیا۔ ہماری صاحب زادی کو بلاکر لاؤ اور پوچھو کہ اس بے اعتنائی کا کیا سبب ہے۔ (ارسلان کو خراب حال میں آتا دیکھ کر) کون ارسلان۔ یہ تو کس حال میں نظر آتا ہے۔

ارسلان: جی غلام اپنی بے عزتی سے جی بہلاتا ہے۔

خاقان: یہ میں کیا سنتا ہوں۔

ارسلان: قسمت کا فسانہ۔

خاقان: یہ میں کیا دیکھتا ہوں۔

ارسلان: انقلاب زمانہ۔

(دل آرا کا اچانک آجانا)

خاقان: کون دل آرا۔ تم آئیں۔ بڑی مہربانی فرمائی۔

دل آرا: میں بہت خوش ہوں کہ آپ نے تشریف لاکر اس غریب خانے کی عزت بڑھائی۔

خاقان: خوش ہو۔ بے شک ہوگی۔ سوگند ہے کہ میرے آنے نے تمھیں خوشی کے عوض رنج دیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ خدا نے دنیا کو بالکل ہی بدل ڈالا۔ اور تمھاری ماں کی قبر میں میری بیوی نہیں وہ حرام کار عورت دفن ہے جس نے سانپ کے بچوں کو میری اولاد کہہ کر پالا۔

دل آرا: حضور۔ والدہ مرحومہ کی شان میں ایسے کلمے زبان پر نہ لایئے۔ آپ باجی کے پاس سے کیوں چلے آئے۔ یہ فرمایئے۔

خاقان: کیوں آیا ہوں۔ قسمت کا جلایا ہوں۔ نصیب کا ستایا ہوں۔ کبھی لوگ میرے پاس فریاد لاتے تھے آج میں تیرے پاس فریاد لایا ہوں۔ ؎

وہ باغ جس کے ہے پھولوں میں تو گل اعلیٰ
وہ بوستاں کہ ہے جس کے چمن کی تو والا
وہ شاخ جس نے تجھے گودیوں میں ہے پالا
وہ نخل جس نے چمن تجھ پہ صدقے کر ڈالا
یوں ان کو پھونک کے ظالم نے خاک اڑائی ہے
کہ اڑکے گھر ترے فریاد کرنے آئی ہے

دل آرا: آپ کا ہے اشارہ میری بہن کی طرف۔

خاقان: اُسی۔ اُسی۔ اُسی وجہ غم و محن کی طرف۔ ؎

جو بدشعار، ستم کیش، اہل کیں نکلی
پلی تھی گود میں اور مار آستیں نکلی

دل آرا: یہ آپ کی غلطی ہے۔ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ میری بہن جیسا کہ آپ کہتے ہیں ہر گز ویسی نہیں۔ ہاں یہ کہیے کہ اس نے آپ کے

نوکروں کی آپ ہی کے ذریعہ تعبیہ کرانی چاہی تھی اور کوئی بات نہیں۔

خاقان: میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں۔

دل آرا: غصے کا دوسرا نام جنون ہے۔ عقل کو کام لائیے۔ آپ کے لیے یہی بہتر ہے کہ بہن کے پاس واپس چلے جائیے۔

خاقان: تو کیا تم یہ مناسب سمجھتی ہو کہ میں اس قاتل کے سامنے ایک گنہگار کی طرح پیروں پر گردن، ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاؤں اور کہوں کہ بیٹی میں بوڑھا ہوں، لاچار ہوں معاف کردو۔ اور کچھ نہیں صرف سونے بیٹھنے کی جگہ اور ایک روٹی کے ٹکڑے کا خواستگار ہوں۔

دل آرا: جناب یہ باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ عقل کو کام میں لائیے۔ آپ بہن کے پاس چلے جائیے۔

خاقان: ہرگز نہیں۔ وہ سراپا ظلم، مجسم گناہ ہے۔ اس کا دل پتھر سے زیادہ سخت، موت سے زیادہ بے رحم اور قبر سے زیادہ سیاہ ہے۔ اس کے پاس جاؤں جو محسن کشی کا آلہ ہے۔ جس نے میرے کلیجے کو سانپ کی طرح ڈس لیا اور گدھ کی طرح نوچ نوچ کر کھا ڈالا ہے۔ ہوا، تو اس کے جوان اعضا پر فالج گرادے۔ تیز بجلی تو اس کی حقارت بھری آنکھوں کو اپنی چنگاری سے جھلسادے۔

دل آرا: جناب یہ آپ کیا فر ما رہے ہیں۔خدا بچائے میں دیکھتی ہوں کہ اگر کبھی آپ خفا ہو جائیں گے تو مجھ پر بھی یوں ہی لعنت کے تیر برسائیں گے۔

خاقان: نہیں دل آرا نہیں۔ میں اپنی زبان کاٹ ڈالوں گا مگر تجھ سی نیک لڑکی کے حق میں کبھی بدعا نا نکالوں گا۔ تو حق شناس ہے۔ نیک ہے۔ عالی ہے۔ اس کی آنکھیں خوف ناک اور تیری آنکھیں تسلی دینے والی ہیں۔ ؎

وہ راحت کی ہے یار اور تو غم و آفت کی ساتھی ہے
اسے رسم جفا اور تجھ کو طرز رحم آتی ہے

وہ آنکھیں پھوڑتی ہے اور تو آنکھیں بچھاتی ہے
وہ دل پر زخم دیتی اور تو مرہم لگاتی ہے
غضب آئے، ستم ٹوٹے، فلک سے آفتیں برسیں
خدا چاہے تو اس کی قبر پر بھی لعنتیں برسیں

دل آرا: بس کیجیے جناب۔ مجھے آپ کی یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ وہ دیکھیے باجی خود تشریف لاتی ہیں۔

(مہ پارہ کا آنا)

خاقان: او خدا یہ میں کیا دیکھتا ہوں۔ ارے دل آرا تجھے اس سفید ڈاڑھی کی بھی شرم نہیں آتی ہے۔ میرے سامنے اس ملعونہ سے ہاتھ ملاتی ہے۔

دل آرا: تو کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ بہن کو بہن کی محبت چھوڑ دینا چاہیے۔

خاقان: وہ دانت جو منھ میں رہ کر زبان کو کاٹے اسے سب سے پہلے توڑ دینا چاہیے۔

دل آرا: مجھے اس رائے سے انکار ہے۔

خاقان: تو ناتجربہ کار ہے سودائی۔ کیسی بہن اور کیسا بھائی۔ بے وقوف ہیں وہ لوگ جو اپنے یا غیر سے امید رکھتے ہیں۔ دنیا والے مثل آنکھ اور ابرو کے ہیں کہ پاس پاس رہ کر بھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے ہیں۔

دل آرا: حضور والا۔

خاقان: اسی کو دیکھو جسے میں نے جان کی طرح پالا۔ اپنی قسمت کی کنجیاں، اپنا زر و زور، دولت و قوت سب کچھ اٹھاکر دے ڈالا۔ وہی اب اس بات کو بھولی ہے۔ اتنا بھی نہیں جانتی کہ خاقان کون سا کتا تھا یا کس کھیت کی مولی ہے۔

مہ پارہ: یہ میرا قصور نہیں آپ کے غصے کا نتیجہ ہے۔

خاقان: بٹی۔ خدا کے واسطے تو مجھے پاگل نہ کر۔ میں جانتا ہوں کہ تیری محبت وبا کی دوستی سے زیادہ قابل نفور ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تو میرے جسم

کا پھوڑا، میرے دل کا ناسور ہے۔ پھر بھی میں تجھے بددعا نہیں دیتا۔ میں کوڑھ سے نہیں کہتا کہ تیرے جسم میں پھوٹے۔ میں بجلی سے مدد نہیں مانگتا کہ تیرے گھر پر ٹوٹے۔ جا اب یہ کم بخت زندگی یہیں اپنی زندگی گزارا کرے گی۔ پیاری بیٹی دل آرا کیا تو میرا اور میرے سو نوکروں کا بار گوارا کرے گی۔

دل آرا: اول تو آپ کو بہن کے پاس رہنے میں فضول انکار ہے۔ دوسرے جب میرے ہزاروں نوکر موجود ہیں تو پھر آپ کو سو نوکر رکھنے کی کیا درکار ہے۔

خاقان: خیر میں پچاس(۵۰) ہی پر صبر کروں گا۔

دل آرا: یہ بھی بے فائدہ ہے۔

خاقان: خیر چالیس (۴۰)۔

دل آراء: یہ بھی زیادہ ہیں۔

خاقان: اچھا تیس (۳۰)، بیس (۲۰)، دس (۱۰)۔

دل آرا: اجی ایک نوکر بہت ہے۔ بس۔

مہ پارہ: اجی مجھے تو ایک کی بھی ضرورت نظر نہیں آتی۔

خاقان: او خدا۔ او خدا۔ تو دیکھتا ہے کہ یہ ظالم اولاد کس طرح اپنے بوڑھے باپ کو ستا رہی ہے۔ اگر تیری ہی مرضی ان لڑکیوں کے دلوں کو مجھ سے سخت بنارہی ہے تو مجھے سہارا دے۔ مجھے صبر کا یارا دے۔ تم ناخلف عورتو۔ آہ تم یہ سمجھتی ہو کہ ظالم مظلوم کو ستا کر پھل پاتا ہے۔ نہیں نہیں دھوکا نہ کھاؤ۔ خدا ٹھٹھوں میں نہیں اڑایا جاتا ہے۔ اس کی لاٹھی بے آواز ہے۔ اس کی چکی چلنے میں ست مگر پیسنے میں جلد باز ہے۔ میں اسی کے پاس فریاد لے کر جاؤں گا۔ وہ بولے گا میں بلاؤں گا۔ وہ سنے گا میں سناؤں گا۔ بے وقوف میں اپنے دل کے ٹکڑے اسے دکھاؤں گا۔

(خاقان اپنے کپڑے پھاڑتا ہے دوسرے روکتے ہیں)

باب پہلا——سین چھٹا

سعدان کی خواب گاہ

(سعدان کا سوتے نظر آنا۔ بیرم کے سکھائے ہوئے دو قاتلوں کا سعدان کو قتل کرنے کے لیے آنا۔ پہرے دار کا پہرہ دیتے نظر آنا۔ بیرم کا کھڑکی میں کھڑے ہوکر سیٹی بجاکر قاتل کو بلانا۔ قاتل کا بیرم کے اشارے سے سیڑھی لگاکر کھڑکی کی راہ سے مکان میں داخل ہونا۔ مکان کے اندر سے لوگوں کا شور مچانا۔ قاتل کا بغیر قتل کیے کھڑکی کی راہ سے فرار ہونا۔ پہرے دار کا قاتل سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا جانا۔ پرویز کا شور و غل سن کر نیند سے بیدار ہونا۔ باہر آنا۔ پہرے دار کو مرا ہوا دیکھ کر پرویز کا حیران ہونا۔ بیرم کا اپنے باپ سعدان کو یہ موقع دکھلانا۔ سعدان کا دیکھ کر حیران رہ جانا)

-پردہ-

باب دوسرا ـــــــ سین پہلا

برفستان

پرویز: (خود کلامی) کون بتاسکتا ہے کہ میں کون ہوں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس فقیرانہ حالت میں ایک دولت مند نواب کا نور دیدہ ہے۔ کس کو معلوم ہے کہ اس پھٹی ہوئی گدڑی میں ایک امیر کا لعل پوشیدہ ہے۔ اللہ اللہ ضرورت بھی کیسی غرور شکن چیز ہے۔ یہ سڑا ہوا چیتھڑا جس سے میں اپنا جوتا تک پونچھنا عار سمجھتا تھا آج جان بچانے کے لیے قیصر کی قبا اور خاقان کی خلعت سے زیادہ عزیز ہے۔ اے دل صبر کر۔ بہار کے بعد خزاں۔ دن کے بعد رات۔ سکھ کے بعد دکھ۔ یہی قدرت کے کاروبار ہیں۔ تجھ سے زیادہ اچھے لوگ تجھ سے زیادہ مصیبت میں گرفتار ہیں۔ جس تکلیف کے بار گراں سے تو دبا جاتا ہے، اسی کے بوجھ سے بادشاہ کی ہڈیاں سرمہ ہوئی جاتی ہیں۔ تجھے باپ ستا رہا ہے تو اسے بیٹیاں ستا رہی ہیں.....چل پرویز چل.....غریب خاقان کی مدد کر اور جب موقع ملے تو وہ غلط الزام جس کے ڈر سے تو چھپا ہوا ہے شرافت کے ساتھ رد کر۔

(گاتا)

دنیا ایک مسافر خانہ

پیارے نہ من اٹکانا۔ دنیا ایک مسافر خانہ
سانجھ سمجھ کر آ ٹھہرے ہیں۔ بھور بھئے ہے جانا۔ دنیا ایک مسافر خانہ
چن چن مائی محل بنایا۔ لوگ کہیں گھر مورا
نا گھر تیرا نا گھر میرا۔ چڑیا رین بسیرا
مت للچانا۔ دل نہ لگانا۔ ہری کا گن گانا
دنیا ایک مسافر خانہ

(پرویز کا جانا اور بیرم اور سعدان کا داخل ہونا)

بیرم: (خود کلامی) مطلع صاف ہوگیا۔ مایوسی کے بادل چھٹ گئے۔ تمناؤں کی دنیا خوشی کی روشنی سے بھر گئی۔ چار سطر کی تحریر قسمت کے طوفانی نوشتہ کی ہزاروں غلطیاں درست کر گئی۔ باپ کو الو بنایا۔ بھائی کو گھر سے نکلوایا۔ دولت پر قبضہ پایا۔ یہ سب کیوں کر ہوا۔ اس مقولے کی بدولت کہ مردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں عقل مند اپنے حلوے مانڈے سے کام رکھتے ہیں۔ یہ سب کس نے کیا۔ اس دانائی نے جس کا احمق لوگ شرارت اور فریب نام رکھتے ہیں۔ اے دل تو چین کر۔ اچھوں کو برا بتانا یہ تو اس بے وقوف زمانے کا دستور ہے۔ تجھے دنیا میں جینا ہے۔ اور جینے کے لیے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ صحت، دولت اور ایک پری صورت۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ صحت کے لحاظ سے تو بندہ ہاتھی کا پٹھا ہے۔ دولت کی پوچھیے تو باپ کا سارا خزانہ ہی اڑانے کے لیے اکٹھا ہے۔ اب رہی عورت۔ لوگوں کی ایک کی مارا مار ہوتی ہے۔ یہاں مہ پارہ اور دل آرا دو دو سے سٹہ بٹہ ہے۔ ے

صبح گل فام سے گزرتی ہے
شب مے و جام سے گزرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو آرام سے گزرتی ہے

سعدان: کیوں بیرم۔

بیرم: حضور آپ نے مجھے کس کے پاس بھیجا تھا۔

سعدان: مہ پارہ اور دل آرا کے پاس۔

بیرم: جی نہیں۔ بلکہ وحشی درندوں کے پاس۔

سعدان: کیا تمھارا سمجھانا کچھ کارگر نہ ہوا۔

بیرم: حضور۔ لوہا ہوتا تو نرم ہو جاتا۔ پتھر ہوتا تو پگھل جاتا۔ مگر خدا جانے ان ناخلفوں کا دل کس چیز سے بنا ہے کہ مطلق اثر نہ ہوا۔

سعدان: پھر جاؤ۔ پھر جاؤ۔ اگر تمھاری زبان میں اثر نہیں ہے تو میری زبان لے جاؤ۔ ان کو خدا کا واسطہ دو۔ ان کے قدموں پر گر پڑو۔ ان کے آگے گڑگڑاؤ۔

بیرم: وہ پھر بھی گھر میں پناہ نہ دیں گے۔

سعدان: انھیں لاکے اس غریب کی مصیبتیں دکھاؤ۔ چلو چلو۔ آنکھ سے دیکھ کر تو ان کے دل میں رحم آجائے گا۔ خدا کی قسم اگر انھوں نے مدد نہ کی تو بوڑھا شخص سردی اور طوفان سے پاگل ہو جائے گا۔

(سعدان اور بیرم کا جانا اور خاقان اور ارسلان کا آنا)

خاقان: چھوڑ دے۔ تو بھی مجھے چھوڑ دے۔ جا۔جا۔چلا جا۔

ارسلان: خداوند۔

خاقان: چل ری ہوا۔ خوب زور سے چل۔ جتنی تجھ میں طاقت ہے سب اسی وقت صرف کر، بجلیو اتنی آگ برساؤ کہ یہ دنیا اور وہ سارے سامان جس سے محسن کش آدمی بنتے ہیں، جل کر خاک ہو جائیں۔ بادلو اس شدت سے برسو کہ محلوں کے گنبد، قلعوں کے مینار، پہاڑوں کی چوٹیاں

سب تہہ آب ہو جائیں۔

ارسلان: حضور برف گر رہی ہے۔

خاقان: گرنے دے۔ گرنے دے۔ ہوا۔ پانی۔ مٹی۔ آگ۔ یہ سب لالچی ہیں۔ ان سب کو رشوت دی گئی ہے۔ یہ سب میری بیٹیوں سے مل گئے ہیں۔ جاجا تو بھی مل جا۔

ارسلان: حضور میرے حضور۔

خاقان: خوب برسو۔ خوب چمکو۔ خوب گرجو۔ بادل بجلی گرج۔ کوئی میری لڑکی نہیں ہے۔ میں کسی کی شکایت نہیں کرتا۔ میں نے کبھی تمھیں دولت نہیں دی۔ سلطنت نہیں بخشی۔ اولاد کہہ کے نہیں پکارا۔ بس تم سب جو میری لڑکیوں کے خوشامدی غلام ہو۔ آؤ مل کے آؤ۔ بدبخت۔ کمزور۔ بوڑھا، آدمی حاضر ہے۔ اس کے منھ پر تھوکو۔ اس کے ڈاڑھی کے بالوں کو نوچو۔ اس کے سر کو ٹھوکر لگاؤ۔

ارسلان: آہ۔ رات ایسی خوفناک اور طوفانی ہے کہ انسان تو کیا مردوں کے بوسیدہ ڈھچر تک قبروں کی دراروں سے پناہ کے لیے گڑگڑا رہے ہیں۔ آبشاروں کا پانی اتنی بھیانک آواز سے گر رہا ہے گویا مہیب دیو پہاڑوں کی چوٹیوں سے پتھر برسا رہے ہیں۔ بجلی اس طرح کوند رہی ہے گویا خبیث شیاطین چراغ لیے دنیا کی طرف آرہے ہیں۔ اور آپ ہیں کہ اس دہشت پیدا کرنے والے وقت میں خدا جانے بے خوف کہاں جارہے ہیں۔

(پرویز کا آنا)

پرویز: (خود کلامی) ہائے کیسی اچھی طبیعت برباد ہوگئی۔

خاقان: اے شاہی شان و شوکت تو ان تکلیفوں کو برداشت کر۔ اگر تم سردی اور طوفان میں نہ پڑتے۔ تو خدا کے قہر و غضب سے نہ ڈرتے۔ اگر

مصیبت امیروں کے سر نہ ہوتی۔ تو خدا کے غریب بندے کس تکلیف سے دن گزارتے ہیں یہ تجھے مطلق خبر نہ ہوتی۔

پرویز: حضور کسی پناہ کی جگہ چلیے۔

خاقان: ایسی جگہ تو صرف قبر ہے۔ مگر نہیں قبر میں بھی پناہ نہیں۔ وہاں بھی پہلے ہزاروں من خاک کے نیچے دباتے ہیں۔ پھر کیڑے آکر کھاتے ہیں۔ اس کے بعد گوشت سڑتا ہے۔ جسم بگڑتا ہے۔ ہڈیوں کو مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کچھ پستی ہیں۔ کچھ گلتی ہیں۔ کچھ کھاد ہوتی ہیں اور اس پر بھی جو بچ رہیں وہ جنگلی جانوروں کی ٹھوکروں سے برباد ہوتی ہیں۔

ارسلان: صبر کیجیے میرے آقا۔ میرے مالک۔ میرے شہنشاہ۔ میرے خداوند نعمت۔

خاقان: چپ جھوٹا، خوشامدی، گمراہ، وہ شخص جس کی زندگی غریبوں کے قبرستان کی طرح تاراج ہے۔ اس مفلس فقیر آدمی کو شہنشاہ بتاتا ہے۔ آہ یہی لفظ تھے جنھوں نے مجھے دھوکا دیا۔ انھیں۔ انھیں تعریفوں سے بیٹیوں نے مجھے لوٹ لیا۔ تو کیا اب تو بھی خوشامد کرکے مجھے لوٹنا چاہتا ہے۔ اب میرے پاس کیا ہے، ہاں ہے۔ یہ سڑا ہوا چیتھڑا جو میں نے کفن کے لیے بچا رکھا ہے۔ یہ بھی نہ بچاؤں گا۔ ننگا ہی دنیا میں آیا تھا اور ننگا ہی دنیا سے جاؤں گا۔ لے آ اتار۔ اتار۔ (جامہ کو تار تار کر ڈالتا ہے)

(سب کا جانا اور سعدان اور مہ پارہ کا آنا)

سعدان: بھیانک اور خوفناک میدان۔

مہ پارہ: اسے پہچان رکھو۔ یہی میدان ہے جہاں تم نے اسے ہوا کی طرح سرگرداں اور طوفان کی طرح پریشان دیکھا ہے۔ یہی میدان ہوگا جس میں تھوڑے دنوں کے بعد تم اسے جانوروں کی طرح ننگا، کیڑوں کی

طرح ذلیل، اور پاگلوں کی طرح بے خود دیکھو گے۔ اور جب تم یہ سب دیکھ چکو گے تو میں اسی میدان میں کسی کھوہ کے پاس ایک ننگی دبلی اور سڑی ہوئی لاش دکھاؤں گی جس پر مکھیاں بھنک رہی ہوں گی۔ کیڑے کھا رہے ہوں گے۔ چیل اور گدھ منڈلا رہے ہوں گے۔اور وہ کون ہوگا سعدان۔ یہی ضدی خاقان۔

سعدان: نہ فرمایئے۔ نہ فرمایئے۔ وہ باتیں جو افسوس اور رحم سے مرد نہیں کہہ سکتے آپ عورت ہوکر زبان پر نہ لایئے۔ خدا چاہے گا تو ایسا کبھی نہ ہوگا۔ اور ہونے والا یہی ہو تو آپ بیٹی ہیں خدا کے لیے اپنے بوڑھے باپ پر رحم فرمایئے۔

مہ پارہ: ایسے ضدی آدمی پر رحم کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

سعدان: ضروری نہیں ہے۔ یہ جواب تو باجت نہیں ہے۔ کیوں جناب جب لڑکپن میں آپ کھیلتے کھیلتے گر پڑتی تھیں تو کیا بادشاہ دایہ سے یہ کہتے تھے کہ ضرورت نہیں ہے۔ نہ اٹھاؤ۔ کیوں حضور جب آپ بچپنے میں بھوک سے بلبلاکر روتی تھیں تو کیا اعلیٰ حضرت بھی ملکہ عالم کو یہی کہتے تھے کہ ضرورت نہیں ہے۔ دودھ نہ پلاؤ۔ نہیں نہیں کبھی نہیں واللہ اگر کسی وقت ذرا سا بھی آپ کا حال نوع دگر ہو جاتا تھا تو وہی سفید چہرہ جسے آپ چیلوں اور گدھوں سے نچوانا چاہتی ہیں روتے روتے آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا۔

مہ پارہ: یہ سب اب یاد دلانا واہیات ہے۔

سعدان: یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ ایک درخت جس میں نہ انسان کی سی عقل و دانائی ہے اور نہ کسی نے اسے محبت اور اطاعت سکھائی ہے۔ پھر بھی وہ اپنے باغبان کے کام آتا ہے۔ یعنی اپنے پھولوں سے اس کا دماغ معطر بناتا ہے۔ اپنے پھولوں کو کھلاتا ہے۔ اپنے سایے میں سلاتا ہے۔ لیکن آپ اپنے باپ کے ساتھ جس نے جان کی طرح سنبھالا۔ گودیوں میں پالا۔ رات کو دن اور دن کو رات کر ڈالا، ذرا

بھی سلوک کرنے سے خوش نہیں ہیں۔ اگر خدا ان درختوں میں زبان پیدا کردے تو کیا وہ یہ نہ کہیں گے کہ انسان سے بڑھ کر کوئی دنیا میں احسان بھول جانے والا اور محسن کش نہیں ہے۔

مہ پارہ: سعدان درخت تو نہیں کہہ سکتے مگر اس کی آڑ میں تم کہتے ہو۔

سعدان: اگر میں بھی کہتا ہوں تو سچ کہتا ہوں۔

مہ پارہ: تمھاری باتوں سے میں نفرت کرتی ہوں۔

سعدان: اور آپ کی باتوں سے خدا نفرت کرتا ہے۔

مہ پارہ: ادب سیکھو۔

سعدان: نیکی سیکھو۔

مہ پارہ: انسان بنو۔

سعدان: مہربان بنو۔

مہ پارہ: میرا رتبہ جانو۔

سعدان: باپ کا رتبہ پہچانو۔

مہ پارہ: زبان آرائی نہ کرو۔

سعدان: اپنے پالنے والے سے برائی نہ کرو۔

مہ پارہ: دیکھو یہ جان جانے کا قرینہ ہے۔

سعدان: مالک پر مرنا وفاداروں کا جینا ہے۔

مہ پارہ: پچھتانا ہوگا۔

سعدان: دوزخ میں جانا ہوگا۔

مہ پارہ: یہ گستاخی۔

سعدان: یہ بے رحمی۔

مہ پارہ: عقل اور ایسی بدتر۔

سعدان: دل اور ایسا پتھر۔

مہ پارہ: دیکھو میں پھر کہتی ہوں کہ میری مہربانیوں کو حقیر نہ سمجھو۔ ایسے بے ہودہ دماغ رکھنے والے سر فوراً اتار دیے جاتے ہیں۔ یاد رکھو۔ اگر

تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو اس چوراہے پر پھانسی پاؤ گے جہاں شہر کے کتے گولی سے مار دیے جاتے ہیں۔

سعدان: میری زندگی بھی اسی کے لیے ہے اور میری موت بھی اسی کے لیے ہوگی۔ میری ہستی جب تک ہستی میں ہے اپنے عمر کا ہر گھنٹے کو اس کی یاد سے مبارک بنائے گی۔ میری روح جب تک جسم میں ہے اپنے رگوں کے تار پر اس کی محبت کے گیت گائے گی۔ اور اس وقت بھی جب کہ ظالم خنجر میرے گلے کو ریت رہا ہوگا میرے خون کی ہر دھار اسی کے قدموں کی طرف بہہ کے جائے گی۔

(سعدان کا جانا اور بیرم کا آنا)

مہ پارہ: بیرم تم نے دیکھا۔

بیرم: حضور مجھے خود افسوس ہے۔

سنجر (پوشیدہ طور پر) مہ پارہ اور بیرم؟

مہ پارہ: دیکھو بیرم میں تمھیں چاہتی ہوں۔ تم پر جان دیتی ہوں۔ محبت کرتی ہوں۔

سنجر: (چھپا ہوا) محبت۔

مہ پارہ: مگر اس محبت کے خیال سے تمھارے باپ کو سزا دینے سے باز نہ آؤں گی۔ اگر تم نے اس میں دخل دیا یا سفارش کی تو میں تم سے بھی ناراض ہو جاؤں گی۔

بیرم: نہیں۔ نہیں۔ اے حسن کے آفتاب اپنی محبت کا نور مجھ سے واپس نہ لینا۔ تجھی سے میری جان میں روشنی، میرے گرد کی چیزوں میں خوب صورتی اور میری تمناؤں میں اجالا ہے۔ تیرے ہی اعجاز نے ان سب چیزوں پر جو پہلے سرد، سادی، مردہ اور تاریک نظر آتی تھیں، روشنی اور

روح کا جلوہ ڈالا ہے۔ اگر تو ایک لحظہ کے لیے بھی اپنا روشن چہرہ ادھر سے پھیر لے گی تو میری خوشی کے دن کو مصیبت کی رات فوراً آکر گھیر لے گی۔

سنجر: (چھپا ہوا) خداوندا۔ تیرے آسمان کے نیچے کیسی شرمناک باتیں ہورہی ہیں۔

مہ پارہ: تو پیارے۔ تو کبھی اپنے باپ کا تو طرفدار نہ ہو گا۔

بیرم: نہیں۔

مہ پارہ: نہیں۔

بیرم: کیا بیرم اپنا دل چیر کر دکھائے۔ تب پیاری مہ پارہ کو اعتبار ہوگا۔

مہ پارہ: بس اے میرے دل اور عصمت پر فتح پانے والے تو نے میرے شک پر فتح پالی۔ کاش وہ گھڑی بھی آتی کہ موت میرے شوہر کی زندگی پر فتح پاتی۔

(مہ پارہ کے شوہر سنجر کا باہر آ جانا)

سنجر: اے زمین تو ان گنہ گاروں کو کیوں نہیں نگل جاتی۔ شرم۔ شرم۔ زوف ہے تجھ پر۔ لعنت ہے تجھ پر یہ بدمعاشی۔ یہ بد صفاتی۔

بیرم: غضب ہوا۔

مہ پارہ: کیوں خوف کھاتا ہے۔ یہی موقع ہے۔ مار چھری ہمیشہ کا جھگڑا جاتا ہے۔

سنجر: آ حرام زادے خبیث۔ کتے۔

مہ پارہ: مار۔ مار۔

سنجر: اے خدا وندا۔ انصاف۔

(مہ پارہ خود اپنے شوہر کا قتل کر ڈالتی ہے)

مہ پارہ: (سر پر ٹھوکر مارتے ہوئے) چپ نابکار۔

باب دوسرا ——— سین دوسرا

بغلول کا مکان

گل دم: (گاتا) جیا ترسے۔ بدریا برسے۔ سکھی دن کیسے کٹیں گے بہار کے
جیا جائے گھبرائے۔ کسے جوبن دکھاؤں ابھار کے
ہائے جیا ترسے بدریا برسے
بھنورا گونجے ڈالی ڈالی۔ بولے کویلیا کالی
سچیا خالی پیا نہیں آئے ہائے کیسے رہوں جیا مار کے
جیا ترسے.....

(بغلول آتا ہے)

بغلول: یا اللہ۔ چار انڈوں کے لیے بارہ بجادیے۔ ہائے ہائے۔ اس کم بخت کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ ایک اللہ کا بندہ بھوک سے بلبلاتا ہوگا۔ آخر کیا ہوا۔ کیوں نہیں آیا۔ کیوں اتنی دیر لگائی۔

گل دم: اے حضور کون؟

بغلول: وہی گل خیرو۔ حماقت کا پتلا۔ کاٹھ کا الو۔ وحشی۔ جنگلی۔ پہاڑی۔

گل دم: توبہ توبہ۔ آدمی ہے یا حماقت کی ڈاک گاڑی۔

بغلول: واللہ۔ اگر میری حکومت ہوتی تو کم بخت کو ٹکٹکی باندھ کر گولی سے مار دیتا۔

گل دم: اے حضور کون۔

بغلول: نہیں۔ وہ میرے پیسوں سے کسی افیون کے سٹے میں داؤ لگاتا ہوگا۔ یا کسی مداری کے اکھاڑے میں کھڑا تماشہ دیکھتا ہوگا۔ ابے آ..... نہیں آیا۔ ابے آ۔ ہاں آیا آیا۔ اچھا بچہ آ۔

گل خیرو: ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ۔ سات۔ آٹھ۔ نو۔ دس۔ گیارہ۔ بارہ۔

بغلول: آیا۔ آیا۔ کیوں بے مرغی کے انڈے لایا۔

گل خیرو: اجی انڈے کیا خاک لاتا۔ یہاں تو حساب ہی سمجھ میں نہیں آتا۔

بغلول: ابے کون سا اتنا بڑا حساب تھا جو تو بھول گیا۔ کیا میرا اتنی دیر بھوکا رہنا فضول گیا۔

گل خیرو: اچھا جناب آپ نے کتنے انڈے منگوائے تھے؟

بغلول: ہم نے انڈے منگوائے تھے چار۔

گل دم: تیرا نکلے اچار۔

گل خیرو: تو اب دیکھیے گھوٹالا سرکار۔

بغلول: ابے مرتا کیوں ہے چمار۔ اٹھ کے حساب بتا۔

گل خیرو: اچھا نو درجن کے کتنے انڈے ہوے جناب۔

بغلول: درجن کے۔ درجن کے انڈے ہوئے بیس۔

گل دم: (سائڈ میں) واہ کیا حساب جوڑتا ہے موا خبیث۔ (زور سے) اجی حضور۔ درجن بیس کی نہیں کہلاتی۔

بغلول: تو۔

گل دم: درجن بارہ کی کہلاتی ہے بارہ کی۔

بغلول: بارہ کی۔ تو اچھا بارہ کی سہی۔ آگے بتا۔

گل خیرو: اچھا جناب۔ درجن کو ہوئے بارہ۔ اور پیسے ٹھہرے اٹھارہ۔ اٹھارہ کو بارہ میں ڈالا اور بارہ کو اٹھارہ سے نکالا تو کتنے بچے جناب والا۔

بغلول: ابے خبیث۔ یہ گھوٹالا نکالا۔ میں نے تجھے بندھی ہوئی اٹھنی دی تھی۔ بندھی ہوئی۔

گل خیرو: تو اٹھنی کا حساب تو میں نے بتادیا۔
بقلول: ابے رہنے دے یہ حیلے۔ لا میری اٹھنی ورنہ ابھی کیے دیتا ہوں انجر پنجر ڈھیلے۔
گل خیرو: ہہ ہہ ہہ۔ کیوں جانی دیکھی میری حساب دانی۔
گل دم: توبہ توبہ۔ یہ اٹھنی ہضم کرنے کے لیے اتنی پیچ پیچ لگائی تھی۔
گل خیرو: تو اور کیا کرتا۔
گل دم: کیوں یہ اکیلے ہی اکیلے مال اڑاتا۔
گل خیرو: اب کے جو ہاتھ صاف کروں گا تو تم بھی میرے ساتھ آنا۔
گل دم/گل خیرو: (گاتا) بنوا دو پیا موہے بھاری۔ کوئی ریشم کی چولی ساڑی

تجھے ساری بنادوں گا بھاری
جس میں ٹانکا ہو گوٹا کناری
پھر تو ہوگی بہار
نیا ہوگا نکھار۔ موہے ریشم کی چولی ساری
گورے ہاتھوں میں ہو چوڑی کالی
اور کانوں میں سونے کی بالی
ابھی لاؤں سنار
ہاں ہاں۔ جاؤ بازار۔ موہے ریشم کی چولی ساری
اوں ہوں
ایں ہیں

(دونوں کا جانا اور کڑک پھڑک کا آنا)

کڑک: آداب عرض ہے آداب۔
پھڑک: تسلیمات عرض ہے تسلیمات۔
کڑک: ہیں۔ یہاں تو کوئی نہیں۔ کسی نالائق کو آواز دو۔

پھڑک: مکان میں تو گدھے لوٹ رہے ہیں۔
کڑک: کوئی ہے؟
پھڑک: بولو۔
گل خیرو: ہیں۔ یہ کون آیا۔ کیا آپ نے بلایا۔
پھڑک: اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے۔
کڑک: عجب نہیں کہ اس کا باپ بھی اچھا ہو۔
پھڑک: اور عجب نہیں کہ اس کی ماں بھی اچھی ہو۔
کڑک: اور عجب نہیں کہ اس کی بیوی بھی اچھی ہو۔
گل خیرو: ہیں۔ یہ آدمی ہیں یا بے دم کے لنگور۔ کیا آپ نے یاد فرمایا حضور۔
پھڑک: جب تک مجھے تمھارا نام نہیں معلوم ہوگا۔ تب تک میں تمھیں دوست ہی کہوں گا۔
گل خیرو: حضور کی عنایت ہے۔
کڑک: عنایت۔ عنایت تو میرے سالے کا نام ہے۔
گل خیرو: باپ رے۔
پھڑک: اچھا جاؤ۔ اور اس مکان کے مالک مرزا طرم کو بلاؤ۔
گل خیرو: جناب وہ تو یہاں نہیں ہیں۔
کڑک: نہیں ہیں۔ کیوں نہیں ہیں۔
گل خیرو: ان کی خوشی۔
کڑک: خوشی کی ایسی کی تیسی۔
پھڑک: ہم جو اٹھارہ کوس سے چل کر یہاں ملنے آئے ہیں تو کہاں جائیں۔
گل خیرو: اجی قیام کی فکر تو بے سود ہے۔ اگر آپ کے دوست مرزا طرم نہیں تو ان کا ایک خاص ملازم تو موجود ہے۔
پھڑک: ابے یہ تو اس کا فرض ہے کہ ہمیں آرام پہنچائے۔
گل خیرو: اگر آپ حکم دیں تو بندہ ابھی بلا لائے۔
کڑک: ضرور۔

پھڑک: بالضرور۔
گل خیرو: مگر دو باتیں سن لیجیے۔ جناب اور حضور۔ اول تو وہ شخص ہے مزاج کا جھکی۔ دوسرے ذات کا بھانڈ ہے۔ اس لیے اپنا عیب چھپانے کے لیے شریفوں کی سی وضع بنا رکھی ہے۔
کڑک: ہیں بھانڈ ہوکر شریف بنتا ہے۔ لاؤ تو خبیث کو۔
گل خیرو: ابھی لاتا ہوں ابلیس کو۔

(گل خیرو کا جانا)

پھڑک: اوں ہوں۔
کڑک: ایں ہیں۔

(بغلول اور گل خیرو کا آنا)

بغلول: کیا یہ وہی ہیں جو اپنے سوا تمام شریفوں کو بھانڈ سمجھتے ہیں۔
گل خیرو: جی ہاں لیجیے جناب اسی بھانڈ کو غلام بلا لایا ہے۔
کڑک: واقعی دوست تم سچ کہتے تھے۔ ٹھاٹھ تو اس نے بالکل شریفوں کا سا بنایا ہے۔
گل خیرو: ابھی کیا ہے۔ ذرا اس کی باتیں تو سنیے جناب والا۔ وہ دون کی لے گا گویا راجا بھوج کا بھائی ہے۔ یا نواب بھرونچ کا سالا۔
بغلول: آداب عرض ہے جناب محترم۔ آپ نے بڑی عنایت فرمائی جو قدم رنجہ فرماکر اس کفش خانہ کی عزت بڑھائی۔ ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

کڑک: دوست۔ یہ بھانڈ تو شاعر معلوم ہوتا ہے۔

گل خیرو: جی ہاں پہلے ایک کچر پٹی کمپنی میں منشی رہ چکا ہے۔

کڑک: ہوں ہوں۔ جناب گرامی۔ آپ کا نام نامی؟

بغلول: شیخ بغلول۔

کڑک: اور آپ کے باپ کا نام؟

گل خیرو: جھول۔

بغلول: آئیں۔ نہیں جناب بہلول۔

کڑک: اور دادا کا نام؟

بغلول: کشکول۔

کڑک: اور ماں کا نام؟

گل خیرو: پھٹی ڈھول۔

بغلول: چپ بدتمیز تو بیچ میں نہ بول۔

کڑک: اچھا جناب شیخ بغلول ابن بہلول ولد کشکول۔

گل خیرو: بنتِ تارکول۔

بغلول: ابے چپ ورنہ مار دوں گا پستول۔ ہاں جناب فرمایئے۔

کڑک: میں نے سنا ہے کہ آپ دادرا بہت اچھا گاتے ہیں۔ ذرا ایک تان تو لگایئے۔

بغلول: ایں تان۔

کڑک: ہاں۔ ذرا گنگنایئے نا مہربان۔

بغلول: کیا فرماتے ہیں۔ میں اور گنگناؤں۔

کڑک: تو کیا ہوا ادھر آیئے۔ میں تیری پیٹھ پر استاد منے خاں والا ٹھیکا لگاؤں۔

بغلول: واللہ۔ گل خیرو سچ کہتا تھا کہ یہ دیوانہ ہے۔

کڑک: ہاں حضت۔ وہ کون سا گانا ہے ”سیاں لگائے دو نیناں میں دیکھ آئی۔

(کڑک کا گانا)

سیاں کا طوطا براتڈی پیوت ہے
ہیوڑا پیے میری مینا میں دیکھ آئی
سیاں کا طوطا موتی چکت ہے
ہیرا چکے موری مینا میں دیکھ آئی

بغلول: جناب دلگی نہ کیجیے۔ ذرا ہوش میں بات کیجیے۔

کڑک: لو میاں بھانڈ کو غصہ آگیا۔

گل خیرو: ذرا اور بنایئے۔

کڑک: اچھا رخصت۔ آپ ذرا شرماتے ہیں۔ تو خیر۔ جایئے کچھ کھانے کو تو لایئے۔ لیجیے یہ قیمت لیتے جایئے۔

(نوٹ دینا)

گل خیرو: ارے اتنے نوٹ۔ او میرے باپ کے باپ۔

بغلول: اجی یہ قیمت کیسی۔ اپنے دوست کی توہین کرتے ہیں آپ۔

گل خیرو: (سائڈ میں) اب میں اس کے نوٹ اڑاکر بغلول کی جیب میں چھپاتا ہوں۔

بغلول: ٹھہریے جو کچھ تیار ہے وہ میں لاتا ہوں۔

کڑک: اجی جو کچھ کیا۔ آپ کے یہاں تو الم غلم سلم بہت کچھ پکا ہوگا۔

بغلول: پھر جو کہیے وہ لاؤں جناب۔

کڑک: بس ایک بریانی کی قاب۔ اور زیادہ تکلف کرنا ہو تو ایک بوتل شراب۔

بغلول: کیا شراب۔

کڑک: جی مگر دیکھیے عمدہ وہسکی پلایئے گا کہیں ٹھرّا ورّا نہ اٹھا لایئے گا۔

بغلول: واللہ۔ یہ تو پاگل ہی نہیں بے حیا بھی ہے۔

کڑک: اور ہاں خوب یاد آیا۔ حضت اتنی اور عنایت فرمایئے کہ شراب کے ساتھ کوئی گانے والی عورت ہو تو اسے بھی ساتھ لیتے آیئے۔

بغلول: عورت۔ عورت تو یہاں کوئی نہیں۔ صرف میرے شاگرد کی بیوی ہے۔

کڑک: تو کیا مضائقہ۔ بیوی ہو یا سالی۔ مجھے تو صرف گانا سننا ہے جناب عالی۔

بغلول: واللہ۔ اب تو میں شرط بدتا ہوں۔ کہ اس کے خاندان کا خاندان دیوانہ ہے۔ آخر یہ بکتا کیا ہے۔ کیا اس نے مجھے کوئی دلال جانا ہے۔

کڑک: بلایئے حضت بلایئے۔ اس میں شرمانے کا کیا کام ہے۔ یہ تو آپ کے فائدے کا انتظام ہے۔ لیجیے یہ دس کا نوٹ آپ کا انعام ہے یا پروردگار۔ نوٹ غائب۔ اور یہ کیا۔ تماشوں کا اشتہار۔ پارسی ناٹک منڈلی۔ آج رات کو خاندانِ ہامان عرف فریب شیطان۔ یا رحمان۔

(اشتہار پڑھ کر بنڈل پٹک دینا)

یہ سب کیا گھوٹالا ہے۔ میرے نوٹ کیا ہوئے۔ کیا میں بھول گیا۔ نہیں نہیں ابھی تو تھے۔ ضرور ہی کسی نے نکالے ہیں۔

بغلول: یا اللہ۔ یہ تو گلے پڑنا چاہتا ہے۔

گل خیرو: جناب یہاں تو ہم ہی دو آدمی ہیں۔ اگر آپ کو شک ہو تو ہماری تلاشی لیجیے۔ یہ دیکھیے۔ یہ دیکھیے۔ حضور آپ بھی جیب دکھا دیجیے۔

بغلول: ہاں ہاں ضرور دیکھ لیجیے۔

کڑک: یہ کیا۔

بغلول: خدا وندا۔

کڑک: کیوں بھانڈ پنا چھوڑا تو چوری کا دھندا۔

بغلول: اجی سنیے۔ اجی دیکھیے۔ واللہ بندہ بے تقصیر ہے۔

کڑک: ابے چپ تو پکا شریر ہے۔ (مار کر بھگا دینا) استاد تم تو صرف بھانڈ

بتاتے تھے یہ تو پکا چور ہے۔

گل خیرو: جی ہاں پہلے میں بھانڈ ہی سمجھتا تھا۔ مگر اب معلوم ہوا کہ پورا حرام خور ہے۔ کہیے میں کچھ کھانا لاؤں۔

کڑک: اشتہا نہیں ہے۔ ذرا میرے بکس سے بوتل تو نکالو۔ طرم کے آنے تک اسی سے دل بہلائیں۔

گل خیرو: لیجیے جناب۔

پھڑک: مگر یار جب تک کوئی گانے والی عورت نہ ہو۔ شراب کا مزا کیا ملے گا۔ خاک۔

گل خیرو: یہ کیا بڑی بات ہے۔ ابھی لاتا ہوں۔

کڑک: واللہ۔

گل خیرو: جی اور وہ بھی وہ چنچل چھلاوہ پری جھم کہ یکایک اس کا چہرہ رو برو ہو جائے تو دیکھنے کے ساتھ ہی آپ کو قے اور دست شروع ہو جائیں۔

پھڑک: ارے تو وہ عورت ہے یا ہیضہ کی خالہ۔

گل خیرو: آپ سمجھے نہیں۔ یہ تو اس کے رعب حسن کی تعریف ہے جناب والا۔

کڑک: خوب خوب۔

گل خیرو: مگر ایک کم بختی ہے کہ وہ بھی اس بھانڈ کی طرح اپنے کو شریف زادی سمجھتی ہے۔

پھڑک: چہ خوش۔ چہ خوش۔ تو یہ کہیے یہ محلے کا محلّہ دیوانہ ہے۔ خیر آپ لائیے تو سہی۔ رئیس زادی ہو یا شیطان زادی مجھے تو دو گھڑی دل بہلانا ہے۔

گل خیرو: بہت خوب تو بندہ ابھی لاتا ہے۔

(گل خیرو کا جانا اور لیلیٰ کو ساتھ لے کر آنا)

گل خیرو: (لیلیٰ سے) جی ہاں بیگم صاحب۔ بہلول صاحب کی بے رخی نے انھیں

بہت صدمہ پہنچایا ہے۔ وہ تو اب تک چلے گئے ہوتے میں نے سمجھا بجھا کر ٹھہرایا ہے۔

لیلیٰ: شاباش۔ بہت اچھا کیا۔

گل خیرو: لیجیے حضور۔ ایں جانب آپ کے نور نظر او معاف کیجیے آپ کی منظور نظر کو بلا لائے۔

کڑک: واہ دوست عورت تو بڑی پٹاخہ ہے کہاں سے اٹھا لائے۔

گل خیرو: بس یہ نہ پوچھیے۔ اپنا کام شروع کیجیے۔

کڑک: اچھا تو اب آپ ذرا کہیں اور تشریف لے جایئے۔

گل خیرو: کیوں جناب کیا میرے ہونے سے آپ کھٹکتے ہیں۔

کڑک: یار تم سمجھے نہیں۔ نئے شکار ذرا بھیڑ دیکھ کر بھڑکتے ہیں۔ آیئے بیگم صاحب آیئے وہاں کیوں کھڑی ہیں۔ یوں تشریف لایئے۔

گل خیرو: بہت ٹھیک۔ اب دیکھو دگی۔ میں جاتا ہوں اور جو طرم آگیا تو خود اسے بلا لاتا ہوں۔

لیلیٰ: تسلیم جناب مجھے یہ سن کر نہایت رنج و اشتعال ہوا کہ اس گھر والوں کی نالائقی سے آپ کو یک گونہ ملال ہوا۔

کڑک: اجی نہیں بیگم صاحب۔ یہ امر بھی کچھ قابل التفات ہے۔ اگر وہ چوٹٹا بھانڈ تمھیں بلاکر نہیں لایا تو اس میں برا ماننے کی کون سی بات ہے۔

لیلیٰ: درست ہے۔ (خود سے) یہ بھانڈ کسے کہتا ہے۔

کڑک: مگر آپ تو تکلف سے بیٹھی ہیں۔ یوں آیئے۔ لیجیے میری رانوں پر پاوں پھیلایئے۔

لیلیٰ: جی نہیں۔ میں مزے سے ہوں۔

کڑک: پھیلاؤ۔ پھیلاؤ۔ شرم کیوں کرتی ہو۔ ہاں ہاں کیا سلونا پن ہے۔

لیلیٰ: خدا خیر کرے۔ یہ تو دیوانہ معلوم ہوتا ہے۔

پھڑک: اچھا کوئی پھڑکتی ہوئی غزل سناؤ۔

لیلیٰ: کیا غزل۔

کڑک: غزل نہیں تو ٹھمری سہی۔ مگر پہلے اپنے طبلہ سارنگی والے کو تو بلاؤ۔
لیلیٰ: طبلہ سارنگی۔
پھڑک: جی ہاں۔ تو کیا بغیر ساز اور سازندوں کے گاتی ہو۔ بھلا یہ تو کہو کچھ نرت یا بھاؤ بھی بتاتی ہو۔
لیلیٰ: عجب لا یعنی ہے۔ جناب میں نہیں سمجھی کہ اس بھاؤ اور نرت کے کیا معنی ہیں۔
کڑک: اس کا یہ مطلب ہوا۔ کہ_ کہ_ کہ_ او پھڑک دیکھ گال ہیں یا مال پوا۔
لیلیٰ: بس بس جناب عالی۔ یہ کیا حرکتیں۔ کیا سمجھتے ہو کوئی پیشہ والی۔
کڑک: اوہ۔ اوہ۔ اوہ۔ مانتا ہوں پیاری۔ کیا صفائی سے شریف عورتوں کی نقل اتاری۔

(طرم کا آنا)

طرم: ہائیں یہ تو میری بہو سے مذاق کررہے ہیں۔
گل خیرو: جناب یہ تو میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ بالکل الو کے پٹھے ہیں۔
کڑک: جان من اتنا بگڑتی کیوں ہو۔
پھڑک: یہ تو صرف ٹھٹھا ہے۔
لیلیٰ: بس بس ہوش سنبھالو۔ بیہودہ باتیں زبان سے نہ نکالو۔
کڑک: اچھا نہ نکالیں گے۔ مگر پہلے تربوز ایسے گالوں کا ایک بوسہ تو دے ڈالو۔
لیلیٰ: یہ حرکتیں کروگے تو سخت ذلت اٹھانا ہوگا۔ ابھی ابھی گھر سے نکل جانا ہوگا۔
طرم: بے شک نکل جانا ہوگا۔ ایک دم نکل جانا ہوگا۔
کڑک: لاحول ولا۔ یہ سب معاملہ غتر بود ہوا۔ ارے یار طرم تو کہاں اس

مزے میں کھنڈت ڈالنے کے لیے آموجود ہوا۔

طرم: بس منہ بند کر۔ چپ رہ ناپاک۔ میرا دوست ہوکر میری بہو سے مذاق۔

کڑک: آئیں۔ تو یہ کیا تمھارا بہو ہے۔

گل خیرو: اور نہیں تو کیا تمھاری خالہ ہے۔

پھڑک: پاجی شریر۔ تو ہی نے گانے والی عورت بتاکر ہمیں دھوکے میں ڈالا ہے۔

طرم: ایں۔ کیا اس نے کہا تھا گانے والی۔

گل خیرو: اجی حضور۔ اجی جناب عالی۔

کڑک: یوں نہیں اس کو بورے میں بند کرکے جوتے لگاؤ۔

طرم: ہاں ٹھیک کہا۔

گل خیرو: اے بابا خدا سے بھی کچھ خوف کھاتے ہو۔ زندہ کو ٹاٹ کا کفن پہناتے ہو۔

پھڑک: زندہ ہے تو ہم تجھے مردہ بنائیں گے۔ چلو ڈنڈے لائیں۔

گل خیرو: ہاں ہاں۔ یہ تو آج سب مجھے بھرتہ بنائیں گے۔

(سب کا جانا اور بغلول کا آنا)

بغلول: لاحول ولا۔ کیا ذلت۔ کتنی بڑی رسوائی۔ آخر نوٹ کی گڈی میری جیب میں آئی تو کہاں سے۔ یا الٰہی۔

گل خیرو: ارے بغلول میاں آپ ہیں۔ بھاگیے بھاگیے سر پر پیر رکھ کر بھاگیے۔

بغلول: کون گل خیرو۔ بورے میں اور تو۔

گل خیرو: اجی اپنی جان بچائیے۔ وہ کم بخت مجھے اور آپ کو گرفتار کرنے کے لیے پولس لے کر آیا ہے۔ کہیں چھپ جائیں۔

بغلول: ہائیں پولس۔ کیوں لے کر آیا ہے۔

گل خیرو: اجی اس نوٹ کے لیے۔ کھڑکی سے کود کر بھاگیے۔ میں نے تو اپنے کو بورے میں چھپایا ہے۔
بغلول: ہاں ہاں۔ تو اب پوری ہوگی رسوائی۔ کیا کروں۔ کدھر جاؤں۔ ارے مجھے بھی اس میں چھپالے بھائی۔
گل خیرو: اجی کہیں اور جایئے میرے ساتھ کیا سر پھوڑتے ہیں۔
بغلول: نہیں نہیں۔ تیرے پیر پڑتے ہیں۔ ہاتھ جوڑتے ہیں۔
گل خیرو: اجی حضرت کیا آپ مجھ کو چاہتے ہیں پھنسانا۔ خیر چھپنے میں کوئی اور دیکھتا ہوں ٹھکانہ۔
بغلول: اچھا ذرا باندھتا تو جا بھائی۔ا اور زور سے.....اور کس کے۔
گل خیرو: اب خبیث کی کم بختی آئی۔

(کڑک، پھڑک اور طرم کا آنا)

کڑک: کیا آرام سے بیٹھا ہے۔
طرم: ابے بولتا نہیں مسٹنڈے۔
پھڑک: اجی لات کا بھوت بات سے مانتا ہے۔ لگاؤ ڈنڈے۔ (مارنا)
بغلول: او باپ۔ او دادا۔ مرگیا۔ مرگیا۔
طرم: ہائیں۔ یہ تو بغلول کی آواز ہے۔ گل خیرو کدھر گیا۔

باب دوسرا ــــــــــ سین تیسرا

پہاڑی جنگل

(سعدان اور بیرم کا آنا)

سعدان: آخر کم بختوں نے اپنے باپ کو پاگل کردیا۔

بیرم: بڑی وحشی اور ناخلف اولاد ہے۔

سعدان: خیر خدا کا قہر زارا کی فوج کی شکل میں آگیا ہے۔ وہی پورا انتقام لے گا۔

بیرم: بادشاہ کہاں ہیں؟

سعدان: قلعہ میں۔ میں نے زارا کے پاس پہنچوادیا ہے۔ دیکھو بیرم۔ ہم پر۔ تم پر اور سب پر بادشاہ کا حق ہے اور وہ حق اس طرح ادا ہوسکتا ہے کہ ہم اس کی اور جو اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں، ان سب کی مدد کریں۔

بیرم: شرافت اسی بات کی تحریک کرتی ہے۔

سعدان: اچھا انھوں نے اپنی فوج کا سپہ سالار کسے مقرر کیا ہے۔ ایک تم ہو اور دوسرا.....

بیرم: طرم۔

سعدان: تم میرے بیٹے ہو اس لیے وہی کرو گے جو باپ کی مرضی ہے۔ اب رہا طرم، اسے میرا یہ خط لے جاکر دو۔ اگر نیکی اچھی چیز ہے اور خدا چاہے گا تو یہ خط پڑھنے کے بعد وہ بھی ہمارا شریک ہوجائے گا۔ جاؤ

اور اپنی سعادت مندی کا ثبوت دکھاؤ۔

بیرم: (خود سے) اب میں پوری سعادت مندی دکھاتا ہوں۔ خوب خط ملا۔ مہ پارہ، دل آرا کو حرف بہ حرف سناتا ہوں۔ بے وقوف ہے جو ایسے موقع کو کھوتا ہے۔ چل بیرم یوں ہی بوڑھوں کی بے وقوفی سے جوانوں کا فائدہ ہوتا ہے۔ (جانا)

(پرویز کا بدلی ہوئی شکل میں آنا)

پرویز: کیوں جناب بادشاہ کی حالت۔

سعدان: قابل افسوس، لائق رحم، سراپا عبرت۔ جو منہ میں آتا ہے بکتے ہیں۔ کبھی بال نوچتے ہیں۔ کبھی رونے لگتے ہیں۔ کبھی سر پٹکتے ہیں۔

پرویز: خدا ان کی ضعیفی پر رحم کرے۔

سعدان: اور تمھیں برکت دے۔ تم نے شروع سے آج تک بادشاہ کی اس قدر رفاقت اور خدمت کی کہ اگر اس کا بیٹا بھی ہوتا تو اتنا کام نہ آتا۔ خدا ازسلان کو بھی جزا دے۔ اگر تم اور وہ خاقان کو زارا کی حد میں نہ لے آتے تو غریب ضرور قتل کردیا جاتا۔

پرویز: صاحب۔ چونکہ میں خود ایک مصیبت زدہ آدمی ہوں۔ اس لیے دوسروں کی مصیبت میں ہمدردی کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

سعدان: اس فرض کا پورا بدلہ تو وہاں ملے گا۔ لیکن یہاں بھی نہال ہو جاؤ گے۔ اگر زندگی رہی۔ تو اتنا کچھ دوں گا کہ عمر بھر کے لیے مالا مال ہو جاؤ گے۔

پرویز: جناب میں نے نیکی نیکی سمجھ کے کی ہے۔ انسانیت کا فرض ادا کرنے کے بعد اس کے عوض میں روپیہ چاہنا، یہ کمینوں کا کام ہے۔ آپ خوش ہیں اور ممکن ہے خدا بھی خوش ہو۔ یہی میرے لیے دو جہاں کا انعام ہے۔

سعدان: زندہ رہو۔ شرافت تم پر ہمیشہ ناز کرے گی۔
پرویز: اور وفاداری اور نیکی۔ اے بزرگ شخص، تجھ پر فخر کرے گی۔

(خاقان اور ارسلان کا باہر آنا)

سعدان: افسوس۔ افسوس۔ غریب جنون کے جوش میں پھر قلعے سے باہر نکل آیا۔
خاقان: ہمیں نہیں پہچانتا۔ ہمیں نہیں جانتا۔ ہم بادشاہ ہیں ہمیں سکہ چلانے کے لیے کیوں سزا دے رہا ہے۔
پرویز: افسوس۔ یہ کیا حالت۔
خاقان: وہ۔ وہ۔ وہ آئے۔ چھوڑ دو۔ کیا ہے؟ گنہگار ہے۔ ہتھکڑی نکال لو۔ منھ کیا دیکھتا ہے۔ ہمیں اختیار ہے۔
سعدان: خدا رحم کرے۔
خاقان: ہاں میں بھی رحم کرتا ہوں۔ جا۔ جا۔ چلا جا۔ مہاجن کی کتاب پر اپنا نام نہ چڑھوانا۔ قبر میں جانا مگر قرض خواہوں کی کچہری میں نہ جانا۔ اور ٹھہر سن۔ بھیڑیوں کے سیدھے پن۔ دنیاداروں کی قسم اور بیٹیوں کی خوشامد پر ہرگز اعتبار نہ کرنا..... جوتے کی آواز، کپڑوں کی سرسراہٹ اور ایک سریلی آواز سن کر کسی عورت پر دل نثار نہ کرنا۔ شادی سے پرہیز کرنا۔ اگر شادی ہوگئی ہو تو اولاد کی خواہش سے گریز کرنا۔ اگر اولاد ہی کی خواہش ہو تو صرف بیٹوں کو پالنا۔ مگر بیٹیوں کو پیدا ہونے کے ساتھ ہی گلا گھونٹ کر مار ڈالنا۔
ارسلان: یا اللہ۔
خاقان: سنا یا نہیں۔ میں بادشاہ ہوں۔ جب میں دیکھتا ہوں تو رعایا کانپتی ہوئی میرے قدموں پر گر پڑتی ہے۔ تجھ پر کیا الزام ہے۔ اپنی بیٹیوں کو مارنے کا۔ خوب کیا۔ اچھا کیا۔ جا جا۔ ساری دنیا سے کہہ دے کہ اپنی لڑکیوں کو مار ڈالیں۔ ہم سب کو معاف کرتے ہیں۔ ہم سب کو چھوڑ

دیں گے۔

پرویز: افسوس کیسی اچھی طبیعت برباد ہوئی۔

سعدان: خدا ان ظالموں کو بھی یوں ہی برباد کرے۔ حضور۔

خاقان: میں نے یہ آواز کہیں سنی ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں نے تم کو اور اس کو کہیں دیکھا ہے۔

سعدان: میں آپ کا غلام ہوں۔

خاقان: ہاں۔ تم ہی لوگ تو ہو جو خوشامد سے میری ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ میں چراغ کو چاند کہتا تھا تو تم اسے آفتاب بتاتے تھے۔ میں چشمہ کو دریا کہتا تھا تو تم اسے سمندر بتاتے تھے۔ میں پوری زمین کا بھی مالک نہ تھا۔ مگر تم مجھے آسمان تک کا بادشاہ ٹھہراتے تھے۔ لیکن ایک مرتبہ جب ہوا چلنے لگی، پانی برسنے لگا، میرے کپڑے بھیگ گئے۔ میرے دانت کٹکٹانے لگے۔ میں نے حکم دیا کہ اے ہوا نہ چل، اے بادل نہ برس، وہ چلتی رہی۔ وہ برستا رہا۔ میری طبیعت مغموم ہوگئی۔ اور اس وقت مجھے اپنی اور تمھاری حقیقت معلوم ہوگئی۔

ارسلان: اب میرا دل پھٹ جائے گا۔

خاقان: دیکھو۔ دیکھو۔ وہ حاکم بے چارے چور کو معافی مانگنے پر کس طرح گھڑک رہا ہے۔ یہ وہ حاکم ہے جس نے خود رشوت لے کر سینکڑوں بیواؤں اور یتیموں کا مقدمہ ہرا دیا ہے۔ یہ وہ ظالم ہے جس کو اگر کسی نے بازار میں سلام نہیں کیا تو اس نے دوسرے دن جھوٹے جرم میں گرفتار کرا کے جیل خانے بھجوادیا ہے۔ اور پھر امید رکھتا ہے کہ مرتے وقت یہی ایک مرتبہ اگر خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لی تو وہ بخش دے گا۔ مگر کتنا بڑا نابکار ہے۔ کہ اس جرم کو جس نے پہلی مرتبہ جرم کیا ہے، معافی دینے سے انکار ہے۔

ارسلان: آہ اس جنون میں بھی عقل۔

خاقان: غریبوں کے عیب زیادہ ظاہر ہوتے ہیں۔ امیروں میں ان سے بڑھ کر

برائیاں ہیں۔ مگر چونکہ ان کے عیب زرق برق کپڑوں میں چھپے ہوتے ہیں اس لیے کوئی انھیں برا نہیں بتاتا ہے۔ ایک غریب کی آنکھ میں تنکا ہو تو اندھا بھی دیکھ لے گا۔ مگر امیر کی آنکھ میں لٹھا ہو تو آنکھ والوں کو بھی نظر نہیں آتا ہے۔ گناہ پر سونے کا ملمع چڑھا دو۔ انصاف کی تلوار نہ چل سکے گی۔ اسی کو چیتھڑے میں لپیٹ دو تو ایک تنکے سے چھید ہو جاتا ہے۔ کوئی برائی نہیں کرتا۔ کوئی گنہگار نہیں۔ ہم سب کو رہا کرتے ہیں۔ جاؤ۔ جاؤ۔ بے وقوف فلسفی کی طرح کتاب کے کیڑے بن جاو اور بنکارنے لگو کہ قدرت کے سارے رازوں سے ہمیں خبر ہے۔ پاجی مدبر کی طرح شیشے کی آنکھیں لگالو اور کہو کہ دنیا کے سارے معاملات پر نظر ہے۔

سعدان: اب میری آنکھیں آنسو بن کر بہہ جائیں گی۔

خاقان: تو روتا ہے۔ اگر تجھے ہماری قسمت پر رونا ہے تو ہماری آنکھیں لے لے۔ ہم تجھے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ ایک بادشاہ جس کا نام خاقان تھا تو اس کے پاس ملازم رہ چکا ہے۔ تیرا نام سعدان ہے۔ صبر کر۔ ہم بھی جب پیدا ہوئے تھے تو یہ سمجھ کر کہ بے وقوفی کی تماشا گاہ میں آئے، رونے لگے تھے۔ تو نے اس تماشہ گاہ میں کوئی گانا سیکھا ہے۔

ارسلان: ایک زندگی کا نوحہ یاد ہے۔ (گاتا)

کہہ رہا ہے آسماں یہ سب سماں کچھ بھی نہیں
پیس دوں گا ایک گردش میں جہاں کچھ بھی نہیں
جس جگہ تھا جم کا جلسہ اور خسرو کا محل
چند قبروں کے سوا اب تو وہاں کچھ بھی نہیں

خاقان: یہی ہے یہی ہے۔ سپاہیو باندھ لو۔ حاکم صاحب اس کی روبہ کاری کیجیے۔ اس کا نام مہ پارہ ہے۔ میں عدالت کے سامنے حلفاً کہتا ہوں کہ اس عورت نے اپنے بوڑھے باپ کو لاتوں سے مارا ہے۔ بھاگ

گئی۔ ہاں تو کیا گا رہا تھا۔

ارسلان: (گاتا)

تخت والوں کا پتہ دیتے ہیں تختے گور کے
کھوج لگتا ہے یہاں تک بعد ازاں کچھ بھی نہیں

خاقان: یہ دیکھیے۔یہ دیکھیے۔ دوسری بھی آئی۔ اس کا نام دل آرا ہے۔ میں جھوٹ نہیں کہتا۔ دیکھ لیجیے۔ اس کی بگڑی ہوئی شکل سے اس کی طبیعت کی برائی آشکارا ہے۔ افسوس کوئی نہیں انصاف کرتا۔ وہ بھی چلی گئی۔ تو کیوں چپ ہوگیا۔

ارسلان: (گاتا)

گونجتے تھے جن کے ڈنکوں سے زمین و آسماں
چپ پڑے ہیں قبر میں اب ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں

خاقان: کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ عدالت کا بندو بست ٹھیک نہیں۔ حاکموں کو رشوت دی گئی ہے۔ انصاف کو روپیے نے خرید لیا ہے۔ سب ڈاکو ہیں۔ سب دغاباز ہیں۔

(زارا کا مع سپاہیوں کے آنا)

زارا: یہ ہیں۔ سنبھالو۔ لے چلو۔

خاقان: چھوڑو۔ چھوڑو مجھے چھوڑ دو۔ ارے کوئی بچانے والا نہیں۔ کوئی ساتھی نہیں۔ دیکھو جی ہمیں تکلیف نہ دو۔ ہمارے سر میں چوٹ آگئی ہے۔

زارا: آپ قلعے میں چلیے۔ لونڈی آپ کی خدمت کرے گی۔

خاقان: مجھے مت چھڑاؤ۔ میں بڑا بے وقوف بوڑھا شخص ہوں۔ میری عمر ساٹھ سے بھی زیادہ ہے۔ ابھی کوئی کہہ رہا تھا کہ میں پاگل بھی ہوگیا ہوں۔ شاید سچ ہو۔ مجھے شک ہوتا ہے کہ میں نے تمھیں اور اسے کہیں دیکھا ہے۔ مجھے بے وقوف سمجھ کر ہنس مت۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم میری بیٹی

زارا ہو۔

زارا: جی ہاں۔ میں وہی ہوں۔ مجھے دعا دیجیے۔ لائیے آپ کے ہاتھ کو بوسہ دوں۔

خاقان: اچھا اسے دھو ڈالو۔ اس میں فنا کی بو آتی ہے۔ تم سب نہیں چھوڑتے۔ تم سب نہیں ہٹتے۔ بے وقوفو ہم لڑکر مرجائیں گے۔ مگر تمھاری اطاعت نہ کریں گے۔ تم نہیں جانتے کہ ہم بادشاہ ہیں.....وہ آئی_ دونوں ہیں۔_ مارو_ باندھ لو۔

(ارسلان، خاقان اور پرویز کا جانا)

زارا: افسوس۔ اولاد نے باپ کی طبیعت کس قدر بدل دی۔

کیواں: ایسی مصیبت میں انسان کا پاگل ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

زارا: تعجب تو یہ ہے کہ ابھی تک زندہ کیوں کر رہے۔

سعدان: حضور اب ایسی نگرانی کیجیے گا کہ دوبارہ قلعے سے باہر نہ آنے پائیں۔ جب سے آپ نے اس سرحدی قلعے پر قبضہ کرلیا ہے۔ دشمن کے سپاہی دوبارہ قابو کرنے کے لیے چاروں طرف پھرا کرتے ہیں۔

کیواں: وہ ایک انچ زمین بھی واپس نہیں لے سکتے۔ مجھے صرف اپنی فوج کا انتظار ہے۔ پھر یہ قلعہ تو کیسا ان کے لیے اپنے بچے ہوئے ملکوں کا بھی بچانا دشوار ہے۔

سعدان: خدا آپ کو فتح دے۔

زارا: وہ ضرور دے گا۔

سعدان: یا اللہ تو حق ہے اور حق کا ساتھ دے۔

زارا: آمین۔

باب دوسرا ——— سین چوتھا

دل آرا کا محل

دل آرا: تعجب ہے کہ اس خط کو لکھتے وقت اس بے وقوف نے اپنے انجام پر نگاہ نہ کی۔
بیرم: مجھے خود تعجب ہے۔ اس سر کی قسم صرف اس سر کی خیر خواہی کے لیے اپنی سعادت مندی کے فرض کی پرواہ نہیں کی۔
دل آرا: کیا ایسے دغاباز کو سخت سزا نہ دینی چاہیے۔
بیرم: ضرور چاہیے۔ مگر میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔
دل آرا: اس لیے کہ تمھارا باپ ہے۔
بیرم: یہی تو افسوس ہے۔ اگر میرا باپ نہ ہوتا تو میں خود پھانسی دے دیتا۔
دل آرا: یہ فرض تمھاری طرف سے ہم بجا لائیں گے۔
بیرم: میری یہی کیا بری قسمت ہے۔ سب جانتے ہیں کہ میں نے یہ بڑی شرافت کا کام کیا ہے۔ مگر یہی سب مجھے بدنام بتائیں گے۔
دل آرا: پیارے بیرم۔ میں نے جب دل کے ساتھ اپنی عصمت جو شوہر کی امانت ہے تمھیں دی تھی تو خدا تک کی پرواہ نہیں کی تھی اور تم انسانوں کی پرواہ کرتے ہو۔ کیوں باجی۔
مہ پارہ: میں نے نمک حرام سعدان کی گرفتاری کے لیے عذاب کے کتے چھوڑ دیے ہیں۔
دل آرا: تو اب وہ بچ نہیں سکتا۔
مہ پارہ: آیا تو میں تو اس کی بوٹیاں نچوا دوں گی۔

دل آرا: اور میں اس کی ہڈیاں کچلوا دوں گی۔

مہ پارہ: اور میں ان ہڈیوں کو آگ میں جلاکر راکھ بنا دوں گی۔

دل آرا: اور میں اس راکھ کو اپنی ٹھوکروں سے اڑاؤں گی۔

بیرم: حضور۔ انصاف تو ایسے مجرم کے لیے اس سے بھی زیادہ سزا تجویز کرتا ہے۔ لیکن آپ فیاض ہیں اس لیے اگر تھوڑا رحم.....

دل آرا: بس چپ رہو۔

مہ پارہ: اس نے پوری نمک حرامی کی اس لیے اس کو پوری سزا دی جائے گی۔

بیرم: تو مجھے اجازت دیجیے۔ میں اپنی آنکھوں سے اپنے باپ کو برائی کا بدلہ پاتے ہوئے دیکھوں گا تو شرم آئے گی۔ (جانا)

دل آرا: کتنا نیک قماش ہے۔

مہ پارہ: یہ اتنا ہی شریف ہے جتنا کہ اس کا باپ بدمعاش ہے۔

(سعدان کا گرفتار ہوکر آنا)

ادھر آ پاجی۔

دل آرا: کمینے۔

مہ پارہ: کتے۔

دل آرا: غلام۔

مہ پارہ: نمک حرام۔

سعدان: شرافت کو بدنام نہ کرو۔ تمھارا باپ شریف تھا۔ تمھاری ماں شریف تھی۔ اور میں بھی شریف ہوں۔ اس لیے تم بھی شریف بنو اور شریفانہ کلام کرو۔

دل آرا: تو پرنالے کے کیڑے کی طرح نجس ہے۔

مہ پارہ: تو کتے سے زیادہ ذلیل ہے۔

سعدان: کیا دلیل ہے۔

مہ پارہ: یہ کہ تو دغاباز اور جھوٹا ہے۔
سعدان: سچ کہتی ہو۔ میں نے ہی تو اپنے باپ کو خوشامد کرکے لوٹا ہے۔
دل آرا: کچل دو اس کا بھیجا۔
مہ پارا: بدمعاش تو نے خاقان کو زارا کے پاس کیوں بھیجا۔
سعدان: اس لیے کہ میں یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ تو اس کے ضعیف جسم کو اپنے ریچھوں کے سے دانت گڑو کر ایذا پہنچائے یا اپنے ناخنوں سے اس کے جھری پڑے ہوئے چہرے کو نوچ نوچ کر زخمی بنائے۔
مہ پارہ: بے وقوف۔
سعدان: ظالم۔ خوفناک جنگل۔ مہیب رات۔ بھیانک ویرانی۔ اس پر سردی، گرج، بجلی، برف، آندھی، پانی، یہ جگہ تھی اور یہ آفتوں کی طغیانی۔ جس میں ایک کمزور، ضعیف، غریب، بوڑھا شخص خستہ و خراب تھا اور تو۔ اور تو اور تیرا ہر ایک نوکر محل کے اندر مست خواب تھا۔ میں آیا۔ میں گڑگڑایا۔ میں نے سمجھایا۔ مگر تم بے رحموں نے اپنے باپ پر رحم نہ کھایا۔ اتنا نہ کہا کہ جا بلالے۔ او وحشیو۔ او جلادو۔ اگر ایسے وقت میرے دروازے پر بھیڑیا آکے غل کرتا تو میں دربان سے کہتا کہ دروازہ کھول اور گھر میں چھپالے۔
مہ پارہ: ہم اس جرم پر تیری بوٹیاں بھیڑیوں کو کھلائیں گے۔
دل آرا: اس کی زبان کاٹ لو۔
سعدان: ہاں جلدی کرو۔ ورنہ تمھارے سارے عیب ظاہر ہو جائیں گے۔
مہ پارا: خط لکھ کر دوسرے کے نوکروں کو پھسلانا یہ کارروائی کس قدر ذلیل ہے۔
سعدان: ایک ناواقف کو سانپ کی دوستی سے بچانا یہ شرافت اور انسانیت کی دلیل ہے۔
دل آرا: کمینے تو احسان فراموش ہے۔
سعدان: کافر تو ایمان فروش ہے۔
مہ پارہ: میں نے اس لیے تجھ پر بھروسہ کیا تھا کہ تو مجھے دغا دے۔

سعدان: تیرے باپ نے اس لیے تجھ پر بھروسا کیا تھا کہ تو اسے پاگل بنادے۔

دل آرا: وہ بے وقوف ہے۔

سعدان: تو مکار ہے۔

مہ پارہ: وہ مصیبت ہی کے لائق ہے۔

سعدان: اور تو لعنت کی سزاوار ہے۔

مہ پارہ: بد معاش۔ مجھ سے یوں بے خوف ہوکر بات کرتا ہے۔

سعدان: جسے خدا کا خوف ہے وہ انسان سے نہیں ڈرتا ہے۔

دل آرا: تو بوڑھے کے لباس میں ایک شیطان ہے۔

سعدان: اور تو عورت کے جامے میں ایک حیوان ہے۔

مہ پارہ: تو اور یہ زبان درازی۔

سعدان: بیٹی۔ اور باپ سے دغا بازی۔

مہ پارہ: یہ دماغ۔ یہ جنون۔

سعدان: اولاد اور ایسا سفید خون۔

مہ پارہ: بدمعاش پاجی، کھوٹے، مار ہاتھ کہ سر کٹ کر ان قدموں پر لوٹے۔

سعدان: ؎

اے فرشتو سن رکھو۔ روح صداقت کر نگاہ
اے زمیں دینا شہادت۔ اے فلک رہنا گواہ
فرض ایماں، حق مالک، آج ادا میں کر چکا
بڑھ ادھر، تلوار کھینچ، آ وار کر، لے سر جھکا

ملازم: ہے اجازت۔

مہ پارہ: پوچھتا کیا ہے۔

دل آرا: اڑا موذی کا سر۔

ملازم: بد نصیب انسان۔ (دل آرا کے شوہر اکرم کا ملازم کو قتل کرنا) آہ۔

مہ پارہ: یہ کیا کیا بے داد گر۔

اکرم: وہ کیا ہے جس کا یہ سزاوار تھا۔

دل آرا: مگر کیوں کیا۔ کیا تمھارا وہ خطاوار تھا۔

اکرم: اور کیا یہ تیرا گنہہ گار تھا۔

دل آرا: بے شک۔ یہ دغاباز۔ باغی اور مکار ہے۔

مہ پارہ: اس نے ہمیں دھوکا دیا۔

اکرم: تم نے اپنے باپ کو دھوکا دیا۔

مہ پارہ: کیا بے ہودہ بکتے ہو۔

اکرم: ایسا بزرگ جس کے سفید سر کو ریچھ بھی تعظیم سے چومتا، تم نالائقوں نے اسے پاگل بنادیا، اگر اس کو رحم آیا، اگر اس کے خون نے جوش کیا، اگر یہ نمک خواری کا فرض بجا لایا تو کون سی گنہ گاری کی۔ تمھیں شرم کرنا چاہیے کہ تم نے بیٹیاں ہوکر راحت نہیں دی اور اس نے غیر ہوکر خدمت گزاری کی۔

سعدان: خدا ان کے دلوں میں بھی انصاف دے۔

مہ پارہ: چپ بدمعاش۔ کیا یہ انصاف نہیں ہے کہ تجھے خاک میں ملایا جائے۔ اور بیرم جس نے تیرا خط اور دغا ہم پر ظاہر کردی اس کی عزت اور رتبہ بڑھایا جائے۔

سعدان: او خدا۔ کیا بیٹے نے اپنے باپ کے ساتھ فتنہ پردازی کی۔ افسوس افسوس۔ میری آنکھ کھل گئی۔ غریب پرویز کے ساتھ بھی ضرور اس نے دغا بازی کی۔

اکرم: کیسی جلاد عورتیں ہیں۔

مہ پارہ: تم بڑے ذلیل ہو۔ تمھارا دل بزدلی دکھانے کو اور تمھارا سر بے عزتی اٹھانے کو بنا ہے۔ تمھارے سر میں آنکھیں نہیں جس سے اپنی بھلائی اور برائی دیکھ سکو۔

دل آرا: ایسی اندھی عقل کس کام کی۔ جو نیکی سے کیا برائی پیدا ہوگی۔ یہ دیکھنا نہیں چاہتی ہے۔

اکرم: تو یہی تو دیکھ۔ شیطان میں برائی اتنی بری معلوم نہیں ہوتی جتنی عورت میں بدنما نظر آتی ہے۔

مہ پارہ: کیسا بزدل ہے۔ ایک بھی ہمت کا لفظ زبان سے نہیں نکالتا۔

اکرم: تو مجھے کیوں غصہ دلاتی ہے۔ شرم کر۔ اگر تو عورت نہ ہوتی تو میں تیری ہڈیاں توڑ ڈالتا۔ چھوڑ دو اسے۔

دل آرا: یہ نہیں چھوٹ سکتا۔

اکرم: میں کہتا ہوں۔

دل آرا: میں بھی کہتی ہوں۔

اکرم: تم نے نہیں سنا۔

دل آرا: وہ کبھی نہیں سن سکتے۔

اکرم: میں تم لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ ان دونوں کو قید کرلو۔

دل آرا: اور میں بھی حکم دیتی ہوں۔ الماس اس کا سر کاٹ لے۔

اکرم: خبیثو۔ بدمعاشو۔

الماس: ٹھہرو (اکرم کا الماس کو قتل کرنا) اف۔

(دل آرا کا اپنے شوہر اکرم کو پیچھے سے طمنچہ مار دینا)

اکرم: آہ۔

سعدان: او خدا یہ کیا ہوتا ہے۔

مہ پارہ: کم بخت تو کب بچتا ہے۔

(مہ پارہ کا سعدان کو قتل کر ڈالنا)

باب دوسرا ———— سین پانچواں

راستہ

(بیرم کا فوج کا دستہ لیے گاتے ہوے گزرنا)

گانا: لڑیں ہم جم کے۔ خنجر چمکے۔ دل کانپے عالم کے
چلے تیغ ستم۔ سر تن ہو قلم۔ دشمن لیں راہ عدم کے
کار زار میں خنجر سے آتش برسے
دنیا لرزے تھرتھر ڈر سے
فوج دشمن دنگ ہو۔ جنگ کا وہ رنگ ہو۔ روح رستم تنگ ہو
آؤ لڑو جم کے
لڑیں ہم جم کے

باب دوسرا ——— سین چھٹا

قلعہ کا دروازہ

(خاقان کا زارا کے ساتھ قلعے سے نکلتے دکھائی دینا۔ بیرم کا فوج کے ساتھ آکر اسے گرفتار کرلینا)

بیرم: خبردار۔

-پردہ-

باب تیسرا ——— سین پہلا

بیرم کا مکان

(بیرم کے سامنے رقص و نغمہ)

گانا: (کورس) تو رے رے بانکے لوچن
پران پیارے موہن
موری رے پریت چھوڑونا
آورے بیگی آو۔ واری۔ واری جاؤں ساجن
ہاں تو رے رے بانکے لوچن
آیو رے مورے آنگن۔ آیورے مورے آنگن
واری واری رے جاوں ساجن۔
ہاں تو رے رے بانکے لوچن

بیرم: اہاہا۔ گانا بھی کیا چیز ہے۔ کیسی ہی مردہ اور غمگین روح ہو۔ ایک دفعہ ضرور خوش ہو جاتی ہے۔ مگر آہ اس وقت میرا دل کس قدر شاد کام ہوگا جب اس سر پر خاقان کا تاج اور اس ہاتھ میں سلطنت کا عصا اور اس ملک کے سکے پر میرا نام ہوگا۔ اے مضطرب روح کیوں گھبراتی ہے۔ اگر آج میری سوچی ہوئی ترکیب چل گئی تو کل یہی ساعت آجاتی ہے۔

مہ پارہ: پیارے بیرم۔

بیرم: کون؟_ حضور۔

مہ پارہ: کیوں صاحب۔ پھر وہی ادا دکھائی۔ سنو بیرم اگر تمھیں حضور، آپ،

جناب کرنا ہے تو معاف کرو میں تم سے بات کرنے سے باز آئی۔

بیرم: میری عقل کی روشنی۔ کیا تمیز سے بات کرنا بھی کوئی قصور ہے۔ اگر لغت میں یہ لفظ نہ ہوتے تو بیرم کیسے جانتا کہ اس کا دل پیاری مہ پارہ کی عزت اور ادب سے معمور ہے۔

مہ پارہ: تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تمھارے دل میں صرف میری عزت ہی عزت ہے۔ محبت نہیں ہے۔

بیرم: نہیں۔ عزت اور محبت دونوں ہیں۔

مہ پارہ: یعنی آدھے دل میں عزت اور آدھے دل میں محبت۔

بیرم: بے شک۔

مہ پارہ: تو کیا تم پورے دل سے مجھے محبت نہیں کرتے۔ ہاں جی۔ سچ ہے اگر سارا دل میری ہی محبت کے لیے وقف کردیا ہوتا تو بی دل آرا کی محبت کو کہاں جگہ دیتے۔

بیرم: پیاری مہ پارہ۔ یہ چھری لو اور میرے سینے میں بھونک دو۔ آگ روشن کرو اور یہ جسم جھونک دو۔ ریچھوں کو بلاؤ اور میری بوٹیاں نچوا دو۔ تلوار اٹھاؤ اور میرا سر اڑا دو۔ مگر میرے دل کو نہ سزا دو۔ اس نے اپنی ارمانوں کی دنیا میں کبھی ایک گھنٹے کے لیے بھی دل آرا کی یاد کو جگہ نہیں دی۔ وہ عشق کی حقیقت اور وفاداری کی رسم و راہ کو سمجھتا ہے وہ اس سینے کے مندر میں تیرے سوا کسی اور بت کی پرستش کرنا ایک ناقابل معافی گناہ سمجھتا ہے۔

مہ پارہ: کاش ایسا ہی ہو۔

بیرم: میری دیوی ایسا ہی ہے۔

مہ پارہ: دیکھو بیرم۔ عورت ایک کمزور اور نازک چیز ہے۔ اگر تم ساری دنیا کے پہاڑ اس کے سر پر انبار کردو۔ اگر تم تمام دنیا کی مصیبتیں جمع کرو اور اس پر دھر دو تو وہ سارے بوجھ کو پھول سمجھے گی مگر یہ کبھی برداشت نہیں کرسکتی کہ جس پر وہ جان نثار کرے وہ کسی دوسری عورت کو پیار

کرے۔

بیرم: میں جانتا ہوں۔

مہ پارہ: اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں نے اپنا وہ دل جو اس سلطنت میں سب سے زیادہ معزز و مغرور تھا تمھارے قدموں کے نیچے ڈال دیا۔ یہی نہیں یہ بھی جانتے ہو کہ میں نے صرف تمھارے لیے شوہر کی محبت، دنیا کی ملامت اور خدا کی لعنت ان سب کا خیال دماغ سے نکال دیا تو اب یہ بھی جان رکھو کہ اگر کبھی تمھارا دل دل آرا یا کسی اور فام پارہ کی محبت میں گرفتار ہوجائے گا تو وہ خنجر جو ایک مرتبہ وفادار شوہر کو ذبح کرچکا ہے ایک بے وفا عاشق کو قتل کرنے کے لیے سب سے پہلے تیار ہو جائے گا۔

بیرم: کم بختی۔ پیاری مہ پارہ۔ تمھارا دل تو ناحق بدگمان ہے۔ کل میں نے تمھیں خبر دی تھی کہ شہر والے زارا اور خاقان کو بلوہ کرکے چھڑانا چاہتے ہیں۔ کچھ ادھر بھی دھیان ہے۔

مہ پارہ: بیرم میں تو کل تمام رات سوچتی رہی۔ مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

بیرم: اگر آج بندوبست نہ ہوا تو یاد رکھو کل ہی پرسوں میں یہ سر اور تاج جاتا ہے۔

مہ پارہ: میں کیا کروں تم ہی کوئی تدبیر نکالو۔

بیرم: سہل تدبیر ہے۔ زارا اور خاقان دونوں کو قتل کر ڈالو۔

مہ پارہ: شاید دل آرا اس رائے کے خلاف ہو۔

بیرم: ہو کیا وہ تو ہے۔

مہ پارہ: پھر۔

بیرم: دیکھو۔ میری فرشتہ۔ تم عقل مند ہو۔ اپنی برائی بھلائی پہچان سکتی ہو۔ کون دوست اور کون دشمن ہے تھوڑا غور کرنے سے جان سکتی ہو۔

مہ پارہ: پس۔

بیرم: اگر تم چاہتی ہو کہ سوائے تمھارے اس تمام سلطنت کا کوئی حق دار نہ

رہے اور تمھارے عشق و محبت کے باغ میں بھی کوئی کھٹکنے والا خار نہ رہے۔

مہ پارہ: تو۔

بیرم: ایک کام کرو کہ خاقان اور زارا کے ساتھ دل آرا کا جھگڑا بھی عمر بھر کے لیے تمام کرو۔

مہ پارہ: مجھے سمجھاؤ۔

بیرم: سنو۔ میں آج دو آدمی بھیج کر خاقان کو قتل کرا دیتا ہوں۔

مہ پارہ: اوہ۔ اچھا اس کے بعد۔

بیرم: اس کے بعد تم قید خانے میں جاؤ اور زارا کو اپنے ہاتھ سے خاک و خون میں ملاؤ۔ اور جب یہ کام ہوچکے تو شور مچا کے لوگوں کو بلانا اور دل آرا پر زارا کے قتل کا الزام لگانا۔ اس طرح خاقان میرے ہاتھ سے۔ زارا تمھارے ہاتھ سے اور دل آرا رعیت کے ہاتھ سے شہید ہوگی۔ اور پھر تمھارے واسطے ہمیشہ کے لیے عید ہوگی۔

مہ پارہ: ٹھیک ہے۔ اچھا تو میں جاتی ہوں اور ابھی سے تیاری کرتی ہوں۔

بیرم: بہتر ہے اے میرے دل کی مالک اور کل سے اس تمام سلطنت کی اکیلی ملکہ۔

(مہ پارہ کا جانا اور دل آرا کا آنا)

دل آرا: خوب خوب۔ لیلیٰ مجنوں کی جوڑی ہے۔ کیوں۔ اب تو تنہا ملاقات ہوتی ہے۔ خوب کھل مل کے بات ہوتی ہے۔

بیرم: ہاں بات ہوتی ہے۔ اور ایسی بات۔ بس جانے دو۔ مت پوچھو۔

دل آرا: کیوں خیر ہے۔

بیرم: شرم ہے، ظلم ہے، اندھیر ہے۔ دل آرا پیاری دل آرا۔ یا زمانے کا خون سفید ہو گیا ہے یا کچھ ان ستاروں کا الٹ پھیر ہے۔

دل آرا: بیرم۔ کیا ہے۔

بیرم: کیا کہوں۔ خود غرضی۔ ظلم۔ دغا۔ بس یہ چیزیں ملیں گی جدھر جاؤ۔ ہاں۔ اس دنیا اور دنیا والوں کی حالت دیکھ کر یہی جی میں آتا ہے کہ خودکشی کرو اور مرجاؤ۔

دل آرا: خدا نہ کرے۔

بیرم: نہیں۔ دعا کرو کہ کل کا مرتا بیرم آج ہی مرے۔ میری جان، میری زندگی، میری روح، کیا تم یقین کرتی ہو کہ بیرم تمھارے بعد اس دنیا میں زندہ رہ سکتا ہے۔ نہیں تمھارا غم ایک لمحے میں اس کا جی لے گا۔ اگر موت نہ بھی آئی۔ تو وہ خود چھری مارلے گا۔ اگر چھری نے بھی نہ کاٹا تو زہر پی لے گا۔

دل آرا: ایسا بھیانک مضمون۔

بیرم: خون۔ خون۔ دل آرا۔ تمھارا خون۔

دل آرا: میرا؟ سبب؟

بیرم: دیکھو۔ یہ تو میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ چونکہ رعیت زارا اور خاقان کو مظلوم سمجھتی ہے اس لیے بلوہ کرکے چھڑانا چاہتی ہے۔ اب مہ پارہ کو یہ خوف پیدا ہوا ہے کہ اگر یہ دونوں چھوٹے تو سلطنت اور جان بھی جاتی ہے۔

دل آرا: اس لیے۔

بیرم: وہ آج خاقان کو تو دو قاتلوں سے قتل کرائے گی اور پھر زارا کو اپنے ہاتھ سے قتل کرکے تم پر الزام لگائے گی۔

دل آرا: اف۔ اس قدر نیت میں فتور۔

بیرم: میری پیاری خدا تم پر رحم کرے اب تم سمجھ گئی ہوگی کہ اسے کیا منظور ہے۔

دل آرا: یہی کہ خاقان کو قاتلوں سے۔ زارا کو اپنی ذات سے اور مجھے باغی رعیت کے ہاتھ سے قتل کرائے۔

بیرم: اور خود اکیلی تخت و تاج کی مالک بن جائے۔ مگر تم اس سانپ کو ڈسنے ہی کا موقع کیوں دو۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ جس وقت اس کی چھری زارا کے خون میں ڈوب چکے تم پہنچ جاؤ اور شور کر کے اسی کو گرفتار کرادو۔

دل آرا: ایسا ہی کروں گی۔ اچھا ہوا کہ اس ڈائن نے اپنا راز تم پر اور تم نے مجھ پر کھول دیا۔

بیرم: آہ دل آرا۔ پیاری دل آرا۔ یہ صرف تیری محبت ہے جو اس چڑے کی زبان نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر سب کچھ بول دیا۔

دل آرا: میں جاتی ہوں اور ابھی سے اس کی ٹوہ لگاتی ہوں۔

بیرم: اچھا میری جان جاؤ۔ آج رات کو جہاں تک ممکن ہوگا تمھیں مدد پہنچاؤں گا اور کل صبح کو بھی میں ہی سب سے پہلے تمھیں اس سلطنت کی اکیلی ملکہ بننے کے لیے مبارک باد دینے آؤں گا۔

(دل آرا کا جانا)

(خود کلامی) واللہ کیا گھستا دیا ہے۔ ایسی سیانی ڈائنوں کو شیشے میں اتارنا یاروں ہی کا کرتب ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مہ پارہ دل آرا سے غصہ، جوش اور طاقت سب میں بے ڈھب ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ زارا کو قتل کرنے کے بعد اس کے سر پر خون اور اپنی جان کا خوف سوار ہوگا۔ بس تو پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر اس طاقت ور بھتنی سے وہ چڑیل جا کے لپٹی تو اس کے ہاتھ کے ایک ہی وار میں اس کا بیڑا بھی پار ہوگا اور اب رہی مہ پارہ یا کوئی اور، وہ رات کو میرے طپنچہ کا یا صبح کو رعیت کے فیصلے کا شکار ہوگا۔ اور پھر رہا ہی کون؟ بندہ ہی اس تمام سلطنت کا مالک و مختار ہوگا۔

(گانا)

بن متوالا۔ سب سے نرالا۔ رنگت والا
بھربھر پیالہ جام بھر جام اعلیٰ۔ لا۔ لا
جی کب تک ساقی ترسے۔ بادل سے وسکی برسے۔ آہا۔ ہاہاہا
رنگ راگ اڑا۔ بے لاگ اڑا۔ ہاں کاگ اڑا
دے بھربھر پیالہ۔ پی جام بھر جام اعلیٰ

باب تیسرا ——— سین دوسرا

قیدخانہ

(خاقان اور زارا کا قید میں نظر آنا)

خاقان: (نیند میں) بوڑھا، غریب!۔ بے کس۔ رحم۔رحم۔رحم۔

زارا:۔

جلتی ہے جان آگ لگے اس نصیب کو
آرام نیند میں بھی نہیں ہے غریب کو

خاقان: نہیں تم میری بیٹیاں نہیں ہو۔ آہ میرے دل میں چھریاں کیوں چبھاتی ہو۔ چڑیلو میرا کلیجہ کیوں نوچے کھاتی ہو۔

زارا:۔

خواب میں بھی خوف ایذا ہے دل بیتاب کو
یوں ہے ڈرتا جیسے بکری دیکھ کر قصاب کو

خاقان: پکڑو مارو جلادو۔ ان ہی نے زبردستی میرے سر سے تاج اتارا ہے۔ ان ہی دونوں نے مجھ بوڑھے شخص کو ٹھوکروں سے مارا ہے۔

زارا:۔

بے چینیوں کا تیرے عوض کر دگار لے
اے مضطرب دماغ بس اب تو قرار لے

(زارا کا خاقان کے زانو پر سر رکھ کر سوجانا اور دو قاتلوں کا آنا)

قاتل۱: سوتا ہے۔

قاتل۲: بول۔

قاتل۱: مار۔

قاتل۲: نیند میں۔

قاتل۱: تو جگائیے گا۔

قاتل۲: اگر نیند میں زخمی کیا تو جاگنے کے بعد ہمیں بزدل بتائے گا۔

قاتل۱: کیا دیوانوں کی طرح بکتا ہے۔ ان ہاتھوں کا سلایا ہوا کہیں قیامت سے پہلے جاگ سکتا ہے۔

قاتل۲: نہ لے۔ یہ نام نہ لے۔

قاتل۱: کیا ڈر گیا _ آئیں تھراتا ہے۔

قاتل۲: قیامت۔ اف۔ نام ہے یا زلزلہ کہ کانوں میں پڑتے ہیں دل ہل جاتا ہے۔

قاتل۱: مرد نما عورت۔ ان حرکتوں سے شجاعت کا نام دنیا میں ذلیل ہو جائے گا۔

قاتل۲: ٹھہر۔ طعنہ نہ دے۔ مجھے امید ہے کہ یہ خوف جو مذہب نے پیدا کردیا ہے۔ تھوڑی دیر میں ہمت سے تبدیل ہوجائے گا۔

قاتل۱: تھوڑی دیر۔ بے وقوف۔ کیا انعام حاصل کرنے کا خیال بالائے طاق ڈال دیا۔

قاتل۲: انعام۔ او عجب لفظ یاد دلایا، قسم ایمان کی اس نے ایمان کا فضلہ تک دل سے نکال دیا۔

قاتل۱: اب تیرا ایمان کہاں ہے۔

قاتل۲: بیرم کی مٹھی میں۔

قاتل۱: اور وہ مٹھی جب تک انعام دینے کے لیے نہ کھلے، ایمان کو اسی میں

بند رہنے دے۔

قاتل۲: ہاں وہ قید ہی کرنے کے قابل ہے۔ کیونکہ یہ ایک خطرناک وبا ہے۔ جس سے ہر عقل مند بچتا ہے اور جو ہر سمجھ دار ملک سے مارکر باہر نکال دی جاتی ہے۔ یہ ایک سرکش اور باغی روح ہے۔ جو انسان کے سینے میں بیٹھ کر بلوہ مچاتی ہے۔ یہ ہمیں روکتی ہے کہ جھوٹی قسم نہ کھاؤ۔ فریب نہ دو۔ خون نہ کرو۔ کیوں؟ ناپاک کام نہیں۔ یہ ہمیں سمجھاتی ہے کہ دوستوں کے گلے، عزیزوں کی گردنوں، غیروں کے مال، پڑوسی عورت کی عزت، ایک پر ہاتھ نہ ڈالو۔ وجہ؟ مذہب کی کتاب میں حرام ہے۔

قاتل۱: او مذہب اور کتاب۔ ہمارا مذہب روپیہ کا پیار ہے اور اس مذہب کی کتاب قتل و آزار ہے۔

قاتل۲: اور اس کتاب کو لکھنے والا قلم یہ چمکتی ہوئی تلوار ہے۔

قاتل۱: اور اس قلم کی سیاہی بے گناہوں کے خون کی دھار ہے۔

قاتل۲: چل کام شروع کریں۔

قاتل۱: ٹھہر وہ ہلتی ہے۔

زارا: کون؟

قاتل۱: چپ۔

زارا: یا خدا۔

قاتل۲: غل نہ مچاؤ۔

زارا: تم۔تم؟

قاتل۱: ادھر آؤ۔

زارا: تم کیا چاہتے ہو؟ تمھارا کیا مطلب ہے۔ میں ابا جان کو جگاتی ہوں۔

قاتل۲: ٹھہرو۔ وہ اب کبھی نہیں جاگ سکتا۔

زارا: تمھاری آواز میں بادل کی سی گرج ہے۔ تمھاری آنکھوں سے مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ لِلّٰہ بتاؤ تم کون ہو؟

قاتل ا: دو آدمیوں کے لباس میں ایک شخص کی موت۔

زارا: موت؟ کس کی؟

قاتل ۲: اس۔ اس۔

زارا: اس کی۔ آہ کیا تم اسے شہید کرنے آئے ہو۔ اس سے کیا گناہ ہوا ہے۔ اس نے کیا قصور کیا ہے۔

قاتل ۲: کوئی نہیں۔

زارا: پھر ایک غریب کا قتل کیوں منظور ہے۔ کیا اس قصور پر ذبح کرنا چاہتے ہو کہ یہ بے قصور ہے۔

قاتل ا: ہم اس کا خون اپنے حاکم کے حکم پر کرتے ہیں۔

زارا: مگر تمام حاکموں کے حاکم نے حکم دیا ہے کہ تم کسی کا خون نہ کرو۔

قاتل ۲: تو کیا.....

زارا: تم اسے بہتر سمجھتے ہو کہ ایک انسان کے حکم کے لیے خدا کے حکم کو ٹال دو۔ کیا یہ کوئی عقل مندی ہے کہ ایک باغی رعیت کے حکم کے سامنے سر جھکادو۔ اور ایک منصف شہنشاہ کے حکم نامے کو ٹھوکروں سے مارکر کونے میں ڈال دو۔

قاتل ۲: تو تمھاری کیا مرضی ہے۔

زارا: یہ کہ اپنے کو اس کے غصے اور لعنت سے بچاؤ۔

قاتل ۲: یعنی۔

زارا: رحم کرو اور واپس جاؤ۔

قاتل ا: رحم بزدلوں اور عورتوں کا شیوہ ہے۔

زارا: نہیں بلکہ نیکوں اور اچھوں کا کام ہے۔ میں تم سے پوچھتی ہوں کہ اگر رحم واقعی ایسی خراب چیز ہے تو پھر خدا کا کریم اور رحیم کیوں نام ہے۔

قاتل ا: وہ اس سے پوچھو۔ ہم تو رحم کو ایک بے کار شے سمجھتے ہیں۔

زارا: یہ اس لیے کہ ابھی تمھیں رحم کی ضرورت نہیں پڑی۔ اگر اس بے گناہ

بوڑھے کی جگہ تم سوئے ہوتے اور تمھاری جگہ ایک وحشی جلاد کھڑا ہوتا، اس جلاد کے ہاتھ میں یہی چھری ہوتی اور اس چھری کی نوک تمھارے سینے کی طرف جھکی ہوتی۔

قاتل۲: تو؟

زارا: اس وقت تمھیں معلوم ہوتا کہ رحم جو تمام دنیا کو عزیز ہے وہ بے کار شے نہیں بلکہ نہایت ضروری چیز ہے۔

قاتل۱: یہ کس کو سمجھا رہی ہو۔ کیا قید خانے کی دیواروں کو۔

زارا: نہیں تم کو۔ اے بولتے ہوئے پتھرو۔ تم کو۔ اگر تمھارے سینے میں دل اور سر میں آنکھیں ہوں تو دل میں سوچو۔ آنکھوں سے دیکھو۔ دیکھو ادھر دیکھو۔ یہ احسان و مروت کی دنیا کا چاند، جس کے گرد نیکی اور بے گناہی ہالہ کیے ہوے ہے، کیا اس قابل ہے کہ خون کی چادر میں چھپا دیا جائے۔ یہ قدرت کا روشن کیا ہوا چراغ جس کے گرد معصومیت پروانے کی طرح پھر رہی ہے، کیا اس لائق ہے کہ سوتے میں بجھا دیا جائے۔

قاتل۱: خیر اگر سوتے میں قتل کرنا ظلم ہے تو ہم جگاکر وار کریں گے۔

قاتل۲: اور اس میں بھی یہ رعایت ہے کہ جب تک وہ خدا سے اپنے گناہوں کی معافی نہ مانگ لے اس کی موت کا انتظار کریں گے۔

زارا: کیا تمھاری روح میں مذہب کا اتنا جذبہ ہے کہ اسے گناہوں کی معافی مانگنے تک مہلت دوگے۔

قاتل۲: یہ اس کی روح پر رحم ہے۔

زارا: تو پھر اپنی روح پر کیوں رحم نہیں کرتے؟ یہ کیسی تعجب کی بات ہے کہ اوروں کے لیے روشنی بنو اور خود تاریکی میں گرفتار رہو۔ افسوس ہے تم پر کہ جس گڑھے سے دوسروں کو بچاتے ہو۔ خود اس میں آنکھ بند کرکے کودنے کو تیار ہو۔

قاتل۱: چپ رہو۔ جب ہم اپنے ہاتھ کی طاقت اور چھری کی دھار آزمانے

آتے ہیں تو نصیحت سننے والے کان ساتھ نہیں لاتے ہیں۔

زارا: مگر آنکھیں تو ہمراہ ہوتی ہیں۔

قاتل ۱: وہ سوائے ایک تڑپتی ہوئی لاش کے اور کچھ دیکھنا نہیں چاہتیں۔

زارا: لیکن ان کو مجبور کرو کہ تھوڑی دیر کے لیے تمھاری روح کی بھلائی پر نظر ڈالیں۔ میرے بھائیو۔ جو ایک دنیا کا دوست تھا۔ اس کے دشمن ہوگئے ہو۔ اگر اس بے گناہ کو قتل بھی کیا تو کیا فائدہ اٹھاؤ گے۔ کون سا نفع ہوگا۔ کیا پاؤ گے۔ طاقت اور زور تھا وہ بڑھاپے نے لے لیا۔ دولت اور سلطنت تھی وہ ظالم بیٹیوں نے چھین لی۔ ہوش و حواس تھے وہ مصیبت نے لوٹ لیے۔ اب مٹھی بھر ہڈیاں، چند ٹھنڈی سانسیں اور ایک کمزور نحیف اور دکھ کے بوجھ کے نیچے سسکتی ہوئی جان باقی ہے۔ مگر یہ بھی تمھارے کام نہیں آسکتی۔ ہڈیاں گل کر خاک ہو جائیں گی۔ سانسیں ہوا میں مل جائیں گی۔ جان خدا کے پاس پہنچ جائے گی۔ ہاں اگر کچھ رہ جائے گا تو میرے لیے ماتم اور اضطراب اور تمھارے لیے دنیا کی رسوائی۔ خدا کی لعنت۔ اور جہنم کا عذاب۔

قاتل ۲: کیسے مہیب لفظ ہیں۔ قسم شجاعت کی اگر یہ اس طرح سمجھاتی رہی تو ہم ایک ادھورا ہاتھ بھی مشکل سے مار سکیں گے۔

قاتل ۱: دل پتھر کرو۔ اگر تمھیں ڈر ہے کہ اس کی فریاد کہیں ہمارے کاموں میں دراندازنہ ہو۔ تو چلو ایسی جگہ لے جاکر ماریں جہاں فرشتہ موت کے پروں کی کھڑکھڑاہٹ اور اس کی آخری چیخ کے سوا اور کوئی آواز نہ ہو۔

زارا: نہیں نہیں۔ تم دھوکا کھاتے ہو۔ آسمان۔ زمین۔ ہوا۔ فرشتے۔ بلکہ کائنات کا ایک ایک ذرہ چلائے گا۔ اگر ان کی یہ آواز بھی نہ سنوگے تو خود تمھارا ضمیر سینہ پھاڑ کر باہر نکل آئے گا۔ اور شور مچائے گا۔

قاتل ۱: قسم شجاعت کی۔ اگر اس جہنمی کام سے باز رکھنے کے لیے ہمیں جہنم میں لے جاؤ اور وہاں مرنے کے بعد جس ہولناک چکی میں ہمارے

بدن کو کچل کر ہماری ہڈیاں چور کردی جائیں گی۔ وہ بچھوؤں کے ڈنک اور سانپوں کی زبانوں سے بنے ہوئے کوڑے جس سے ہماری پیٹھ کی کھالیں مار مار کر دور کردی جائیں گی۔ وہ سڑی ہوئی پیپ اور لہو سے بھرا ہوا گڑھا جس میں ہمیں سر کے بل ڈالا جائے گا۔ وہ آگ اور گندھک کی دیگ جس میں ہمارا جسم رکھ کر ابالا جائے گا۔ یہ اور اس سے زیادہ سخت عذاب دکھاؤ اور پھر دنیا میں لوٹا کر لاؤ تو بھی سب سے پہلے ہم جو کام کریں گے.....

قاتل۲: وہ یہی کہ اس کو تمام کریں گے۔

زارا: افسوس تم نے ثابت کر دیا کہ تم مٹی کے نہیں پتھر کے بنے ہوئے ہو۔ کیوں کہ ذرا بھی نرم نہیں ہوتے۔ تاہم میں پھر تمھاری منت کرتی ہوں۔ ہاتھ جوڑتی ہوں۔ میرے بھائیو۔ تم اپنے بھائیوں اور بچوں کے صدقے میرے باپ کو معاف کردو۔ دیکھو میری طرف دیکھو۔ میں ایک شہزادی ہو کر تم سے بھیک مانگ رہی ہوں۔ سخی بنو۔ بخش دو۔

قاتل۱: چپ۔

زارا: (آگے بڑھ کر دامن پکڑتی ہے) سنو میری سنو۔

قاتل۲: چپ۔

زارا: خدا کے لیے۔ خدا کے لیے۔

قاتل۱: (منھ کی طرف پھری کرکے) میں کہتا ہوں کہ چپ۔

خاقان: کون؟_ تم کون؟ چھوڑ دو میری زارا کو ورنہ میں ناخن سے تمھارا چہرہ.....

قاتل۱: پکڑ لو۔

زارا: آہ کیا کرتے ہو۔ کیا کرتے ہو: ظالم_ خدا_ غریب باپ۔

(قاتلوں کا خاقان کو پکڑ کر لے جانا۔ زارا کا بیہوش
ہوکر گرجانا اور مہ پارہ کا داخل ہونا)

مہ پارہ: سوتی ہے.....ایک وار۔ بس ایک وار۔ آ اے سانپوں، بچھوؤں، بھیڑیوں اور تمام دنیا کے درندوں کی خونی فطرت آ اور میری رگ رگ میں اتر جا۔ آ اے خونخوار شیطان اور میرے جسم کا تمام خون چوس کر اندھا بنا دینے والا جوش اور حیوان بنادینے والے غصے کا زہر بھرجا۔ اے پہاڑوں میں سوئے ہوئے اژدہو اتنی زور سے خراٹے لو کہ تمھاری سانسوں کی آندھی سے آسمانی چراغوں کی روشنی گل ہو جائے۔ اے رات اس قدر تاریک ہوکہ میری آنکھیں بھی میرے ہاتھ کا فعل نہ دیکھنے پائیں۔ انسان کی فطری بے رحمی اس وقت میرے دل کے دروازے پر پہرہ دے تاکہ افسوس و محبت کو اس میں دخل پانا دشوار ہو جائے۔ میرے نازک ہاتھ اتنا قوی ہو کہ اگر آسمان کے ساتوں طبقے سپر بنیں تو یہ چھری ان سب کو توڑ کر سینے کے پار ہو جائے_ وہ جاگی۔

(مہ پارہ چھپ جاتی ہے)

زارا: لے گئے۔ بھیڑیے آئے اور معصول برّے کو لے گئے۔

مہ پارہ: کم بخت۔ ابھی تک باپ کے لیے روتی ہے۔

زارا: آسمان سن رہا تھا۔ زمین دیکھ رہی تھی۔ یہ دیواریں پاس کھڑی ہوئی تھیں۔ مگر کسی نے ترس نہ کھایا۔ کسی نے اسے نہ بچایا۔

مہ پارہ: اور کوئی تجھے بھی نہ بچائے گا۔

زارا: (اچھل کر) آہ مہ پارہ۔ بہن۔ میری بہن۔ دوڑ۔ خدا کے لیے دوڑ۔ ورنہ وہ غریب قتل کردیا جائے گا۔

مہ پارہ: کون غریب؟

زارا: اری تو نہیں جانتی۔ وہی غریب جس کی بدولت آج تو شہزادی کہلاتی ہے۔

مہ پارہ: تو کیا تیرا باپ۔

زارا: میرا باپ۔ تو کیا وہ تیرا باپ نہیں ہے۔ کیا اس کے گوشت اور لہو سے میں ہی پیدا ہوئی ہوں۔ میری اچھی بہن۔ تو اس کی مہربانیوں کو اس قدر جلدی تو نہ بھول جا۔ کچھ تو اس کی محبت کو یاد کر۔ اگر اور کچھ نہیں کرسکتی تو صرف اتنا ہی کر کہ ان ظالموں کے ہاتھ سے اسے آزاد کر۔

مہ پارہ: وہ آزاد ہی کرنے کے لیے گئے ہیں۔

زارا: اری نہیں۔ وہ اسے قتل کرنے کے لیے لے گئے ہیں۔

مہ پارہ: وہ قتل ہی کرنے کے لائق ہے۔

زارا: اری یہ تو کہتی ہے۔ جو اس کی بیٹی ہے۔ کیا اس منھ سے یہ ناپاکی ظاہر ہوتی ہے جس کو اس غریب فرشتے نے سینکڑوں بار محبت سے چوما ہے۔

مہ پارہ: بس خاموش ورنہ زبان کاٹ لی جائے گی۔

زارا: اگر تو زبان کاٹ لے گی تو میں آنکھوں کے اشارے سے سمجھاؤں گی۔

مہ پارہ: وہ بھی پھوڑدی جائیں گی۔

زارا: تو میں اپنا سر اس غریب کے لیے تیرے قدموں پر جھکاؤں گی۔

مہ پارہ: وہ بھی علیحدہ کردیا جائے گا۔

زارا: اللہ۔ اللہ۔ تو اتنی جلاد ہے۔

مہ پارہ: کم بخت۔ یہ تو معمولی بیداد ہے۔

زارا: سبب؟

مہ پارہ: بے سبب۔

زارا: گناہ؟

مہ پارہ: بے گناہ۔

زارا: قصور؟

مہ پارہ: بے قصور۔

زارا: یہ جفا کاری۔

مہ پارہ: مرضی ہماری۔

زارا: رحم۔ رحم۔ جلاد رحم او خدا۔

مہ پارہ: بس ہوچکا۔ اب سر جھکا۔

(سپاہیوں کے چیخنے کی آواز)

مہ پارہ: ہیں۔ یہ کیسی آواز۔ کوئی اندر تو نہیں چھپا۔ ذرا دیکھ آؤں۔

زارا: ہائے ہائے۔ کوئی ترس کھانے والا نہیں۔ کوئی بچانے والا نہیں۔ اب کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔ ہاں وہاں چھپ جاؤں۔

(زارا کا چھپ جانا۔ بیرم اور دل آرا کا نشے کی حالت میں آنا)

دل آرا: پلنگ تو خالی ہے۔

بیرم: شاید وہ زارا کو قتل کرنے کے لیے دوسرے کمرے میں لے گئی ہو۔

دل آرا: اچھا تو میں یہیں ٹھہرتی ہوں۔ جس وقت وہ خون میں ڈوبی ہوئی نکلے۔

بیرم: تو فوراً تم شور مچاکر اس کو پکڑوا دینا۔

(بیرم کا جانا)

دل آرا: اور تم بھی جس وقت میری آواز سنو فوراً باہر آجانا۔ آ۔آ۔ او اجل رسیدہ مہ پارہ۔ دیکھ تو سہی کہ تیری چالاکیاں آج تیرے لیے کیا جال بچھاتی ہیں۔ مگر ہاں۔ بیرم نے حوصلہ بڑھانے کے لیے شراب کس قدر

پلادی ہے کہ میری آنکھ بند ہوئی جا رہی ہے۔

(پلنگ پر لیٹ جانا۔ مہ پارہ کا آنا اور دل آرا کو زارا سمجھ کر وار کرنا)

مہ پارہ: کوئی نہیں۔ اب میں اپنا کام کروں۔ لے اے ناپاک۔ خس کم جہاں پاک۔ (خنجر مارنا)

دل آرا: آہ قاتل سفاک۔ (زارا کا آنا)

زارا: اوہ غضب۔ (ڈر کر بھاگ جانا)

مہ پارہ: ہیں یہ کون زارا۔ اور یہ کون دل آرا۔ ہیں یہ میں نے کیا کیا؟

دل آرا: جو تو چاہتی تھی۔

(بیرم کا آنا)

مہ پارہ: میں کیا چاہتی تھی دل آرا۔

دل آرا: یہی کہ زارا کا خون بہائے اور اس کا الزام مجھ پر لگائے۔

مہ پارہ: دل آرا۔ دل آرا۔ تو دھوکا کھاتی ہے۔

دل آرا: نہیں نہیں دھوکا نہیں۔ بیرم تم خاموش کھڑے ہو۔ بولتے کیوں نہیں۔

مہ پارہ: تو کیا یہ سب بیرم نے کہا۔

(بیرم کی بھاگنے کی کوشش۔ مہ پارہ کا بیرم
کو اور بیرم کا مہ پارہ کو پستول سے مارنا)

مہ پارہ: ٹھہر او نمک حرام غلام تو کہاں جاتا ہے۔

باب تیسرا ـــــــــــ سین تیسرا

تاریک جنگل

(قاتلوں کا خاقان کو قتل کرنے کے لیے لانا۔ کیواں کا قاتلوں کو مار گرانا اور خاقان کو چھڑا کر لے جانا)

باب تیسرا ـــــــــــ سین چوتھا

بغلول کا مکان

گل دم: (گاتا)
بانکے بلماں سے گیاں نجر لاگی رے۔ بانکے بلماں.....
نجر لاگی رے۔ نجر لاگی رے۔ بانکے.....
جلا جلا کے تپ عشق نے تمام کیا
فراق یار نے مارا قضا کا نام لیا
لاگی ہے کاری گیاں۔ برہا کٹاری گیاں
ہائے نہ مواری گیاں۔ جاؤں میں واری گیاں
بانکے ہماں سے گیاں نجر لاگی رے

(خود کلامی) یا اللہ کیا کروں۔ کدھر جاؤں۔ نہ طرم سنے نہ جلیل۔ اور نہ وہ موا بغلول ہی پسیجے۔ کس کس کے آگے ہاتھ جوڑوں۔ یہ بھی تو غضب ہے کہ قصور اپنا اور خواہ مخواہ بے چارے بغلول کو بورے میں بند کرکے پٹوایا۔ خود بھی نوکری سے برطرف ہوا اور اب مجھے بھی حکم ہوجائے گا کہ چلی جاؤ۔

گل خیرو: کوئی نہیں۔ مطلع صاف ہے پیاری۔

گل دم: ہیں کون۔ گل خیرو۔

گل خیرو: ہاں بی کیسرو۔ کہو کیا خبر ہے۔ لڑکی ہے یا لڑکا۔

گل دم: ارے موے۔ خبر کیا تیری قبر۔

گل خیرو: کیوں۔ تو نے جو معافی کی امید دلائی تھی۔ وہ سب فضول گئی۔

گل دم: ارے موے۔ معافی کیسی۔ تیرے نام سے تو گھر کا گھر ہی بیزار ہے۔ اور وہ بغلول تو تجھے حلال ہی کرنے کو تیار ہے۔

گل خیرو: کیا پھر کوئی نئی جھک آئی ہے۔

گل دم: ارے اس موئے نے آلو پیاز چھیلنے کی چھری سان پر لگائی ہے۔

گل خیرو: ہوں۔ معلوم ہوا کہ بھانڈ نہیں بلکہ قصائی ہے۔ خیر جی۔ یہ تو ہوتا رہے گا۔ مگر تو تو اچھی ہے۔

(دونوں کا گانا)

دونوں: دل بسمل پہ قاتل نے خنجر سنبھالا

گل خیرو: مارا نظر کا بھالا

گل دم: اے جی واہ واہ واہ

گل خیرو: ؎

آنکھوں میں نظر آتی ہیں یوں پتلیاں کالی
کلکتے کے مندر میں ہو جس طرح سے کالی
ہر بات کرامات ہے ہر گھات نرالی
صدقے ترے انوٹ پہ مرے باپ کی سالی

(گانا) میری خالہ۔ برسوں ٹالا۔ دے بوسہ ایک مزے والا۔
دل بسمل پہ قاتل نے.....

(بغلول آواز دیتا ہوا آتا ہے)

بغلول: گل دم۔ او ماں زادی۔

گل خیرو: کون۔ بغلول۔ بربادی۔

گل دم: گل خیرو۔ بھاگ بھاگ۔

گل خیرو: اے کہاں بھاگوں۔

گل دم: ارے اِدھر اِدھر۔

طرم: جلیل۔ جلیل۔

گل خیرو: ارے باپ رے۔ ایک طرف کنواں۔ دوسری طرف کھائی۔ کہیں چھپادے گل دم بائی۔

گل دم: اچھا ٹھہرو۔

(گل دم پوڈر اور پتلے کا ڈریس لاکر گل خیرو کو پینٹ کرکے پتلے کا ڈریس پہنا کر میز پر کھڑا کرتی ہے)

گل خیرو: اری یہ کیا کرتی ہے۔ مجھے سفیدہ کیوں لگاتی ہے۔ کیا مجھے ناٹک کا ایکٹر بناتی ہے۔

گل دم: سمجھ گیا نا۔

گل خیرو: ارے ہاں ہاں۔ سمجھ گیا۔ مجھے پتلا بناکر اس کاٹھ کے الو کو دھوکا دینا چاہتی ہے۔

گل دم: دیکھ وہ آگیا۔ اب سیدھی طرح کھڑا ہوجا۔

بغلول: یہ کھڑی ہے۔ خبیث کی بچی۔ کیوں ری بہری۔ میں نے تجھے کتنی دفع پکارا۔

گل دم: حضور نے۔

بغلول: ہاں۔

گل دم: کیوں۔ کس لیے۔

بغلول: اس لیے کہ تو جو مرزا طرم سے بار بار گل خیرو کے لیے سفارش کرتی ہے۔ اس سے تیرا مطلب؟

گل دم: حضور دیکھیے نا۔ وہ بیچارا۔ شریف۔

بغلول: ہاں شریف اور اس کے ساتھ بیچارا۔

گل دم: جی ہاں۔ شریف ہی ہے۔ جو مارے شرم کے آج تک شکل نہیں دکھائی۔

بہلول: اور مجھے خواہ مخواہ بوریے میں بند کر کے پٹوایا۔ مگر گل دم یہاں تو کچھ نہ تھا پھر یہ پتلا کہاں سے آیا۔

گل دم: حضور یہ پتلا میرے خالو کے سالے نے مصر سے تحفہ بھیجا ہے۔ ذرا غور سے دیکھیے کہ بنانے والے نے کیا کمال کیا ہے۔

بہلول: گل دم۔ پتلا تو اچھا ہے۔ مگر اس کا رنگ کیوں کچا ہے۔

گل دم: کچا نہیں حضور پکا ہے۔

بہلول: مگر اس پتلے میں اس خبیث کے بچے گل خیرو کی تھوڑی مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔

گل دم: نہیں حضور۔ بڑھاپے کی وجہ سے آپ کی آنکھیں ذرا چندھیاتی ہیں۔ لیجیے یہ چابی۔ اس کو لگائیے اور اس کی کاریگری ملاحظہ فرمائیے۔

(بہلول کا چابی لگانا۔ نقلی پتلے گل خیرو کا متحرک ہونا)

واہ۔ واہ۔ ماشااللہ۔ سبحان اللہ۔ اررر۔ شاید چابی الٹی لگ گئی۔لاحول و لا۔ یہ پتلا تو مارتا ہے۔ ہاں اب سمجھا یہ پتلا وتلا کچھ نہیں۔ اچھا اب کی دفعہ بہت سی چابی لگاکر بھاگ جاتا ہوں۔ ارررر۔ یہ کیا۔ اس نے تو پوزیشن بدل لی۔ اوہو اب میں سمجھا یہ تو خبیث کا بچہ گل خیرو ہے۔ اب جاتا ہوں اور ڈنڈا لاتا ہوں۔

گل خیرو: ہائے ہائے۔ اب کیا کروں۔ وہ تو ڈنڈا لینے گیا ہے۔ ٹھیک ہے میز کے نیچے چھپ جاؤں۔

(پھڑک کا شراب پیتے ہوئے آنا)

پھڑک: مرجاؤں گا مگر شراب کسی کو نہ دوں گا۔

(بہلول کا ڈنڈا لے کر آنا اور گل خیرو کے دھوکے میں پھڑک کو مارنا)

بلبلول: ہاں۔ اسی کم بخت نے مجھے مارا تھا۔

پھڑک: ہیں۔ ڈنڈا لگا کر بھاگا۔ ہت تیری دم میں دھاگا۔ اچھی عورت ہے۔ اچھی صورت ہے اور نام کس مزے کا ہے۔ گل دم۔

گل خیرو: اور یہ تو میری گل دم کا نام لے رہا ہے۔

پھڑک: اور دم کاٹ دو تو باقی رہا گل۔ یعنی پھول۔ بس اگر وہ پھول ہے تو مجھے قبول ہے۔

گل خیرو: وہ تو کانٹوں دار ببول ہے۔

(گل دم کا شراب لاکر پھڑک کو دینا)

گل دم: لیجیے جناب شراب۔

(پھڑک کا کرسی پر بیٹھ جانا اور ٹوپی اتارکر میز پر رکھنا۔
گل خیرو کا پھڑک کی ٹوپی اور جوتی غائب کرنا)

پھڑک: ہیں میری ٹوپی کہاں گئی۔

گل دم: حضور لائے بھی تھے۔

پھڑک: کیا بکتی ہے۔ ابھی تو میں نے اتارکر یہاں رکھی ہے۔ اے لو میرا جوتا بھی غائب۔ یہ لو میری ٹوپی اور یہ رہی میری جوتی۔ اچھا میری ایک بات کان میں سن سکتی ہو۔

گل خیرو: دیکھو کم بخت نے بوسہ لینے کا ڈھنگ نکالا۔

گل دم: نہیں حضور میں اب جاتی ہوں۔

پھڑک: اری ظالم یاروں سے تو نہ اکڑ۔

گل خیرو: خیرو۔ لے جوتا اور دے دھڑا دھڑ۔

(تینوں کا مل کر گانا)

توری سانوریا
پتلی کمریا۔ جاو بجریا سنبھال کے

گل دم: موری بنیاں نہ کھائے جھٹکا
پھڑک: گوری دیتے سے دھیرے کر لٹکا
گل خیرو: ہاں دو پیسہ کا
پھڑک: دل اٹکا ہے لٹ میں بال کے۔ جنگل ہے جھاڑی ہے۔باغ ہے باڑی ہے۔
گھوڑا ہے گاڑی ہے۔ چولی ہے ساڑی ہے۔
دارو ہے تاڑی ہے۔
دے دے مجھے ایک پیار۔
گل دم: ہاں جی جوبن کہاں ہے سنبھالا۔ یہ منھ اور گرم مسالہ۔ توری نجریا.....
پھڑک: مارے کٹا رے۔
گل خیرو: الو تیرا ہے منہ کالا۔
پھڑک: آؤ۔
گل دم: جاؤ۔ توری سانوریا۔ پتلی کمریا.....
گل خیرو: اور کر میری پیاری سے مذاق۔
طرم: کیا ہے۔ کیا ہے۔ کیوں بے خبیث۔ پھر میرے گھر میں گھوٹالا۔

(سب کا گانا)

مارو۔ مار مارو
یہ ہے لچا اور آوارہ
اجی میں تو ہوں بے چارہ
اہا ہا ہا ہا ہا ہا ہا

مارو گھونسہ۔ نکلے بھوسا۔ یہ بل بوتا۔ اررر مارو جوتا

اررر۔ مارو۔ مارو۔ مارو

اس کی کھال تک اتارو۔ اس کی ہڈیاں سنبھالو۔ اور جان بھی نکالو

اب بنا دو یاں مزار

بس باوا چھوڑو۔ میری ہڈیاں نہ توڑو

اب ہے توبہ لاکھ بار

یہ گھونسا اور یہ ڈنڈا۔ بس ہوگیا باوا میں ٹھنڈا

آہا ہا ہا ہا۔ او ہو ہو ہو ہو۔ اے ہی ہی ہی ہی

مارو۔ مار ۔ مارو

یہ ہے بُرا اور آوارہ

باب تیسرا ——— سین پانچواں

دربار

(گانا اہل دربار کا)

لاثانی۔ لاثانی ہے۔ ہے شان یزدانی۔ دکھائی فصل شادمانی
در و دیوار سے۔ شہر و بازار سے۔ نقش و نگار سے ہے اظہار
جوش خمار۔ رنگ بہار۔ باغ جہاں پہ چھایا ہے نکھار۔
ہر خار و زار ہے گل غدار۔ باغ پر بہار۔ لاثانی۔ لاثانی.....

زارا: اباجان۔ قدم رنجہ فرمایئے۔ یہ تاج و تخت جو مدت سے آپ کے قدموں سے محروم ہوگیا تھا۔ اسے پھر دوبارہ مبارک بنایئے۔

خاقان: بس۔ اے میرے خون کے سب سے زیادہ پاک قطرے۔ اب میرا تخت وہ لکڑی کا تختہ ہوگا جس پر موت سلا کر اس بادشاہوں کے بادشاہ کے دربار میں لے جائے گی۔ اور میری قبا وہ قبا ہوگی جو مرنے کے بعد دو گز کفن اپنے ہاتھوں سے پہنائے گی۔

زارا: اباجان۔

خاقان: باپ کی جان قربان۔ غور تو کر کہ یہ وہی ہاتھ ہیں جنھوں نے مغرور ہوکر تیرا حق چھینا تھا۔ اب اس کے انصاف کو دیکھ کر انھی ہاتھوں سے تیرا حق تجھے واپس دلاتا ہے۔

ارسلان: ؎ یوں پاتے ہیں اعزاز جو کرتے ہیں عمل نیک

اہل دربار: نیکی کا زمانے میں سدا ملتا ہے پھل نیک

خاقان: میرے شریف دوست۔ تم نے میری جو جو خدمتیں کی ہیں۔ اس کا شکریہ میں زبان سے ادا نہیں کرسکتا۔

ارسلان: حضور اس غلام کو بار بار کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔ سوائے افسوس کے اور کون سی وفاداری اس خانہ زاد سے وقوع میں آئی۔ سچی ہمدردی اور ہمیشہ یاد رہنے والی وفاداری وہ تھی جو شریف سعدان نے دکھائی۔

خاقان: ہاں۔ میرا باوفا سعدان۔ شہید جفا سعدان ۔

ضحاک نہ فرعون نہ شداد نے کیا
جو تجھ پہ اور مجھ پہ اس اولاد نے کیا
سینے میں ہوگیا ہے دل ناامید خوں
دیکھا تو کیا سنا بھی نہ ایسا سفید خوں

شوہر زارا: حضور جو خدا کو منظور تھا اس کا ہونا ضرور تھا۔

خاقان: آؤ میرے پیارے بچو۔ ایک مرتبہ دوبارہ میرے سامنے ہاتھ ملاو ۔

اہل زمیں پہ صورت مہرِ فلک رہو
زندہ رہو، نہال رہو حشر تک رہو

(اہل دربار کا گانا)

آؤ مل کر شادی رچائیں
ناچیں گائیں
تازہ کھلا گلزار
آؤ مل کر شادی رچائیں
جوڑا شاہانہ، کیا ہے سہانا، جو بن کی کیسی بہار
پیاری دلاری شہزادی ہماری
گاؤ مبارک بادی
آؤ مل کر شادی رچائیں

کھلی۔ کھلی کیسی چمپا کلی
گاؤ گاؤ سکھیاں۔ گاؤ گاؤ سکھیاں
ناچو ناچو سکھیاں
دھاکٹ دھم
دھر دھر کٹ تک
دھاکٹ
آؤ مل کر شادی رچائیں۔ ناچیں گائیں

-پردہ-

صید ہوس

صید ہوس (1907)

یہ ڈراما جسے کبھی کبھی ''بھائی کا قاتل'' کے نام سے بھی پیش کیا گیا، بنیادی طور پر اڈیسر بھائی ٹھونٹھی کی کمپنی کے لیے لکھا گیا تھا۔ اس کے سال تصنیف پر بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ کسی کے خیال کے مطابق یہ 1906 میں لکھا گیا ہے۔ کوئی اسے 1907 کی تصنیف کہتا ہے اور کسی کے نزدیک یہ 1908ء کی تخلیق ہے۔ ان سب لوگوں کے پاس اپنی بات کے لیے اپنے اپنے جواز موجود ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آغا حشر نے یہ ڈراما ''سفید خون'' کے فوراً بعد لکھا تھا۔ اس کے ماخذ کے بارے میں بھی محقق متفق نہیں۔ کوئی اسے ''رچرڈد سوم'' سے ماخوذ بتاتا ہے، کوئی ''کنگ جان'' سے۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آغاحشر نے اسے لکھتے وقت دونوں سے استفادہ کیا تھا اور حسب معمول اس کے کرداروں کے نام اور اس کا تہذیبی پس منظر بدل کر اسے مشرق کے مزاج کے مطابق بنادیا تھا۔ اس موضوع پر لکھے گئے بے شمار ڈراموں میں آغا صاحب کا ڈراما ہی سب سے زیادہ مقبول اور کامیاب ثابت ہوا۔

آغا حشر کے ذخیرے سے اس کے دو مسودے ملے۔ پہلا مسودہ

مجلا رجسٹر کی شکل اور اچھی حالت میں ہے۔ ابتدائی صفحات میں جہاں کرداروں کی فہرست درج ہے اس کے آگے پنسل سے ان کرداروں کو ادا کرنے والے ایکٹروں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ جو اس طرح ہیں۔ دارا شاہ (بابو)، نادر (بچن صاحب)، سنجر (عنایت حسین)، قزل (عبدالرحیم)، قیصر (قربان)، شیر جنگ (یوسف)، درباری (امیر، گوپال، نوازش، رفیع اللہ)، ماموں (نوازش علی)، سردار (رفیع اللہ اور چٹرجی)، جلاد (چٹرجی، پتن)، شمشاد (احسان)، سرخاب (پیارے)، بوبک (امیر)، کریم (اسمٰعیل)، رحیم (نیاز)، جمعدار (بابو)، ملکہ مہر عالم (تصدق حسین)، اقبال (علی محمد)، اختر (جدن) سہیلیاں (جدن، قربان، سلطان، عاشق، نرگس، طفیل)، نزاکت (مس منی)۔ اس مسودے کے کاتب منظور احمد عظیم احمد عظیم آبادی اور سید حسین بچھن ہیں۔ مسودے کے سرورق پر مقام کتابت عظیم آباد پٹنہ اور تاریخ کتاب 31/ مئی 1926 درج ہے۔ آخر میں تاریخ تکمیل 26/جنوری 1928 لکھی ہوئی ہے۔ اس جلد میں شامل متن کی تیاری میں اس مسودے کو بنیادی حیثیت سے استعمال کیا گیا ہے۔

دوسرا دستیاب مسودہ خستہ اور نامکمل حالت میں ہے۔ یہ منتشر اوراق کی شکل میں ہے۔ دیکھنے میں سب سے قدیم معلوم ہوتا ہے۔ اس کا خط شکستہ اور اکثر مقامات پر ناقابل فہم ہے۔ یہ کسی ایک کاتب کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ سنہ کتابت اور کاتبین کا نام بھی کہیں درج نہیں ہے۔ چنانچہ اس مسودے سے متن کی تیاری میں کوئی مدد نہیں لی جاسکی۔

ان مسودات کے علاوہ مندرجہ ذیل چار مطبوعہ نسخے بھی متن کی تیاری کے دوران پیش نظر رہے ہیں اور جہاں ضرورت ہوئی ہے الفاظ کو

سمجھنے میں ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔ پہلا نسخہ مرتبہ عشرت رحمانی ہے جو اردو مرکز، لاہور سے 1954 میں پہلی بار شائع ہوا۔ دوسرا مطبوعہ نسخہ تاج اکادمی، مٹیا محل، دہلی کا ہے، جو 1966 میں چھپا، تیسرا نسخہ آئینہ ادب، چوک مینار، انار کلی، لاہور سے پہلی بار 1983 میں شائع ہوا۔ چوتھا نسخہ ہندی میں ہے جس میں مصنف کی حیثیت سے آغا حشر کا نام کہیں درج نہیں۔ اس میں بس اتنا لکھا ہے کہ اسے منشی جلال احمد شاؔد سے حاصل کرکے بابو شیو رام داس نے چھاپا۔ اس میں سنہ اشاعت بھی موجود نہیں ہے لیکن یہ لکھا ہوا ہے کہ دوسرا ایڈیشن ہے۔

کردار

1۔	دارا شاہ	بادشاہ
2۔	نادر جنگ	دارا کا غاصب بھائی
3۔	قزل	امیر سلطنت
4۔	شیر جنگ	سپہ سالار
5۔	سنجر	دارا کا بڑا بیٹا
6۔	قیصر	دارا کا چھوٹا بیٹا
7۔	ماموں	مہر عالم کا بھائی
8۔	سرخاب	احمق امیر
9۔	کرامت	ایک نوجوان
10۔	کریم }	سرخاب کے نوکر
11۔	رحیم }	

12۔	بوبک	نرگس کا بوڑھا منگیتر
13۔	شمشاد	نرگس کا عاشق
14۔	ملکہ مہر عالم	دارا کی بیگم
15۔	اختر	دارا کی بیٹی
16۔	اقبال	نادر کی بیٹی
17۔	بیگم	سرخاب کی بیوی
18۔	نرگس	سرخاب کی بیٹی
19۔	نزاکت	کرامت کی بیوی
		اور متفرق کردار

باب پہلا ——— سین پہلا

نادر جنگ کا باغیچہ
(سہیلیوں کا گانا اور درباری امیروں کا کھڑے نظر آنا)

تو داتا۔ جگ داتا۔ تیرا نس دن رٹے نام سنسار
تیرا آدھار۔ نت بچار۔ تم پر نثار لاکھ بار
کرم۔ دھرم۔ راکھو شرم سب سکھ کر کرتار
کیسی پیاری پھلواری۔ قدرت کی گل کاری
دیکھو بہار۔ کیسا نکھار
ہر چمن میں تو ہی بسا۔ سب کشٹ ہرتا
تو داتا۔ جگ داتا.....

پہلا امیر:۔
گھنگھور گھٹائیں چھائی ہیں، رت بدلی آج زمانے کی
پی اور پلاتا جا ساقی ہو خیر ترے میخانے کی

دوسرا امیر:۔
نرگس کے اشارے ہوتے ہیں پھولوں کا رنگ بدلتا ہے
غنچے کی صراحی ڈھلتی ہے لالہ کا پیالا چلتا ہے

تیسرا امیر:۔
سب رند ہیں مست الست بنے مے دست بدست اڑاتے ہیں
سب سنگ ترنگ امنگ میں ہیں سو ڈھنگ سے رنگ جماتے ہیں

چوتھا امیر: ہاں کاگ اڑے۔
پہلا امیر: بے لاگ اڑے۔
دوسرا امیر: کچھ راگ اڑے۔
رامش گر: کیا گانا ہو۔
تیسرا امیر: کچھ دُھرپت سُر بت ٹپہ ٹپی۔
چوتھا امیر: یا توم تنا در تانا ہو۔

(سب امیروں کا مل کر گانا)

تو بھربھر جام پلا۔ گل لالہ بنادے متوالا
تو لالالا۔ تو.....
فصل بہار ہے۔ جوبن سنگار ہے۔ شیشے میں مے ہے پہلو میں یار ہے
تو بھر بھر جام پلا.....
سہیلیاں: (کورس)پنیاں بھرن کو میں کیسے پیاری جاؤں
پنیاں بھرت ہوں میں چھوڑو کلیاں
ڈھیلت لنگڑوا کے واری واری جاؤں
پنیاں بھرن کو میں کیسے پیاری جاؤں
روکو نہ موکو بیچ ڈگروا
شام مراری کے میں بلہاری جاؤں
پنیاں بھرن
شیریں گلے نے سب کو مزے میں ڈبا دیا
چشمے نے آج لطف کا دریا بہا دیا
پیاسی تھی روح اس لیے کانوں کی راہ سے
آب بقا میں شہد ملاکر پلا دیا

(قزل بیگ کا اندر آنا)

پہلا امیر: اخاہ۔ پیارے قزل بیگ آؤ۔

قزل: تمام دوستوں کو سلام۔ کورنش۔ تسلیم۔ آداب۔

پہلا امیر: سب دوستوں کے دوست آداب۔

قزل: قزل بیگ کے مہربانو۔ قزل بیگ کے معزز مہمانو۔ آپ خوش ہوں گے کہ میں آپ کے قدموں کو تھوڑی تکلیف دینے آیا ہوں۔ اور آپ کے کانوں کے لیے ایک خوش خبری لایا ہوں۔ خوش نصیب دوستو۔ اپنی آنکھیں بچھاؤ کہ شاہی آفتاب اپنے چاند اور ستاروں کے ساتھ زمین کو آسمان بنانے آیا ہے۔

پہلا امیر:

گر مہر و ماہ آتے ہیں جلوہ فزائی کو
زروں کو چاہیے کہ چلیں پیشوائی کو

(سب کا جانا)

قزل: (خود کلامی) گئے۔ اے فریب کے جال۔ دانا امیر تیرا شکار لینے کو گئے۔ آج اس دعوت کے جلسے میں دو دسترخوان بچھیں گے۔ ایک پر بادشاہ بیٹھے گا اور غریب جانوروں کی ہڈی اور گوشت سے تیار کی ہوئی لذیذ غذائیں کھائے گا اور دوسرے پر قضا بیٹھے گی۔ اسے یہ بادشاہ ٹکڑے بنا کر کھلایا جائے گا ۔

لٹکی ہے زباں، پھاڑے ہے منھ، بہر غذا موت
بھوکی ہے جہنم کی طرح........

(نادر جنگ کا آنا)

نادر جنگ: قہر۔ دغا۔

قزل: موت۔

نادر: ہاں موت۔ پیارے قزل موت۔ بڑوں کے مرنے ہی سے چھوٹوں کا کام چلتا ہے۔ سورج جب ڈوب جاتا ہے۔ اس وقت چاند چمکتا ہوا نکلتا ہے۔

قزل: بے وقوف ہے جو اس رائے کے خلاف ہو۔

نادر: میرے دوست۔ کم بخت بھائی کا وجود ہماری ترقی کی راہ میں ایک پتھر ہے۔ آج اس پتھر کو اٹھاکر قبر میں پھینک دو تاکہ ہمیشہ کے لیے راستہ صاف ہو۔

قزل: میں نے آپ کے حکم کے مطابق اس کے راستے میں کانٹے بچھادیے ہیں۔ چار بے رحم قاتل خوں خوار چھریوں اور طپنچوں کے ساتھ ان درختوں کی آڑ میں چھپادیے ہیں۔

نادر: بہادر دوست۔

قزل: جس وقت شکار زد کے سامنے نمودار ہوگا۔ ایک فیر ہوگی اور دھواں روح کو لیتا ہوا دماغ سے پار ہوگا۔

نادر: قزل۔ اور۔

قزل: حضور سنجر۔

نادر: ہاں۔ بیٹے نے سلطنت کے لیے باپ کو قتل کرایا۔ یہ الزام سنجر پر لگایا جائے گا۔

قزل: حضور مجھے سب سمجھا چکے ہیں۔ ان دونوں ٹھوکروں کو جو تخت تک آپ کو پہنچنے نہیں دیتیں۔ راستے سے ہٹایا جائے گا۔

نادر: پیارے قزل تم جانتے ہو کہ لوہا ہمیشہ لوہے سے کاٹا جاتا ہے۔ یہ دنیا مجسم بدی ہے۔ بدی کو آدمی بدی سے پاتا ہے۔ چلو آؤ خوشامدی

امیروں کی طرح اس کی پیشوائی کو چلیں۔ کیونکہ دنیا کو بے وقوف بنانے کے لیے خوشامد سے بڑھ کر اور کوئی اوزار نہیں ہے۔

قزل: بہت درست۔ مجھے بھی اس رائے سے انکار نہیں ہے ۔

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

(دونوں کا جانا۔ بادشاہ کا ملکہ، سنجر و قیصر اور درباری امیروں کے ساتھ آنا۔ پھر نادر و قزل کا آنا)

نادر:۔

بہار ہے تیرے دم قدم سے دماغ ہے ہفتمیں فلک پر
جہاں بھی کہتا ہے میں ہوں جنت اگر ہے خلدِ بریں فلک پر

قزل:۔

سخی، کرم ریزہ، ذرہ پرور، قدم رکھا تو نے جو یہاں پر
اچھالتی ہے خوشی میں آکر کلاہ عزت زمیں فلک پر

درباری ا:۔

حضور ہیں جلوہ گر ہمارے کھڑے ہیں خدام گرد سارے
نثار ہوتے ہیں چاند تارے ہے مہر مسند نشیں فلک پر

درباری ۲:۔

ضیائے اقبال بادشاہی رہے یوں ہی مہ سے تابہ ماہی
فروغ بخش جہاں الٰہی ہے جیسے مہر مبیں فلک پر

داراشاہ: جان برادر۔ اگر یہ سچ ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ انسان کے دل کا حال اس کے قول و فعل سے جانا جاتا ہے تو تمھاری باتیں اور برتاؤ ایک آئینہ ہیں۔ جس میں صداقت نظر آتی ہے۔ یہ آرائش اور روشنی جو تم نے آج میرے آنے کی خوشی میں کی ہے تمھارے دل کی چھپی ہوئی محبت کو روشنی میں لاتی ہے۔ ۔

نہایت خوش ہے بھائی آ کے بھائی کی ضیافت میں
نہیں تم، مجھ کو الفت لائی ہے الفت کی دعوت میں

نادر: آقا کا اس طرح خوشنودی ظاہر کرنا، یہ غلام کی عزت افزائی ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں اور فخر کرتا ہوں کہ آج سلیمان نے چیونٹی کی دعوت قبول فرمائی ہے۔ ؎

خانۂ کمتر میں ہے گردوں جناب آیا ہوا
آج ہے ذرے کے گھر میں آفتاب آیا ہوا

قیصر: اچھے قزل۔ تم جو کل کہتے تھے کہ جھوٹ بولنا بڑا عیب ہے۔

قزل: بے شک۔ میرے چھوٹے حضور۔

قیصر: پھر چچا جان کیوں جھوٹ فرماتے ہیں۔ کیا یہ چراغوں کی روشنی دھوپ ہے جو ابا جان کو آفتاب بتاتے ہیں۔

نادر: پیارے قیصر۔ یہ جھوٹ نہیں سچ ہے۔ اس وقت جو چہرہ چمک رہا ہے ہماری دنیا کے لیے یہی سورج ہے۔

قیصر: اگر ابا جان سورج ہیں تو پھر رات کو کیوں آئے، دن کو آنا تھا۔

نادر: وہ رات کو اس لیے آئے ہیں کہ اس چاند کو اپنے ساتھ لانا تھا۔

قزل: بہت خوب صورت۔

قیصر: قزل۔ کون؟ میں یا چچا جان؟

قزل: آپ میرے چھوٹے شہزادے۔ آپ۔

قیصر: اگر میں چھوٹا ہوں تو خوب صورتی میں بھی چھوٹا ہوں گا۔ پھر بہت خوب صورت کیسے ہوا۔

قزل: کیا پیاری منطق۔

نادر: (سائڈ میں) خوشبودار پھول جلد توڑ لیے جاتے ہیں۔ جو لڑکپن میں اتنے عقل مند ہوتے ہیں۔ وہ بہت دنوں جینے نہیں پاتے ہیں۔

اختر: چچا جان۔ کیا آپ ننھے کی بات کا جواب سوچ رہے ہیں۔

نادر: نہیں پیارے اختر میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس وقت آفتاب کے

چہرے پر کچھ فکر کی بدلی پائی جاتی ہے۔

سنجر: امی جان۔ یہ آپ کی طرف اشارہ ہے۔

نادر: ہاں۔ تعجب ہے کہ ہمارے باغ میں ایک چھوٹا سا بلبل چہک رہا ہے، پھر بھی حضور کو ہنسی نہیں آئی۔

مہر عالم: بھائی نادر۔ ہنسی دل کی خوشی سے آتی ہے اور میری خوشی کل رات سے ناس ہوگئی ہے۔ ایک ایسا بھیانک خواب دیکھا ہے کہ طبیعت قبر کی طرح اداس ہوگئی ہے۔

نادر: خدا ہماری حفاظت کرے۔ حضور نے کیا دیکھا۔

مہر: ہم نے دیکھا کہ شکار گاہ میں ہم اور اختر قیصر کو چھیڑ رہے ہیں اور یہ (بادشاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اپنے دو پالتو شیروں کے ساتھ ہنس ہنس کر کھیل رہے تھے۔ یکایک ایک شیر گرجا اور دوسرا پنجرا توڑکر ان کی طرف جھپٹ پڑا۔ ہم سب ایک مکان میں بھاگے۔ مگر او خدا جیسے ہی وہاں پہنچے، ایک زلزلہ آیا اور سارا مکان ہم پر پھٹ پڑا۔

دارا: خدا ہم پر رحم کرے۔

نادر: بھائی جان۔ خواب بھی کوئی چیز ہے۔ یہ صرف واہمہ کہلاتا ہے۔ انسان دن بھر جو کچھ سوچتا، دیکھتا، سمجھتا ہے وہی سونے کے بعد نظر آتا ہے۔ ہاں۔ے

سنا و نغمے ایسے جس سے دل مسرور ہوتے ہیں
یہ وہ دارو ہے جس سے درد سارے دور ہوتے ہیں

(رامش گروں کا گانا)

آؤ البیلیاں۔ سوہے رنگ رلیاں، اٹھکھیلیاں، سہیلیاں
ایسی لو رسیلی تان
موہ لے جان جان

رنگ ترنگ امنگ دکھاؤ
نرت بتادو۔ سرگم گاؤ
سانی سارے رے رے رے دھانی
ساساسا پادھا پانی
پادھا دھا گا رے گا ما گارے سا (رقص)

(قزل کا بادشاہ کے سامنے دست بستہ آنا)

دارا: کیوں قزل۔ کیا ہے؟
قزل: عالی جاہ خاصا تیار ہے۔

(سب کا جانا۔ نادر اور قزل کا خفیہ گفتگو کرنا)

نادر: قزل۔
قزل: ٹھیک۔
نادر: جگہ؟
قزل: وہی۔
نادر: چپ۔

(قزل اور نادر کا جانا۔ اقبال کا سہیلیوں
کے ساتھ آنا اور سب کا مل کر گانا)
(گانا)

رنگیلی، رسیلی، نوکیلی، شرمیلی
پیاری ہے البیلی۔ پیاری ہے البیلی

آؤ۔ جاؤ جی موہنی سونی سناؤ
پیاری زلف لٹکالی۔ کیا چال ڈھال ہے متوالی
موہے نہ ستاؤ۔ مت شرماؤ
سکھی نین سین للچائے جیا جائے۔ ہتیاری
رنگیلی، رسیلی.....

اقبال: سبحان اللہ۔ سماں ہے یا شان یزدانی۔ ایک طرف چاند کی نور افشانی۔ دوسری طرف پانی کی روانی۔ اور تیسری طرف گل ہائے بوستانی۔ ان میں بھی کوئی دھانی، کوئی آسمانی، کوئی ارغوانی ؎

مے ہے شبنم، غنچہ ساغر اور ہر شاخ گلابی ہے
پتا پتا جھوم رہا ہے، گویا باغ شرابی ہے

سہیلی ا:

غنچے بھی رہ رہ کے چٹکتے اور بلبل ہنس دیتا ہے
بھنورا لو بھی کلی کلی کا ہر پھر کے رس لیتا ہے

سہیلی ۲: پیا پپیہا کہتا ہے اور کویل جب کوک اٹھتی ہے۔
اقبال: پھر کیا ہوتا ہے۔
سہیلی ۲: دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔
سہیلی ۳: مطلب یہ ہے۔ لیلیٰ کو مجنوں سا اک دیوانہ ہو۔
سہیلی ۴: شمع سا چہرہ پایا ہے۔
سہیلی ا: ہے شوق کوئی پرواہ نہ ہو۔
سہیلی ۲: اے واہ۔ ننھی نے کیا بات نکالی ہے۔ یہ بیچاری تو گویا عمر بھر کنواری رہنے والی ہے۔
سہیلی ا: ہاں ہاں۔ میں تو بھول کر بھی کسی مردوے پر نگاہ نہ ڈالوں گی۔
سہیلی ۲: تو بی کیا کروگی۔
سہیلی ا: اے کروں گی کیا۔ جوگن بن کے زندگی نکالوں گی۔
سہیلی ۲: ہاں ابھی تو تنوگی۔ مگر دیکھ لینا ایک روز جوگن بھی کسی گلفام ہی کے

لیے بنوگی۔

اقبال: بی سبز پری۔ یہ تو تم سچ کہتی ہو۔

سہیلی۲: حضور۔ جس طرح موسم سے گلاب۔ عالم سے شباب۔ رنگت سے گال۔ گھونگھر سے بال۔ لوگوں سے میلا۔ خوشبو سے بیلا۔ محرم سے گات۔ چاند سے رات کی بہار ہے۔ اسی طرح مرد عورت کا سنگار ہے ؎

بے مرد کے عورت کا گزارا ہی نہیں ہے
عورت جو انگوٹھی ہے تو مرد اس کا نگیں ہے

(سب کا گانا)

کن حسن والوں نے۔ پھولوں سے گالوں نے
بھنورے سے بالوں نے
میری جان۔ جادو نگاہوں کا ڈالا
رس والا دیکھنے جوبن آیا ہے۔ نیناں لگایا ہے
مدھ ماتی ہو۔ شرماتی ہو
حال کیا کہہ ڈالا۔ کون بھولا بھالا
دال میں ہے کچھ کالا۔ کالا
کن حسن والوں نے.....

(سنجر کا چھپ کر آنا۔ اقبال کے بالوں میں پھول لگانا۔
اقبال کا اپنے گال پر طمانچہ مارنا)

سہیلی۱: اے حضور۔ یہ کس گناہ کے لیے منھ پر تھپڑ۔

اقبال: اے ہے۔ خدا جانے کم بخت مکھی ہے یا مچھر۔

سہیلی۲: اوہ ہو۔ یہ تو بڑا مکھا ہے۔

سنجر: چپ تیرے لیے انعام رکھا ہے۔

(سنجر کا اقبال کے بالوں میں دوبارہ پھول لگانا)

اقبال: پھر۔ کیا موئی مکھی کو مجھ سے عداوت ہے۔
سہیلی۲: اے حضور آج آپ کے ابا جان کے یہاں دعوت ہے۔
اقبال: تو وہاں جائیں۔ مجھے کیوں ستاتی ہیں۔
سہیلی۲: پیاری۔ جہاں میٹھا ہوتا ہے وہیں مکھیاں آتی ہیں۔

(سنجر کا اقبال کی گود میں پھول پھینکنا)

اقبال: ہیں۔ یہ پھول کیسا۔
سہیلی۱: اے حضور۔ یہ پھول ہوا کا جھونکا آپ کے لیے تحفہ لایا ہے۔
سہیلی۲: نہیں پیاری۔ یہ کسی بے ادب بلبل نے گرایا ہے۔
سہیلی۳: ارے تم کوئی نہیں سمجھیں۔ اچھی۔ یہ ان گالوں کی رنگت چرانے آیا ہے۔
سنجر: (سامنے آکر) اجی یہ بھی نہیں سمجھیں۔ یہ پھول ان پھولوں پر قربان ہونے آیا ہے۔
اقبال: واہ یہ اچھا دستور ہے۔ کیوں جی جہاں چار بہو بیٹیاں آپس میں باتیں کررہی ہیں وہاں بغیر اجازت کے مرد کو آنا کیا ضرور ہے۔
سہیلی۱: اجی آنا تو آنا۔ پھر اس پر گستاخیاں دکھانا۔ اور اس گستاخی کے لیے بیچاری مکھیوں کو کوسنے سنوانا۔
اقبال: خدا کی قسم۔ ایسے قصور کی تو سزا۔
سنجر: پھانسی ہے یا قید خانہ۔
اقبال: بے شک قید کرنا چاہیے۔

سہیلی۱: مگر پیاری کہاں؟
سہیلی۲: دل میں۔
سب: ہاں ہاں۔ دل میں۔
سنجر: واہ رے دستور زمانہ۔ دعوت میں بلانا اور جب مہمان آئے تو قید میں بھجوانا۔
اقبال: اگر دعوت میں آئے ہیں تو بسم اللہ۔ دستر خوان پر تشریف لے جایئے۔
سنجر: اجی وہاں تو پیٹ کو کھانا ملے گا۔ یہ ہونٹ بھوکے ہیں۔ انھیں تو کھلایئے۔
سہیلی۲: واہ رے آپ کی لستانی۔ میری بیگم ہیں یا کوئی ترتری بریانی۔
سنجر: تم کیوں بھانجی مارتی ہو بی باقر خانی۔
سہیلی۲: حضور اب انھیں یہاں سے ٹالیے بیچارے بھوکے ہیں تو انھیں اپنے حسن کے دسترخوان سے ایک آدھ نوالہ دے ڈالیے۔
سنجر: ہاں ہاں ۔

ندیدے گدا کو بہت دل میں کوسا
بس اب ایک بیسن کا دے دو سنبوسہ
تمھاری اجازت کے بھوکے کھڑے ہیں
جوانی کے صدقے میں ہونٹوں کا بوسہ

(سب کا مل کر گانا)

بسمل پیانے کرڈالا۔ جیا ہے متوالا
ہم واری۔ ہم واری
سکھی ری میں ہاری میں ہاری
مدھو سے بچنا سندر موہن نینوں کے تیر چلاوت ہے
اوئی میں مرگئی۔ پیانے مارا بھالا

واہ واہ۔ بسمل بیانے کرڈالا.....

(شیر جنگ کا آنا)

شیر جنگ: غضب، قہر، ظلم۔ او خدا۔ او آسمان۔ او قسمت۔
سنجر: شیر۔ شیر۔ یہ کیا حالت۔
شیر جنگ: زلزلہ انگیز کارروائی۔ خوفناک دغابازی۔ قابل لعنت بے رحمی۔
سنجر: صاف صاف شیر۔ صاف صاف۔
اقبال: تمھاری یہ حالتِ جنون۔
شیر جنگ: خون۔ خون۔ انصاف کا خون۔ شاہ کا خون۔
سنجر: کیا۔ کیا؟
اقبال: کیا؟
شیر جنگ: ہم برباد ہوگئے۔ ہم اس دنیا سے ناامید ہوگئے۔
سنجر: شیر۔ شیر۔ کیا کہتے ہو۔ کیا اباجان شہید ہوگئے۔
اقبال: کیا چچاجان کو کسی نے قتل کرڈالا۔
شیر جنگ: آہ شہزادی۔
سنجر: او خدا۔
اقبال: او خدائے تعالیٰ۔

(ایک سپاہی کا گھبرائے ہوئے آنا)

سپاہی: بھاگیے۔ بھاگیے۔عالی جاہ بھاگیے۔
سنجر: تو کیا کہنا چاہتا ہے؟
سپاہی: وہ جو مجھے نہ کہنا چاہیے تھا۔
سنجر: یعنی۔

سپاہی: بادشاہ کا قتل ہوا اور قاتل کا آپ پر شبہ کیا جاتا ہے۔
اقبال: ان پر۔
سنجر: مجھ پر۔ یعنی خون نے اپنے خون کا خون بہایا۔ میں نے اپنے باپ کو قتل کرایا۔

(نادر جنگ کا مع سپاہوں کے آنا)

نادر: یہ ہے باندھ لو۔ قاتل جلاد۔ سلطنت کے لیے باپ کو قتل کراکے یہاں چھپنے آیا ہے۔ اور قتل بھی میرے ہی گھر میں۔ تاکہ مجھ ہی پر آفت آئے۔ مجھ ہی پر شبہ کیا جائے۔
سنجر: میں نے قتل کیا۔ یہ تم کیا کہتے ہو؟
قزل: نہیں۔ یہ تیری مہر اور قلم کی تحریر کہتی ہے۔ جو حملہ کرنے والے بدمعاشوں کی جیب سے پائی گئی ہے۔ جس میں بادشاہ کو قتل کرنے کا طریقہ، وقت، جگہ اور اس کام کا کیا انعام ملے گا۔ ہر ایک بات سمجھائی گئی ہے۔
سنجر: یہ تحریر جھوٹی ہے۔
نادر: سچی ہے۔
اقبال: اور جو اس کو سچ سمجھتا ہے وہ بے وقوف ہے۔
نادر: چپ رہ۔ (سپاہیوں سے) لے جاؤ قید میں۔ اب جھوٹ اور سچ کی پرکھ رعیت کے فیصلے پر موقوف ہے۔
سنجر: دغابازو۔ خونیو۔

(سپاہی سنجر کو لے جاتے ہیں)

اقبال: ٹھہرو۔ کیا کرتے ہو۔ خدا کے لیے.....

(اقبال کا بیہوش ہوکر گرنا۔ سہیلیوں کا سنبھالنا اور اندر لے جانا)

نادر: (سائڈ میں) وار چل گیا۔ وہ کانٹا جو مدت سے کھٹک رہا تھا آج نکل گیا۔ اگر نصیب یاور ہے تو کل یہ بچی ہوئی چنگاری بھی فی النار ہے۔

(نادر کا جانا۔ شاہ کی لاش کا لانا۔ ملکہ مہر عالم کا مع قیصر و اختر آنا)

مہر: غم کرو۔ ماتم کرو۔ کیا تمھارے پاس آنکھیں نہیں ہیں۔ کیا تمھارے پاس آنسو نہیں ہیں۔ زبان ہے تو اس کی مہربانیوں اور خوبیوں کو یاد کرو۔ ہاتھ ہیں تو ان سے اپنی چھاتیاں کوٹو اور فریاد کرو۔

اختر: غریب باپ۔

قیصر: میرا باپ۔

مہر: میرا شوہر۔

اختر: ہم تباہ ہوگئے۔

قیصر: ہم یتیم ہوگئے۔

مہر: میں بیوہ ہوگئی۔ اے میری زندگی۔ اے میری زندگی کا سرمایہ۔ اے سرد لاش۔ اے زرد راکھ۔ اے شاہی خون کا بے خون بقایا۔ جی اٹھ۔ کہ میں غم سے مری جارہی ہوں۔ انھیں کھڑکیوں سے روح پرواز کرگئی ہے۔ اے زخمو بند ہو جاؤ کہ میں تم پر اپنی مسکین آنکھوں سے مرہم ٹپکا رہی ہوں۔

اختر: لعنت ہو اس ملعون دل پر۔ لعنت ہو بے رحمی کے ساتھ خون کرنے والے پر۔

(نادر جنگ کا آنا)

نادر: وہ گرفتار ہوا ہے۔ اور کل اس خون کے بدلے میں اس کا بھی خون

کیا جائے گا۔

مہر: وہ کون ہے۔ وہ کہاں۔ اسے لاؤ۔ ان زخموں کا عوض ان ناخنوں سے لیا جائے گا۔

نادر: صبر کرو۔ تم ابھی بدلہ نہیں لے سکو گی۔

مہر: ہاں صبر صبر۔ بیہودہ صبر۔ یہ کہنے میں سہل ہے مگر عمل میں دشوار ہے۔ اپنی دولت ڈاکوؤں سے لٹوا دو، اپنا گھر جلا دو، اپنی اولاد کو قتل کرا دو اور پھر دل سے پوچھو کہ تو صبر کرنے کے لیے تیار ہے۔ میں صبر کروں۔ میں کیسے صبر کروں۔ دیکھو دیکھو صاحبو۔ یہ تمھارا بادشاہ ہے۔ ایک گھنٹہ پہلے جس کے تم سب محتاج تھے۔ وہ اب تمھارا محتاج ہے۔ تم کفن پہناؤ۔ تم قبر میں لے جاؤ۔ تم دفناؤ۔ غرض تمھاری مہربانیوں کا محتاج ہو رہا ہے۔ اے دل غم سے جنونی ہوجا۔ اے چہرے تو بھی خونی ہوجا۔ (نادر سے) ہاں میں اپنے شوہر کو تجھی سے لوں گی۔ میرا گھر تیرے گھر میں بگڑ گیا۔ میرا باغ تیرے باغ میں اجڑ گیا۔ تو میرے شوہر کو مجھ سے ملادے۔ اگر تجھے زندہ رہنا ہے تو اسے جلادے۔ تو دے گا۔ تجھ سے لوں گی۔ تجھے دینا ہوگا۔

(ملکہ مہر کا بیہوش ہوکر گرنا)

اختر: ماں۔

قیصر: پیاری ماں۔

باب پہلا ـــــــــ سین دوسرا

دیوان عام

(سب درباری جمع ہیں)

وکیل۱: کیا جہان ہے۔

وکیل۲: کیا انسان ہے۔

وکیل۳: واللہ اس دردناک واقعے نے تو ضرور پتھروں کو بھی رلایا ہوگا۔

وکیل۴: یقین کیجیے۔ اس ملعون کام کے بعد خود قاتل کی آنکھ سے بھی رحم کا آنسو نکل آیا ہوگا۔

وکیل۱: دنیا میں اکثر آدمی کو دولت و سلطنت یا یوں کہیے کہ عیش و آرام کی ہوس ہے لیکن عمر کی اوسط نکالیے تو زیادہ سے زیادہ پچاس برس ہے۔

وکیل۲: جس میں سے راتوں کو منہا کیجیے تو پچیس ہی سال ہاتھ آتے ہیں۔

وکیل۳: اور اس پچیس سے دس برس کھیل کود، پانچ برس پڑھنے لکھنے اور تین چار برس دکھ بیماری میں نکل جاتے ہیں۔ باقی رہے پانچ یا چھ سال۔ ان چند دنوں کے لیے جو لوگ خدا کو چھوڑ کر حرص و ہوس کی پرستش میں مصروف ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ وہ جانوروں سے بھی زیادہ بے وقوف ہیں۔

(سب کا مل کر گانا)

اے غافل کس جہاں پر ہے ہر دم پھول

شاہ ذی شاں، چھن چھن ہر آن۔ مارے
سب و زیر، غریب و فقیر کس جہان کا
سدھ بدھ بسرائے۔ کیوں کر آرام پائے
آرام کیوں کر
نِس دن، پل چھن اے آسمان۔ نادان
اے غافل.....

وکیل۴: آہ اگر سنجر اس زندگی کی فلاسفی سے خبردار ہوتا تو اپنے باپ کا خون بہانے کے لیے کبھی نہ تیار ہوتا۔

(اقبال کا اندر سے آنا)

اقبال: وہ کبھی نہیں ہوا۔

نادر: اس کا کیا ثبوت ہے۔

اقبال: اس کا معصوم چہرہ جس سے نیکی اور رحم دلی ٹپکتی ہے۔ اس کا چال چلن۔ اس کی صاف زندگی جو آئینہ کی طرح چمکتی ہے۔

وکیل ا: اچھی شہزادی۔

اقبال: اچھے آدمی۔ اچھے صاحب، اچھے جناب۔ میں آپ سب صاحبوں سے پوچھتی ہوں اور قسم دے کر پوچھتی ہوں کہ تمھارے شہزادے نے اس سے قبل بھی کسی آدمی کو قتل کرایا ہے؟

سب: نہیں۔

اقبال: کسی کو کوڑوں سے پٹوایا ہے؟

سب: نہیں۔

اقبال: کسی پر بے وجہ غصہ دکھایا ہے۔

سب: کبھی نہیں۔

اقبال: بھلا غور تو کیجیے۔ جس فرشتے نے آج تک کسی پر بے وجہ غصہ بھی

نہیں کیا۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ایک دم رحم و نیکی سے ایسا بیزار ہو جائے کہ خود اپنے باپ کا خون کرنے کے لیے تیار ہوجائے۔

نادر: جب حرص کا اندھیرا چھاتا ہے تو جو انسان کبھی نہیں ڈگمگایا وہ بھی ٹھوکر کھا جاتا ہے۔

اقبال: مگر جب حرص کا اندھیرا چھا جاتا ہے تو ایمان کا چراغ بھی ساتھ ہی اپنی روشنی پھیلاتا ہے۔

نادر: یہ میں نہیں مانتا۔ جس کو تخت و سلطنت کی ہوس نے گھیرا ہے۔ اس کے لیے ایمان کا چراغ، آفتاب بن کے چمکے تو بھی اندھیرا ہے۔

اقبال: یہ محض گمان ہیں۔ دنیا میں برے اور اچھے دونوں قسم کے انسان ہیں۔ جس طرح صدہا ایسے لالچی لوگ ہیں جو موقع پاکر دوسرے کا حق دبانے میں چوکتے نہیں ہیں۔ اسی طرح ہزاروں ایسے ایمان دار بندے ہیں جو فاقوں سے مرجائیں مگر حرام کے مال پر تھوکتے نہیں ہیں۔

نادر: اقبال خاموش ہو۔

اقبال: میں سچ کہتی ہوں۔

نادر: مت کہہ۔

اقبال: تو کیا آپ باپ ہو کر مجھے یہ سکھاتے ہیں کہ میں جھوٹ بولوں۔

نادر: میں چاہتا ہوں کہ تو کچھ نہ بولے۔

اقبال: تو اپنا خنجر مجھے دے دیجیے کہ میں یہ زبان کاٹ کر پھینک دوں۔

نادر: یہ بھی حماقت اور بھول ہے۔

اقبال: نہیں یا تو یہ مانیے کہ یہ زبان خدا نے بولنے کے لیے دی ہے۔ اگر نہیں تو اس کا پاس رکھنا فضول ہے۔

نادر: عجب بیہودہ دلیل ہے۔ تو کیوں بحث کرتی ہے۔ کیا تو سنجر کی وکیل ہے؟

اقبال: میں اس کے جواب میں ہاں کہتی ہوں۔

نادر: میں نہیں کہتا ہوں۔

اقبال: ایسا کہنا خلاف ایمان ہے۔ سچ کی طرف سے لڑنا اور سچ بولنا، یہ خدا کا فرمان ہے۔

نادر: مجھے تعجب ہے کہ جو میرے سامنے ہوں نہیں کر سکتی تھی وہ بے دھڑک بکتی چلی جاتی ہے۔

اقبال: اس کا سبب یہ ہے کہ میں سچی ہوں اور سچائی میں وہ طاقت ہے جو گونگے کو بولنا سکھاتی ہے۔

نادر: بے وقوف۔ تو یا ہم اگر سنجر کی طرف سے زبان بھی ہلائیں گے تو لوگ ہم پر بے جا طرف داری کا الزام لگائیں گے۔

اقبال: تو آپ خوش ہوجیے۔ کیونکہ جو لوگ حق کی طرف داری کے لیے اس دنیا میں بدنام ہوں گے۔ وہی لوگ اس دنیا میں نیک نام ہوں گے۔

نادر: میں پھر کہتا ہوں کہ اپنی زبان بند کر۔

اقبال: میں پھر کہتی ہوں کہ آپ اپنی زبان مجھے دے دیجیے تاکہ میں ان دوہری زبانوں سے ان جھوٹے الزاموں کو مٹاؤں۔

نادر: تو نہ مانے گی۔ یہاں سے نکل جا۔ چلی جا۔

اقبال: یہ آپ کو اختیار ہے۔ مگر یہ یاد رکھیے کہ آپ مجھے یہاں سے نکال سکتے ہیں۔ مگر میری زبان سے سچ اور دل سے ایمان کا نکالنا دشوار ہے۔

وکیل۱: ایمان کی بات تو یہ ہے کہ وہ سلطنت کا طلب گار ہے۔

وکیل۲: فریبی ہے خوں خوار ہے۔

وکیل۳: قاتل ہے اور قابلِ دار ہے۔

(قزل کا سنجر کو پابہ زنجیر لانا)

قزل: یہ لیجیے مجرم تیار ہے۔

نادر: اب آپ لوگوں کو فیصلے کا اختیار ہے۔

وکیل ۲: ہم سب کا یہ فیصلہ ہے کہ.....

اقبال: ٹھہرو۔ فیصلہ کرنے سے پہلے یہ سوچ لو کہ ایک اور حاکم بالا ہے جس کے سامنے ایک دن تمھارا بھی فیصلہ ہونے والا ہے۔

وکیل ۲: ہم اسی حاکم کے انصاف اور قانون کی قسم کھاکر ٹھیک فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔

سنجر: قسم نہ کھاؤ۔ جو لوگ جھوٹے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ میری بات کا کوئی یقین نہ کرے گا وہی یقین دلانے کے لیے قسم کھاتے ہیں۔ سچے قول آپ سے آپ دل پر اعتبار جماتے ہیں۔ اگر سچے ہو تو بولو۔ کہو۔ بتاؤ۔ کس نے گواہی دی کہ یہ لعنتی کام مجھ سے عمل میں آیا ہے۔ کیا ثبوت ہے کہ میں نے اپنے باپ کا خون بہایا ہے۔ کون ہے جس نے میرے چہرے پر خوف، ہاتھوں میں چھری یا لباس میں خون کا داغ پایا ہے۔

قزل: تم اس لیے صاف ہو کہ اپنے مددگاروں کے ہاتھ سے شاہ کو قتل کرایا ہے۔

اقبال: جھوٹ ہے۔

قزل: سچ ہے۔

سنجر: تو بکتا ہے۔ ہر ایک کام کسی فائدے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ کیا تو اس قتل سے میرا کوئی فائدہ ثابت کرسکتا ہے۔

قزل: بہت بڑا فائدہ۔

سنجر: کیا۔

قزل: تخت و تاج لینے کا ارادہ۔

سنجر: تخت و تاج تو میرے لیے پہلے ہی سے تیار تھا۔ کیونکہ باپ کے بعد میں ہی حق دار تھا۔

قزل: قسمت دے گی تو ملے گا۔ اس امید میں لالچی آدمی دل پر جبر نہیں کرسکتا ہے۔ ایک بھوکے کے سامنے پلاؤ کی رکابی رکھ کر کہو کہ اسے

تھوڑے دنوں کے بعد کھانا۔ تو وہ کبھی صبر نہیں کرسکتا۔

سنجر: (موجود لوگوں سے) کیا تم میں سے ایک آدمی بھی انصاف سے کہتا ہے کہ یہ دلیل مضبوط ہے۔

وکیل۳: ہاں ہم سب کہتے ہیں کہ یہ دلیل تمھارے قاتل ہونے کے لیے کافی ثبوت ہے۔

(ملکہ مہر کا جنون کی حالت میں آنا۔ قزل کا نادر کے اشارے سے سنجر کو اپنی پشت کے پیچھے چھپا دینا۔ اور نادر کا اس کے سامنے آنا۔ اختر، قیصر وغیرہ کا سیاہ لباس میں آنا اور قاتل کو مانگنا)

مہر: قاتل۔ قاتل۔ میرے شوہر کا خون بہانے والا قاتل۔ میرے بچوں کو یتیم بنانے والا قاتل۔ لاؤ۔ دکھاؤ۔ بتاؤ۔ اے انتقام بیدار ہوجا۔ اے قبر کھل جا۔ اے جہنم ملعون کو نگلنے کے لیے تیار ہوجا۔

قیصر: اوہ امی جان غصہ ہو رہی ہیں۔

اختر: چچا جان۔ کیا آپ اباجان کے قاتل کو کوئی سزا نہیں دیں گے؟

مہر: سنتے ہو کہ نہیں۔ یا میں بجلی اور گرج کو اپنی آواز کی مدد کے لیے بلالوں۔ کہاں ہے خونی۔ کہاں ہے قاتل۔ میں بدلہ لینے کے لیے بھوکی ہو رہی ہوں۔ لاؤ، دو میں اپنے دانتوں سے اس کی بوٹیاں نوچ ڈالوں۔

نادر: کیا آپ اس کو معاف نہیں کرسکتی ہیں۔

مہر: اس کا جرم ناقابل معافی ہے۔ اگر اس کی ایک ہزار جانیں ہوں، اور ہر جان سے ہزار بدلہ لیا جائے تو بھی ناکافی ہے۔ تم کیوں سمجھاتے ہو۔ تم کیوں اسے بچاتے ہو۔ تم بھی اس کے طرفدار نظر آتے ہو۔ مجھے بتاؤ۔ مجھے دکھاؤ۔ ورنہ میں جنونی.....

(نادر کا سنجر کا سامنے لانا)

نادر: یہ ہے خونی۔

مہر: کون؟ سنجر!!

قیصر: بھائی۔

اختر: بھائی۔

مہر: تو.....تو.....

(مہر عالم بے ہوش ہوکر گرتی ہے۔ اختر سنبھالتی ہے اور لے جاتی ہے۔ سنجر کو سپاہی لے جاتے ہیں۔ سب کا جانا)

باب پہلا ــــــــــ سین تیسرا

نرگس کا مکان

(نرگس کا اندر سے گاتے ہوئے آنا)

کیا قاتل نے دل پر نگاہوں کا وار
موری ہائے جان جائے
پیا پیارے نے پریم کی ماری کٹاری
کان میں بالی۔ گالوں پہ لالی۔ سو ہے سر پر دوپٹہ گلنار
مورے جوبن پہ لاکھوں ہے چھائی بہار
کون دیکھے پیا بن سنگار
چھیلا آؤ۔ من لبھاؤ۔ جاؤں میں نثار۔ کیا قاتل نے

زہر، آگ سمندر، دکھ، بیماری، یہ سب آدمی کے دشمن ہیں۔ مگر جس دشمن کا کوئی علاج نہیں وہ عشق ہے۔ موا عشق اگر تلوار ہو تو انسان اس کا وار روکنے کے لیے ڈھال بنالے۔ درد ہو تو دوا کھالے۔ آگ ہو تو پانی سے بجھائے۔ پلیگ ہو تو اس شہر سے بھاگ جائے۔ مگر یہ تو کچھ بھی نہیں۔ پھر اس کا کیا علاج کیا جائے۔ بس یہ ہوسکتا ہے کہ دل ہی دل میں مسوسا کرو اور اس نگوڑے کے نام کو رو رو کر کوسا کرو۔ ؎

جان دی کتنوں نے اس موذی کے بس میں پڑکے
یا خدا ناس ہو یہ عشق موا سڑ سڑ کے

(شمشاد کا آنا)

شمشاد: یا اللہ۔ بیچارے عشق کے ساتھ یہ ناراضی۔
نرگس: پھر آپ کون؟ مفتی یا قاضی۔
شمشاد: جی کوئی نہیں۔
نرگش: پھر آپ کو کیوں ناگوار ہے۔ ہاں سمجھی۔ شاید عشق آپ کا کوئی رشتہ دار ہے۔
شمشاد: پیاری نرگس۔ عشق محبت کے بازار کا دلال ہے۔ اگر تمھارے کوسنے سے مرجائے گا تو دل کے ہاتھوں حسن کا سودا کون بکوائے گا؟

(بیگم کا اندر سے کریم کو پکارنا)

بیگم: کریم ارے او رحیم۔
شمشاد: یہ کون؟
نرگس: پیارے شمشاد چل دو۔ شاید اماں جان یہاں آتی ہیں۔
شمشاد: پیاری۔ کیا اس بوڑھے کھوسٹ کے ساتھ شادی کرنے کو ابھی تک سمجھاتی ہیں۔
نرگس: اجی یہ تو ان کا روز کا رونا ہے۔ مگر بیاہ تو.....
شمشاد: مجھ ہی سے ہونا ہے۔

(نرگس اور شمشاد کا مل کر گانا)

نرگس: تری چتون نے گھایل کیا دل ہمارا۔
شمشاد: ہوا جگر پارہ پارہ۔
نرگس: اوں ہونھ۔

شمشاد: اہاہاہا۔

نرگس: ارے واہ واہ واہ تری چتون۔

شمشاد: جھوٹا ہے شکوہ تمھارا۔

نرگس: باتوں میں غضب کی ہے کھٹک۔
مت مجھے شرماؤ۔

شمشاد: یہ چٹک مٹک۔

نرگس: اپنی تو فرماؤ۔

شمشاد: زلفوں کی مٹک۔ دل کو لے گئی جھٹک۔

نرگس: بس جاؤ۔

شمشاد: ہم سر کو پٹک کر۔ رہ گئے اٹک کر۔

نرگس: دھمکاؤ۔

شمشاد: در نثار۔ گھر نثار۔ سر نثار تجھ پر دل دار۔ تیری چتون.....

(گاتے گاتے دونوں کا اندر جانا۔ بیگم کا مع رحیم و کریم باہر آنا)

بیگم: کریم اگر دو دن کے بعد تم نے نوکری چھوڑ دی۔

کریم: کبھی نہیں۔ آپ زندہ رہیے۔ میں تو اب مر کے بھی یہاں سے نہ جاؤں گا۔

رحیم: حضور میری جورو کو دو مہینے بعد لڑکا ہونے والا ہے۔ اگر وہ نالائق جی گیا تو اسے بھی آپ ہی کے پاس نوکر رکھوا دوں گا۔

بیگم: ضرور رکھانا۔ اچھا یہ تو کہو کہ نوکر کو مالک کے ساتھ کس طرح چاہیے پیش آنا۔

کریم: پہلے تو لازم ہے آداب بجا لانا۔ پھر جس طرح گدھا دھوبی کے آگے کھڑا رہتا ہے اسی طرح سر جھکا کر کھڑے ہوجانا۔ اگر مالک کچھ کہے تو سمجھ میں آئے یا نہ آئے مگر ہاں میں ہاں ملانا۔

رحیم: (سائڈ میں) اگر چار آنے کا سودا منگائے تو تین آنا بیچ میں کھا جانا۔
بیگم: اگر مالک ایک کام کہے تو۔
کریم: دو کرکے آنا۔
رحیم: اجی دو کیا بلکہ چار۔
بیگم: مثلاً۔
کریم: مثلاً آپ کو آیا بخار۔
بیگم: خدا نہ کرے نابکار۔
کریم: سنیے تو حضور والا۔ بخار آیا تو آپ ضرور کہیں گی کہ جا حکیم کو بلا لا۔
بیگم: بیشک۔
کریم: تو میں چار کام کر آؤں گا۔ یعنی حکیم، درزی، گورکن، اور محلے والے سب کو بلا لاؤں گا۔
بیگم: کیوں۔ یہ سب کس لیے آئیں گے۔
کریم: حضور۔ حکیم صاحب تو آپ کا علاج فرمائیں گے۔ خدا نہ خواستہ اگر آپ مرگئیں تو درزی سے کفن سلوائیں گے۔ گورکن کو قبر کھودنے کے لیے دوڑائیں گے اور محلے والوں سے جنازہ اٹھوائیں گے۔
بیگم: ہٹ تمھارا مردہ نکلے۔ نکلو یہاں سے۔ مجھے ایسے بے وقوف نوکروں کی ضرورت نہیں ہے۔
رحیم: آپ کو ضرورت نہ سہی۔ مگر ہمیں تو نوکری کی ضرورت ہے۔
بیگم: تو کوئی اور گھر دیکھو۔ آج میرا شوہر سفر سے واپس آئے گا۔ اگر تم ایسے احمقوں کو نوکر رکھا تو مجھ ہی کو احمق بنائے گا۔
کریم: حضور میں بہت لائق آدمی ہوں۔ مجھے دیکھتے ہی ان کا دل خوش ہو جائے گا۔
بیگم: یہ موا بھولا ہے کہ بے وقوف۔ اچھا کام کرو۔ لیکن ہمیشہ کی نوکری میرے شوہر کے آنے پر موقوف ہے۔
کریم: بہت خوب۔

رحیم: بہت خوب۔
کریم: خدا حضور کو عقل مند بیٹا دے۔
رحیم: اور وہ بھی میرے جیسا لنگڑا ہو۔
بیگم: پھر بے تکی بات۔ تو بڑا الّو ہے۔
رحیم: حضور بڑا الو تو میرا باپ تھا۔ میں چھوٹا الو ہوں چھوٹا۔
بیگم: بکو مت۔ جاؤ۔ نرگس_ اری نرگس_ ارے سنتی نہیں_ نرگس۔

(نرگس کا آنا)

نرگس: جی آئی_ آپ نے یاد فرمایا۔
بیگم: ہاں۔ میں نے بلایا۔
نرگس: ارشاد۔
بیگم: بٹی۔ مجھے تیری ایک سہیلی سے معلوم ہوا کہ تو اس شادی سے رضامند نہیں ہے۔ کیا بوبک تجھے پسند نہیں ہے۔
نرگس: بے شک اماں جان۔ ایک بوڑھے کے ساتھ شادی کرنے سے میرا دل ضرور بیزار ہے۔
کریم: بیگم صاحب_ بیگم صاحب۔ آپ کے شوہر تشریف لائے ہیں۔

(بوبک کا آنا)

بیگم: ارے موے یہ تو میرا ہونے والا داماد ہے۔
بوبک: بٹی نرگس۔ اررر۔ پیاری نرگس تو تو دیوانی ہے۔ جوان تو اسی وقت تک پیار کرتے ہیں جب تک عورت کی جوانی ہے۔
بیگم: اور بوڑھا شوہر تو عمر بھر ناز اٹھاتا ہے۔
بوبک: اچھے اچھے کھانے کھلاتا ہے۔ عمدہ سے عمدہ کپڑے پہناتا ہے۔ منہ دھلاتا

ہے۔ پنکھا ہلاتا ہے۔

بیگم: یہاں تک کہ گالی اور جوتی تک کھاتا ہے۔ پھر بھی صدقے قربان ہوا جاتا ہے۔

نرگس: اماں جان۔ کانٹا لاکھ اچھا ہو مگر پھول کے پہلو میں برا ہی نظر آتا ہے۔

بوبک: بیگم صاحبہ۔ یہ بندہ تو ساری عمر یکساں نبھائے گا۔ بوڑھا ہوا تو کیا ہوا۔

بیگم: تجھے تو بیٹی کی طرح چاہے گا۔

نرگس: میں تو اب بھی ان کو اپنا باپ سمجھتی ہوں۔ اماں جان ۔

یہ اچھا ہے کہ ہو خنجر کٹاری تیر پہلو میں
پر عورت یہ نہ چاہے گی کہ بیٹھے پیر پہلو میں

(نرگس کا چلے جانا)

بیگم: اچھا جناب۔ آپ تشریف لے جایئے میں اس کو سمجھاؤں گی۔

بوبک: مگر اب کی جمعرات تک نکاح ضرور ہوجائے۔

بیگم: ہاں۔ ضرور ہوجائے گا۔

بوبک: اگر اس سے نکاح نہ ہوا۔ تو پھر آپ ہی سے نکاح پڑھاؤں گا۔

(بوبک کا جانا)

بیگم: (خود کلامی) ارے یہ میری بیٹی ہے کہ ماں۔ کیا دلیری سے تکرار کرتی ہے۔ مجھے شک ہوتا ہے کہ یہ کسی اور پر عاشق ہے۔ جب ہی تو اس بوڑھے کے ساتھ شادی سے انکار کرتی ہے۔

(شمشاد کا آنا)

شمشاد: واہ رے حماقت۔ گھبراہٹ میں ٹوپی چھوڑ کر چلتا بنا۔ ٹوپی کہاں گئی۔ یہ رکھی ہے۔ آہ ہا ہا۔ تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو میری جان۔

(بیگم سے لپٹ کر بوسہ لیتا ہے)

بیگم: ارے کون ہے رے او شیطان۔
شمشاد: اجی میں ہوں۔ تمھارا عاشق زار.....یا پروردگار۔
بیگم: ہیں تو کون ہے نابکار۔
شمشاد: یا خدائے تعالیٰ۔
بیگم: لچا۔ چور۔ رذالہ۔ ارے کریم۔ رحیم۔ چور۔ چور۔
شمشاد: اجی شور تو نہ مچاؤ۔
بیگم: چور۔ چور۔ باندھو۔ پکڑو۔
شمشاد: (خود سے) بچا شمشاد۔ بھاگو۔ ورنہ اب قسمت سولی پر ٹانگے گی۔ وہ جوتے پڑیں گے کہ کھوپڑی بھیک مانگے گی۔

(شمشاد کا بھاگ جانا اور کریم و رحیم کا آنا)

کریم: کہاں ہے؟
رحیم: کدھر ہے؟
بیگم: ارے یہیں کہیں چھپا ہوگا۔
کریم: حضور کیا سچ مچ آپ کو بھوت کی طرح چمٹ گیا۔
بیگم: نرگس کے باپ کی قسم۔ میں یہاں کھڑی تھی۔ موا آتے کے ساتھ ہی مجھے لپٹ گیا۔

کریم: مگر بیگم صاحبہ۔ کہیں اس نے آپ کا بوسہ دوسہ تو نہیں لیا۔

بیگم: موا ڈھونڈتا ہے یا باتیں کرتا ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو ڈرتا ہے۔

کریم: اجی مجھ سا مسٹنڈا اُسٹنڈا۔ جس کی بہادری کا گڑا ہوا ہے جھنڈا۔ اجی ابھی لاتا ہوں ڈنڈا۔ مار مار کے کیے دیتا ہوں ٹھنڈا۔ مگر ہاں آج ضرور کھلایئے گا گرماگرم روٹی اور انڈا۔

بیگم: چل جلدی۔ ورنہ نکل جائے گا وہ مسٹنڈا۔

(شمشاد کا پھر آنا)

شمشاد: (خود کلامی) لاحول ولا۔ ایک طرف کنواں دوسری طرف کھائی۔ نرگس کی ماں کے خوف سے بھاگا تو دروازے پر اس کے باپ کی شکل نظر آئی۔ اب کیا کروں۔ اس پیٹی کے پیچھے چھپ جاؤں۔

(شمشاد کا چھپ جانا۔ سرخاب کا آنا)

سرخاب: (خود کلامی) پھانسی۔ سب کو پھانسی۔ ایک دم پھانسی۔ گاڑی والوں کا ظلم کسی کو سوجھتا نہیں۔ راستے میں مسافروں کو لوٹتے ہیں اور کوئی پوچھتا نہیں۔ ایک تو مریل گھوڑا پھر اسے ٹوٹی ہوئی گاڑی میں جوڑا۔ راستہ ایسا جس میں کہیں کیچڑ کہیں اینٹ کا روڑا۔ مارے ہچکولوں کے بدن ہوگیا پھوڑا۔ پیٹ میں اٹھنے لگا مروڑا۔ اتنا ظلم توڑا۔ اس پر بھی کم بخت نے ایک روپیہ کرایہ اور چار آنے انعام لے کر چھوڑا۔

کریم: (سرخاب کو دیکھ کر) ہاں یہی خبیث ہے۔

سرخاب: بیگم........ شکر ہے کہ اپنی جان بچاکر آیا۔ نرگس........ اس سفر میں جہاں گیا۔ کچھ نہ کچھ تکلیف اٹھایا۔ سلارو........ ہیں۔ اتنی آوازیں دیں مگر پھر بھی بیوی۔بیٹی۔ نوکر کوئی نہ آیا۔

کریم: کیوں بے مردود۔ تو ابھی تک یہیں موجود ہے۔

سرخاب: ہیں۔ یہ کون حرام زادہ ہے۔

کریم: میں کون ہوں_ تیرا دادا۔

سرخاب: آدمی ہے یا الو کا بچہ۔

کریم: ابے اب تو میں تجھے کھا جاوں گا کچا۔

سرخاب: کیوں۔ تو کوئی رستم ہے یا سکندر۔

کریم: ابے جغادری بندر۔ بنت چقندر۔ ولد مچھندر۔ تو کس حق سے آیا میرے گھر کے اندر۔

سرخاب: کیوں نہ آوں۔ یہ تو میرا گھر ہے۔

کریم: ہاں اور گھر کی بیگم صاحب آپ کی بیوی ہیں۔

سرخاب: بے شک۔

کریم: تب ہی آتے کے ساتھ ہی گلے سے لگا لیں۔

سرخاب: ہاے ہاے۔ کیا کسی نے میری بیوی کو گلے سے لگایا تھا۔

کریم: کیوں بھتیجے۔ چچا کو بھی بنانا۔ اچھا بیٹا تم نے حلوا تو بہت کھایا ہوگا۔ ذرا یہ ملیدہ بھی کھانا۔

سرخاب: ابے جوتا کیوں تانتا ہے۔ تو مجھے جانتا ہے۔

کریم: خوب جانتا ہوں۔

سرخاب: کیا؟

کریم: کہ تو بڑا ہی رذالہ ہے۔ شیطان کا سالا ہے۔ نان چاپ والا ہے۔ ماں بھوری اور باپ کالا ہے۔ اس لیے تیری کھوپڑی سہلانے کو لونا چماری کے وقت کا جوتا نکالا ہے۔

سرخاب: ابے الو۔ ابے گدھے۔ ابے ذرا غصہ تو کر دھیما۔

کریم: ٹھہر تو آج برابر کردوں گا قیمہ۔

سرخاب: ابے سن تو حماقت کے لٹو۔

کریم: ناچو بیٹا بجر بٹو۔

سرخاب: سرخاب بڑھا سواری کا ٹٹو۔ (جانا)

(شمشاد کا باہر نکلنا)

شمشاد: ہا ہا ہا ہا ہا۔ بھئی خوب۔ طویلے کی بلا بندر کے سر آئی۔ قصور میرا اور مار دھوکے میں اس غریب نے کھائی۔ لیکن اب میں کیا کروں چارا۔ نہ رہنے کا موقع نہ بھاگنے کا یارا۔

(نرگس کا آنا)

نرگس: ہیں۔ تم ابھی یہیں ہو دل آرا۔
شمشاد: نرگس غضب ہوا۔ حماقت نے آفت میں پھنسایا۔ تمھارے گھر والوں نے مجھے دیکھ پایا۔
نرگس: کیا کہتے ہو۔
شمشاد: سچ کہتا ہوں۔ وہ پالیں گے تو جان ہی سے مار ڈالیں گے۔
نرگس: تو میں کیا کروں۔ اچھا آؤ۔ پچھلے دروازے سے نکل جاؤ۔

(دونوں کا جانا اور کریم کا آنا)

کریم: (خود سے) پاجی۔ شریر۔ لچا۔ قسم باپ کی۔ وہ تان کے لگایا گھونسہ کہ ہڈی پسلی ہوگئی بھوسہ۔

(بیگم کا آنا)

بیگم: کیوں کریم۔ موے کی مرمت کی یا چھوڑ دیا۔

کریم: اجی حضور۔ مارے جوتوں کے خبیث کا سر توڑ دیا۔

بیگم: شاباش۔ اچھا میں تجھے دو آنے انعام دیتی ہوں۔ بازار جانا تو اس کی برفی خرید کر کھانا۔

(دونوں کا جانا اور سرخاب کا آنا)

سرخاب: (خود سے) یہ تو وہی مثل ہوئی کہ بلی نے چوہے سے ناک کٹائی۔ اپنا گھر اور حکومت پرائی۔ کم بخت۔ پاجی۔ رذالہ۔ مرجائے اس کی خالہ۔ نکلے خبیث کا دیوالہ۔ دیکھا نہ بھالا۔ جوتا نکالا۔ اور مار مار کر میرا کچومر کر ڈالا۔ تو پھر اب کیا کروں۔ ٹھوکوں خم۔ نکالوں چھری۔ کٹار۔ بلم سلم۔ ہوجاؤں پانچوں ہتھیاروں سے مسلّم۔ گھس جاؤں گھر میں ایک دم۔ کردوں سب کو توپ دم۔ مگر کہیں پھر نہ پڑنے لگے دھما دھم۔ بس تو یہیں جاتا ہوں جم۔ یہیں کھڑا رہوں گا۔ یہیں اڑا رہوں گا۔ یہیں پڑا رہوں گا۔ یہیں بیٹھوں گا۔ یہیں لیٹوں گا۔ وہ یہیں آئے گا۔ اسے یہیں چپیٹوں گا۔

(سرخاب کا کپڑا اوڑھ کر لیٹ جانا۔ شمشاد اور نرگس کا آنا)

شمشاد: بدبختی۔ پچھلے دروازے پر تو تالا پڑا ہے۔

(سرخاب کا اٹھنا)

نرگس: ارے غضب یہ تو میرا باپ کھڑا ہے۔

سرخاب: کیوں بے تو کون ہے نابکار۔

(نرگس کا بھاگ جانا۔ سرخاب کا شمشاد کو گردن سے پکڑلینا)

شمشاد: ج ج ج جناب۔

سرخاب: جلدی بول خانہ خراب۔

شمشاد: اجی حضرت ابھی ابھی کوئی آپ کی عزت اتار رہا تھا۔ دھڑا دھڑ جوتے مار رہا تھا۔

سرخاب: ارے آہستہ بول بھلے آدمی بیٹھے ہیں۔

شمشاد: میں نے سن پایا تو آپ کو بچانے آیا۔

سرخاب: ابے بہانہ کرتا ہے کہ میرے پنجے سے چھوٹ جائے۔

شمشاد: واللہ جھوٹ کہتا ہوں تو میرے سامنے کی آنکھ پھوٹ جائے۔

سرخاب: یار اس لیے آیا تھا تو بڑی مہربانی۔ زندہ رہے تیری نانی۔ کیا تو جانتا ہے پہلوانی۔

شمشاد۔ بہت اچھی۔

سرخاب: بس تو پھر کیا خوف کھانا۔ میں اس سے لپٹ پڑوں گا اور تو دھڑا دھڑ جوتے اڑانا۔

شمشاد: مگر اس کام کا کیا انعام دیجیے گا۔

سرخاب: جو بول۔

شمشاد: بس اپنی لڑکی سے میرا نکاح پڑھا دیجیے گا۔

سرخاب: چپ بے۔ تو تو کہے گا کہ اپنی بیوی کو بھی دے ڈالو۔

شمشاد: اجی گولی ماریے۔ اسی نے تو آپ کو اس قدر جوتوں سے پٹوایا ہے۔

سرخاب: ہاں۔ بس تو پھر آج۔ اس کی ناک کا بھی صفایا ہے..... اچھا تو اس پٹی کے اندر چھپ جا۔ میں اس کے پیچھے چھپتا ہوں۔ جب وہ آئے فوراً نکل کر دھڑا دھڑ جوتے اڑانا۔

(دونوں کا چھپ جانا اور کریم کا آنا)

کریم: بھئی واہ۔ دس بیس جوتے لگائے تو دو آنے انعام پائے۔ اگر اس کے

ہاتھ پاؤں توڑ کے لنگڑا لولا بناتا تو شاید پورا روپیہ انعام میں پاتا۔ بھیج بھیج۔ پھر اسی کھوسٹ کو بھیج میرے داتا۔ مفلسی نے گھیرا ہے۔ تیرا آسرا ہے۔

(ملائی کھاتا آگے چلتا ہے اور سرخاب سے ٹھوکر کھاتا ہے)

سرخاب: بیٹا آنکھ کھولو۔ اب سویرا ہے۔
کریم: ارے یہ تو وہی مردود ہے۔
سرخاب: چل شریفوں کی طرح جوتے کھالے۔ ورنہ زبردستی کا بھی مصالحہ موجود ہے۔
کریم: ابے مسالے کے سالے۔ اب تو میں تجھے چٹنی بناؤں گا۔
شمشاد: اب میں یہاں سے چل دوں۔ ورنہ بیچ میں میں کچومر ہوجاؤں گا۔
سرخاب: ہاں۔ یہ بل بوتا۔ استاد۔ چلو۔ نکلو۔ لگے جوتا۔
کریم: خبیث کے بچے کیا اپنے باپ کو پکارتا ہے۔
سرخاب: نکل یار نکل..... ارے جلدی کر..... یہ مجھے مارے ڈالتا ہے۔
کریم: ارے چپ سودائی۔
سرخاب: ارے نکل بھائی (پیٹی کھول کر) یا پیر عجائب۔ پیٹی موجود اور وہ خبیث غائب۔
کریم: بیٹا دنیا سے ہاتھ اٹھاؤ۔ اب اس لکڑی کی قبر میں دفن ہوجاؤ۔
سرخاب: ارے نرگس۔ اری بیگم۔ ارے کوئی آؤ۔ مجھے بچاؤ۔

(سرخاب کو پیٹی میں بند کرکے اس کے اوپر لیٹ جانا)

کریم: اجی بیگم صاحب۔ بیگم صاحب۔ آیئے آیئے اس ولایتی چوہے کو میں نے پھنسالیا ہے۔ انعام لایئے۔

(بیگم اور رحیم کا آنا)

بیگم: ارے کریم یہ پھر کیسا غل غپاڑا۔
رحیم: اس صندوق میں کون ہے؟
کریم: وہ لچا لنگاڑا۔
بیگم: وہی موا۔ جس نے ابھی مجھ پر ہاتھ ڈالا تھا اور تو نے اسے جوتے مار کر نکالا تھا۔
کریم: جی جی۔ جی جی۔
رحیم: ابے تو پانچ سات جوتا مار کے پھر نکال دے۔
بیگم: نہیں اب پوری سزا دینا چاہیے۔ صندوق سمیت کھڑکی سے گٹر میں ڈال دینا چاہیے۔
کریم: چلو بیٹا رحیم۔
رحیم: اٹھا بیٹا کریم۔
بیگم: ہاں گرنا مت۔ شاباش سنبھال کے۔

(نرگس کا آنا)

نرگس: اماں جان۔ یہ کیا شور ہے۔ کیا کوئی چور ہے۔
بیگم: بیٹی میں یہاں کھڑی تھی کہ ایک موا اٹھائی گیرا آکر لپٹ گیا۔ کریم نے مار کر اسے بھگایا۔ مگر وہ کہاں جاتا ہے۔ پھر آکے ڈٹ گیا۔
نرگس: کیا وہ بوڑھا تھا۔
بیگم: نہیں کوئی بیس بائیس برس کا جوان ہے اور سرخ لباس، چھریرا بدن اور پیشانی پر کسی چیز کا نشان ہے۔
نرگس: (سائڈ میں) ہیں۔ یہ تو میرے شمشاد کا بیان ہے۔
بیگم: اب کے کریم اس کی پوری شرارت نکالنے گیا ہے۔

نرگس: یعنی؟

بیگم: صندوق میں بند کرکے کھڑکی کے راستے گٹر میں ڈالنے گیا ہے۔

(بیگم کا جانا)

نرگس: ہائے ہائے۔ اماں نے تو غضب ڈھایا۔ اب کیا کروں خدایا۔ اب اسے کیسے بچاؤں۔ کس کو دوڑاؤں۔ کوئی نہیں۔ میں خود جاؤں۔ کریم.....

(کریم کا آنا)

کریم: سرکار۔

نرگس: کیا ہوا۔

کریم: فی النار۔

نرگس: کون؟

کریم: وہ لکڑی کا صندوق اور اس میں کا آدمی۔ جسے مار دینا چاہیے بندوق۔

نرگس: کیا گیا دنیا سے بے چارا؟

کریم: اجی وہ تو اسی وقت جان سے سدھارا۔

نرگس: کیا مرگیا۔ ہائے مجھے برباد کر گیا۔

(نرگس کا بیہوش ہو کر گرنا اور کریم کا سنبھالنا)

کریم: اجی بیگم صاحب۔یہ کیا دلگی۔ کوئی آگیا تو آپ کو ہنسے گا اور بندہ جیل میں پھنسے گا۔ ہٹو، نہیں سنتی۔ (ہاتھ چومتا ہے اور بدن ٹٹولتا ہے) ہائے ہائے۔ کیا نرم نرم بدن پایا ہے۔ گویا خدا نے مکھن کا بنایا ہے۔

(شمشاد کا آنا اور دیکھ کر حیران ہونا کہ نرگس
کریم کے ہاتھوں پر بیہوش پڑی ہوئی ہے)

شمشاد: او خدا۔ یہ کیا۔ نرگس اپنے ذلیل نوکر کے ساتھ مذاق کرتی ہے۔
کریم: ارے صاحب آپ کون ہیں؟ دیکھیے گواہ رہیے گا یہ عورت زبردستی میرے گلے پڑتی ہے۔
شمشاد: کیا تجھے چاہتی ہے؟
کریم: اس کی اس حرکت سے تو یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔
شمشاد: افسوس۔ یہ بے حیائی۔ یہ کج ادائی۔ بس اب میں یہ قصہ ہی پاک کرتا ہوں۔ ان دونوں کو ہلاک کرتا ہوں۔

(شمشاد کا چھری نکال کر تیز کرنا اور کریم کا ڈرنا)

کریم: او میری خالہ۔ اس نے تو کابلی چھرا نکالا۔ ارے دوڑو دوڑو بیگم صاحبہ دوڑو۔ میرا کام تمام ہوا۔

(بیگم کا آنا).

بیگم: اوہ غضب۔ یہ تو چھرا لے کر آیا اب۔
شمشاد: خبردار غل نہ مچانا۔
بیگم: خدایا بچانا.....

(بیگم کا بیہوش ہوکر شمشاد کے ہاتھوں پر گرنا)

کریم: او ادھر بھی یہی بیماری شروع ہوگئی۔

شمشاد: اجی اٹھو۔ یہ کیا بدذاتی ہے۔ مجھ سے دلگی کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی ہے۔

کریم: اماں کا ہے کی شرم۔ لونا ایک بوسہ گرما گرم۔

(سرخاب کا آنا)

سرخاب: آن جائے۔ بان جائے۔ شان جائے۔ مگر اب کی مرتبہ اسے اتنا ماروں گا کہ خبیث مان جائے۔ یا اللہ یہ کیا۔ ایک بدمعاش میری لڑکی کو ہاتھ پر سلائے ہے۔ دوسرا پاجی میری بیوی کو سینے سے لگائے ہے۔ ہاں ٹھیک ہے۔ ان دونوں کے ہاتھ رکے ہوئے ہیں۔ اب دھڑا دھڑ جوتے لگاؤں۔

(دونوں کو جوتے سے مارتا ہے)

کریم: بیگم اٹھو۔

شمشاد: بانو سنبھالو۔

کریم: میں تمھاری وجہ سے جوتے کھاتا ہوں۔

شمشاد: بانو اٹھو ورنہ میں زمین پر گراتا ہوں۔

(بیگم کا ہوش میں آنا)

سرخاب: کیوں حرام زادی۔ یہ کیسی کارروائی۔

بیگم: اوئے موئے تو بھوت ہے یا قصائی۔

شمشاد: کم بخت دل لے کر یہ بے وفائی۔

(نرگس کا ہوش میں آنا)

نرگس: (شمشاد سے) کیا ابھی تک زندہ ہو۔ (کریم سے) موے تو نے کیوں موت کی خبر سنائی۔
کریم: خبیث نے اتنے جوتے کھائے۔ پھر بھی شکل دکھائی۔
بیگم: ارے موے۔ کیا تونے ان کا مار مار کر بھرکس نکالا۔
کریم: جی اور صندوق میں بند کرکے گٹر میں بھی اسی کو ڈالا۔
سرخاب: سنتی ہو میری خالہ۔
بیگم: ارے موے۔ میں نے تو اس کی ہڈیاں توڑنے کا حکم دیا تھا۔
نرگس: کیوں؟
بیگم: بٹی۔ اسی نے تو مجھے اکیلا پاکر گلے سے لگا لیا تھا۔
سرخاب: کیوں بے گلے سے لگایا تھا۔
کریم: ارررر۔جب تو میں نے دھوکا کھایا تھا۔
شمشاد: جناب بات یہ ہے کہ نرگس کے دھوکے میں میں نے گلے سے لگایا تھا۔
سرخاب: مگر تو میرے گھر میں کیوں آیا نابکار۔
بیگم: تو ہے کون؟
شمشاد: سچ کہہ دوں۔
سرخاب: ارے ایمان چھوڑ کر کہہ دے۔
شمشاد: نرگس کا عاشق زار۔
سرخاب: ابے عاشق۔
بیگم: کیا بکتا ہے موا۔
سرخاب: ابے تو کس سے پوچھ کر عاشق ہوا۔
نرگس: میں کہوں ابا جان۔
سرخاب: کریم۔ رحیم۔ مار۔ کیا دیکھتا ہے شیطان۔ (مارنا)

(سب کا گانا)

مارو۔ مارو رے۔ اررر۔ مارو ارررر
مارو گھونسا۔ ہووے بھونسا
نکلے دم اس کا
جارے۔ جارے۔ اررر
لارے ڈنڈا۔ یہ مشٹنڈا۔ ہووے ٹھنڈا
وقت ہے جوتا کاری کا
آ آ بچالے۔ مجھ کو کھلا نہ مار
چھوڑ دو پدر۔ میں پٹیاں پڑوں تمھار
چل ہٹ۔ نٹ کھٹ
جارے۔ جارے۔ جارے
لارے۔ لارے

(سب کا جانا)

باب پہلا ——— سین چوتھا

خواب گاہ

(نادر کا سوتے ہوئے نظر آنا، مہر کا خنجر لیے ہوئے آنا)

مہر عالم:۔

دو جہاں سنسان، سب بے جان، آدھی رات ہے
جوش میں دل،غیظ میں جاں اور غضب میں ہاتھ ہے
اے چھری،اچھی چھری دے ساتھ گر تو ساتھ ہے
میں بھی عورت ذات ہوں اور تو بھی عورت ذات ہے
بے کسی کے وقت ہمدردی دکھانا چاہیے
عورتوں کو عورتوں کے کام آنا چاہیے

میں کیا کرتی ہوں۔ نجس کتا۔ اس کے نجس دل اور نجس لہو میں جاکر چھری بھی نجس ہوجائے گی۔ نہیں نہیں۔ مہر۔ کیا اس سانپ کو زندہ چھوڑ کر سنجر کو ڈسوائے گی ۔

اک وار میں،ایک بار میں،موذی کا سینہ چاک کر
بجلی ہے تو،کاٹنا ہے یہ،گر اور جلاکر خاک کر
اس فتنہ سفاک سے،اس ثانی ضحاک سے
اس ہستی ناپاک سے دنیا کا دامن پاک کر

(مہر کا خنجر لے کر نادر کی طرف بڑھنا۔ قزل کا آکر اس کو روکنا)

قزل: خبردار۔

مہر: کون؟ تو ہے نمرود کا ساتھی فرعون۔

قزل: یہ کیا نادانی ہے۔ آپ کی اس حرکت سے مجھے سخت حیرانی ہے ۔

ظلم و جور و قتل کو تیار کیوں کر ہوگیا
نور سے جو دل بنا تھا نار کیوں کر ہوگیا

مہر:۔

میں بھی حیراں ہوں کہ مور اب مار کیوں کر ہوگیا
پھول سمجھی تھی جسے وہ خار کیوں کر ہوگیا

قزل: کیا فرمایا؟

مہر: شیطان کو آئینہ دکھایا۔

قزل: کیا حضور کو مجھ پر کچھ شک ہے؟

مہر: خدا کا انصاف حق ہے۔

قزل: عصمت مآب۔

مہر: لقمۂ عذاب ۔

یہ جہاں کھیتی ہے جو بونا تھا تجھ کو بو چکا
مت سمجھ پر یہ کہ اس کا پھل بھی حاصل ہو چکا
ہر عمل کی اک سزا اور اک جزا موجود ہے
بندۂ سرکش ابھی سر پر خدا موجود ہے

قزل: ٹھہرو۔

مہر: چپ۔

(نادر جنگ کا جاگ اٹھنا)

نادر: کون؟ مہر؟ اور چھری؟

قزل: حضور کوئی نیکی آڑے آئی۔ تقدیر نے حضور کی جان بچائی۔

مہر: لیکن جب خدا کا انصاف قہر کی چھری سے مسلح ہوکر آئے گا اس وقت اس گنہگار روح کو کون بچائے گا۔

اس سے پائی سب نے طاقت سب سے وہ شہ زور ہے
مار بھی ہے یہ تو اس کے سامنے ایک مور ہے
زندگی تھی بچ گیا تقدیر یا اقبال سے
لیکن اس کے وار کو روکے گا یہ کس ڈھال سے

نادر:

ہوگئی پاگل، یہ کیا سوجھی تجھے تجویز ہے
ظلم پرور مہر۔ احمق۔ مہر یہ کیا چیز ہے

مہر: تو یہ تو ہے۔ (چھری کی طرف اشارہ کرنا)

نادر: میں؟

مہر: نادر۔

نادر: نادر؟

مہر: ہاں تو۔ تیرا نمونہ۔ یہ بھی بے رحم ہے، تو بھی بے رحم ہے۔ اسے دوست دشمن کی تمیز نہیں اور تجھ میں بھی یہ چیز نہیں۔ اس کا ظاہر اجالا اور دل توے کو شرمانے والا ہے اور تیرا منھ بھی سفید اور دل ظلمات کی طرح کالا ہے۔

یہ بھی ہے سفاک اور تو بھی ستم انگیز ہے
یہ بھی ہے آفت فزا، تو بھی مصیبت خیز ہے
ظلم میں یہ بھی رواں ہے اور تو بھی تیز ہے
یہ بھی ہے خوں خوار خونی، تو بھی ایک خوں ریز ہے
خرمن جاں کے لیے یہ آگ اور تو برق ہے
الغرض دونوں میں یکساں صرف قد کا فرق ہے

نادر: بے وقوف عورت۔ یہ میں نہیں تو ہے۔ تیرا نمونہ ہے۔

یہ بھی عورت، تو بھی عورت، یہ بھی جاہل، تو بھی ہے
یہ بھی اندھی، تو بھی اندھی، یہ بھی قاتل، تو بھی ہے
تجھ سے یہ کچھ کم نہیں ہے، اس سے تو کچھ کم نہیں
ظلم پیشہ، تو بری ہے، تو چھری ہے، ہم نہیں

مہر: ہاں۔ میں بھی چھری ہوں۔ مگر وہ چھری نہیں جسے قصائی بے گناہوں کے گلے پر چلاتا ہے۔ بلکہ وہ چھری ہوں جس سے حکیم سڑے ہوئے بدن کو کاٹ کر بیمار کی جان بچاتا ہے۔

میں آگ ہوں۔ پہ وہ جس سے اجالا پاتے ہیں
میں زہر ہوں۔ پہ وہ جس کو دوا میں کھاتے ہیں
ہر ایک خاک سے بچتا ہے۔ پر میں ہوں وہ خاک
سمجھ کے سرمہ جسے آنکھ میں لگاتے ہیں

نادر: عقل کی اندھی۔

آنکھیں نہ تھیں، دماغ نہ تھا یا کہ سر نہ تھا
یا سر میں عقل، عقل کو ہوش اس قدر نہ تھا
لے کر چھری جو آئی مری موت کے لیے
الٹی نہ موت آئے تجھے اس کا ڈر نہ تھا

مہر: اوہ موت۔ موت سے تجھ ایسے گنہ گار ڈرتے ہیں۔ جنھیں خدا کے سامنے جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ موت تو ایک رحمت ہے جو نیکوں کو دنیا کی برائیوں اور مصیبتوں سے آکر رہائی دلاتی ہے۔

اچھے اس بدکار جہاں میں یوں ہر دم غم کھاتے ہیں
جیسے چیل اور کوؤں میں بلبل پھنس کر گھبراتے ہیں
خوش ہوتے ہیں لینے کو جس وقت فرشتے آتے ہیں
مرتے نہیں اس دنیا کی جھنجھٹ سے رہائی پاتے ہیں
سب روتے ہیں ان کو اور وہ یاں سے ہنستے جاتے ہیں

نادر: لیکن اگر تو میرے قتل کا سبب نہ بتائے گی تو روتی آئی ہے اور روتی

ہی جائے گی۔

مہر: سبب؟ تیرے گناہ۔

نادر: میں نے کون سا گناہ کیا؟

مہر: تو نے کون سا گناہ نہیں کیا۔

نادر: کوئی نہیں۔ میں قسم کھا سکتا ہوں۔

مہر: کس کی؟

نادر: اس دل کی۔

مہر: وہ تو فریب اور دغا سے بھرا ہے۔

نادر: اس سر کی۔

مہر: اس پر تو گناہوں کا بوجھ دھرا ہے۔

نادر: فرشتوں کی۔

مہر: وہ سب کہتے ہیں کہ تو مکار ہے۔

نادر: اچھا تو خدا کی۔

مہر: خدا۔ خدا تو تیرے نام سے بیزار ہے۔

نادر: بس بس۔ زیادہ نہ پیچ و تاب دے۔ جواب سن یا جواب دے ؎

قتل کو آئی تھی میرے کیا سمجھ کر دیکھ کر
غصہ آتا ہے ترے ہاتھوں میں خنجر دیکھ کر

مہر: ؎

تجھ کو اک غصہ ہے لیکن مجھ کو سو افسوس ہے
تجھ کو بے رحم اور تیرے دل کو پتھر دیکھ کر

نادر: بے سبب خفا ہونا۔

مہر: دنیا کے لیے دین کھونا۔

نادر: اپنے عزیز کے ساتھ یہ بدگمانی۔

مہر: اپنے بھائی کے ساتھ یہ بے ایمانی۔

نادر: جس کو دنیا نے وفادار مانا۔ اس پر بے ثبوت الزام لگانا۔

مہر: جس درخت کا پھل کھانا۔ اسی کے جڑ پر کلہاڑی چلانا۔

نادر: کس نے مجھے مجرم ٹھہرایا؟

مہر: وفا نے۔

نادر: کس نے مجھے جرم کرتے پایا؟

مہر: خدا نے۔

نادر: کس نے گواہی دی؟

مہر: زمین و زماں نے۔

نادر: بس۔ ـ

اچھے برے کی کچھ تجھے پہچان ہی نہیں
گویا کہ سر میں عقل، سمجھ، دھیان ہی نہیں

مہر:۔

مجھ میں تو خیر عقل سمجھ دھیان ہی نہیں
لیکن لعین تجھ میں تو ایمان ہی نہیں

نادر:۔

پچھتائے گی لگا کے یہ الزام دیکھنا

مہر:۔

سب کام ہوچکے ہیں، اب انجام دیکھنا

نادر: بے وقوف۔

مہر: ظالم۔

نادر: تو جنونی ہے۔

مہر: تو خونی ہے۔

نادر: تو وہ الزام لگارہی ہے جو کبھی میری طرف سے معاف نہ ہو گا۔

مہر: تو نے اس خون سے ہاتھ بھرا ہے جو فرشتوں کے آنسوؤں سے بھی صاف نہ ہوگا۔

جب ایک بے کس پہ ہو رہاتھا ستم تری تیغ آہنیں کا

فلک تھا دہشت سے تھرتھراتا لرز رہا تھا جگر زمیں کا
قریب آتا ہے روز محشر چھپے گا کشتوں کا قتل کیوں کر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

نادر: بے وقوف۔ بھائی بھائی کا خون کس دل سے بہائے گا۔

مہر: تو ظالم۔ بیٹا باپ کے گلے پر چھری کس ہاتھ سے چلائے گا۔

نادر: جس ہاتھ سے سنجر نے چلائی۔

مہر: تو جھوٹا ہے۔ بے گناہ زندگی کا شیشہ، میرے جگر سے نہیں، او بولتے ہوئے پتھر تیرے ہاتھ سے ٹوٹا ہے۔ ؎

خشک کر ڈالا سمندر کو، گہر کے واسطے
آگ دے دی کل چمن میں اک ثمر کے واسطے
سلطنت میری مٹادی سلطنت کے حرص میں
بال وپر توڑے مرے اس مال و زر کے واسطے

نادر: ؎

بیداد، برا، قتل کہ دھوکا نہیں کرتا
دولت کے لیے آدمی کیا کیا نہیں کرتا

مہر: ؎

کانٹا کوئی رستے میں بچھایا نہیں کرتا
جو کرتا ہے ایسا وہ کچھ اچھا نہیں کرتا

نادر: ؎

بے زری درد ہے اور اس کی دوا ہے دولت
بے زری زہر ہے اور آب بقا ہے دولت
سب کی امید اسی چیز سے بر آتی ہے
گر نہ ہو کفر تو کہہ دوں کہ خدا ہے دولت

مہر: ننگ انسانیت۔ جس دولت کے لیے تو کفر تک بکنے سے چوکتا نہیں ہے۔ اس پر سمجھدار آدمی تھوکتا تک نہیں ہے ؎

بھرے تھے قارون کے خزانے اٹھا کے دیکھ اب نظر کہاں ہے
جم اور کسریٰ بھی مال ور تھے وہ مال لا ڈھونڈھ کر کہاں ہے
اندھیری قبروں میں کیوں پڑے ہیں چراغ لعل و گہر کہاں ہے
وہ رعب اور کرو فر کہاں ہے وہ گھر کہاں ہے وہ زر کہاں ہے
کوئی نہیں پوچھتا اسے واں، یہاں سے جو خالی ہاتھ جائے
وہ جمع کر اس جہاں میں دولت جو مر کے بھی تیرے ساتھ جائے

نادر:

جو بے دغا ہو، جو بے وفا ہو ،وہ مال و دنیا میں بے نشاں ہے
جو ہاتھ آئے جو ساتھ جائے وہ کیسی دولت ہے اور کہاں ہے

مہر: وہ آدمی کی بھلائیاں ہیں۔ وہ دولت انسان کی نیکیاں ہیں۔

نادر: اوہ یہ تو بہت آسانی سے پا سکتے ہیں۔ اگر روپیہ ہے تو بھوکے کو کھانا، ننگے کو کپڑا، بندگی کو عبادت گاہیں، بیماروں کے لیے شفاخانے، مسافروں کے لیے سرائیں۔ غرض گناہ سے روپیہ اور روپیہ سے ہزاروں نیکیاں کما سکتے ہیں ۔

گنہ سے جو زر ملا اسی سے مٹائیں گے ہم عذاب لاکھوں
عمل کا بازار جب کھلا ہے خرید لیں گے ثواب لاکھوں

مہر: خود غرض۔ تجھے ہوس بہکاتی ہے۔ ایک کا خون چوس کر دوسرے کی پیاس بجھانا۔ یہ نیکی نہیں کہی جاتی ہے ۔

لاکھوں ہوں تجھ سے نیکیاں یا صرف ایک ہو
پھل نیک تب ملے گا جو نیت بھی نیک ہو

نادر:

آدمی پیدا ہوا لطف و جوانی کے لیے
شادمانی، حکمرانی، زرفشانی کے لیے
نیک و بد کی فکر دل سے دور کرنا چاہیے
سارے کانٹے ہیں یہ باغ زندگانی کے لیے

مہر: مگر وہ زندگی ہی کتنی ہے جس کی ہوس اتنی ہے۔ زندگی ہوا کا جھونکا، پانی کا بلبلا۔ آنکھ کی جھپک، بجلی کی چمک ہستی کا خواب ہے۔ جب آنکھ کھلے گی تو اپنے کو قبر میں پایئے گا۔ پھر جس طرح رات کا نشہ دن کو تکلیف دیتا ہے یوں ہی اس دنیا کا گناہ اس دنیا میں ستائے گا۔

آدمی مثل شجر ہے جو ہرا ہے کچھ برس
گر پڑے گا کٹ کے آخر کیونکہ آرہ ہے نفس
یہ سر ناپاک کیا ہے ایک ہڈی کا قفس
آ بسا ہے اس میں دو دن کے لیے مرغ ہوس
موت کا صیاد جب آئے گا شوق جبر میں
چڑیا اڑجائے گی پنجرا پھینک دے گا قبر میں

نادر:۔

قبر یا دوزخ میں پھینکے اس کی فکر اس دم نہیں
ابتدا اچھی ہے تو انجام کا کچھ غم نہیں
سکہ و زر لوں گا میں اس راج اور ہر راج سے
ہوگی تاراجی سے پہلے سر کی زینت تاج سے

مہر: یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں زندہ ہوں تو حق حق دار ہی کو دلایا جائے گا۔ اگر رعایا سنجر کو تاج نہ پہننے دے گی تو قیصر کو پہنایا جائے گا۔

نادر: اگر ایسا چاہا تو بچی ہوئی پونجی بھی کھوئے گی۔ ایک آنکھ سے سنجر کو اور دوسری سے قیصر کو روئے گی۔ قزل جاؤ پکڑ لاؤ۔

مہر: ظالم ٹھہر۔

نادر: بے وقوف سن۔ ؎

میں ہوں اک شیر جو بپھرا تو چبا ڈالوں گا
میں ہوں اک آگ جو بھڑکا تو جلا ڈالوں گا
الگ آئے ہیں مگر ساتھ میں جانا ہوگا
ایک ہی قبر میں دونوں کا ٹھکانا ہوگا

(شیر جنگ کا آنا)

شیر جنگ: اگر خدا چاہے گا تو ایسا کبھی نہ ہوگا۔ ؎

خزاں بھی ہے ہستی کی آخر بے ڈر ہوکر پھول نہ جا
شداد اور نمرود کی نخوت اور ذلت کو بھول نہ جا
جو دنیا میں چیونٹی اور کیڑے کی حفاظت کرتا ہے
اس کی طاقت گر ہے زندہ تو سنجر کب مرتا ہے

نادر: زندہ حماقت۔ تجھے کس نے بھیجا اور کون یہاں لایا۔

شیر: ایمان نے بھیجا اور انصاف لے کر آیا۔

نادر: مگر تجھے یہاں آنا ہی کیا ضرور تھا۔

شیر: ایک اندھے کو ٹھوکر سے بچانا منظور تھا۔

نادر: کون اندھا؟

شیر: جو شیطان کا ہے بندہ۔ جس کا دل ہے گندا۔ جو بچھانے چلا ہے پھندا۔

نادر: زبان۔ زبان درازی کے لیے نہیں بنی ہے۔

شیر: اور دل دغابازی کے لیے نہیں بنا ہے۔

نادر: تو کیا ایمان نے تجھے یہاں دغابازی کے لیے بھیجا ہے۔

شیر: اور کیا یزداں نے تجھے یہاں بدزبانی کے لیے بھیجا ہے۔

نادر: ہاں بے ایمانی۔ بالکل بے ایمانی کے لیے۔ اگر خدا میرے دل میں ہوش، جوش، ہمت، غصہ، حرص یہ سب نہ بخشتا۔ تو میں کیوں دنیا کی محبت میں گرفتار ہوتا۔ اگر وہ لوہے سے تلوار بنانے کی سمجھ اور اس تلوار کو چلانے کے لیے ہاتھ میں طاقت نہ دیتا تو میں کبھی قتل و خون کو تیار نہ ہوتا ؎

ہاتھی کا کیا قصور جو موروں کو مل دیا
پتھر کا کیا گُنہ جو کسی کو کچل دیا

مٹی میں باغبان نے ڈالا تھا جیسا بیج
ویسا شجر نے پھول کے دنیا کو پھل دیا

مہر: کور دل۔ خدا نے اندھیرا ہی نہیں روشنی بھی بنائی ہے۔ اگر انسان کو نیکی کے ساتھ بدی کی قوت دی ہے، تو اس قوت پر حکومت کرنے کے لیے شریعت اور عقل عطا فرمائی ہے۔

شیر: ہمت اس لیے دی ہے کہ ظالم کو ڈراؤ۔ زور اس لیے دیا ہے کہ کمزوروں کو بچاؤ۔ غصہ اس لیے دیا ہے کہ بدی کو فنا کرو۔ حرص اس لیے دی ہے کہ نیکیاں جمع کرو۔

نادر: احمق۔

شیر:

آنکھ دی ہستی کو ٹھوکر سے بچانے کے لیے
دل ہے بخشا بے کسوں پر رحم کھانے کے لیے
ہاتھ انساں کو ملے دینے دلانے کے لیے
پاؤں دونوں پائے اچھی راہ جانے کے لیے
سر ملا خالق کی خدمت میں جھکانے کے لیے

نادر: سر میں ہو گر عقل تو بکنا زیادہ چھوڑ دے۔

شیر: دل میں ہو ایماں تو یہ خونی ارادہ چھوڑ دے۔

نادر: بے ادب جاہل ہے تو.....

شیر: .....پر بھائی کا قاتل نہیں.....

نادر: موت پر مائل ہے تو.....

شیر: .....پر ظلم پر مائل نہیں۔

نادر: دیکھ تو مجنون ہے.....

مہر: .....اور دیکھ تو ملعون ہے۔

نادر: تیرے سر پر ہے قضا۔

شیر: اور تیرے سر پر خون ہے۔

نادر: یہ زباں کب تک چلے گی؟
شیر: جب تلک یہ جان ہے۔
نادر: جان کب تک ساتھ دے گی۔
شیر: جب تلک ایمان ہے۔
نادر: اس کو کہتے ہیں حماقت۔
مہر: اس کو کہتے ہیں وفا۔
نادر: کون مانے گا۔
شیر: شرافت۔
نادر: کون خوش ہوگا۔
شیر: خدا۔
نادر: ؎

بے ادب بس کوئی اب حرف سنانا ہی نہیں
میں بلا ہوں مجھے تو نے ابھی جانا ہی نہیں
اس کی قسمت کی طرح تجھ کو مٹا ڈالوں گا
یاد رکھنا کہ یہیں خاک بنا ڈالوں گا

شیر: اوہ ؎

تو ڈرائے گا تو کیا دل میں دغا آئے گی
دل میں جو بات ہے وہ لب پہ سدا آئے گی
پیکر خاک بھی کردے گا اگر تو مجھ کو
تو مری خاک سے بھی بوئے وفا آئے گی

مہر: ؎

دے خدا نیک عوض تیری نکو کاری کا
شرم کر سیکھ سبق اس سے وفاداری کا

نادر: ؎

اس سے اچھا میں سکھاؤں گا سبق خنجر کو

اور خنجر سے پڑھاؤں گا تیرے سنجر کو
عمر بھر تو بھی نہ بھولے گی سنے گی جس دم

(قزل کا قیصر کو لے کر آنا)

مہر: میرا بچہ۔
قیصر: میری اماں۔
شیرز: یہ ستم۔
نادر: روک قدم۔
شیرز: ۔

بے کس پہ ظلم کرتا ہے کیسا لئیم ہے
ظالم یہ ایک بیوہ ہے اور یہ یتیم ہے

مہر: ۔

اور کردے ٹکڑے ٹکڑے اس دل صد چاک کو
تن جلادے اور اڑادے ٹھوکروں سے خاک کو
آنکھ میری پھوڑ دے سر اور بازو توڑ دے
چھوڑ دے پر چھوڑ دے بچے کو میرے چھوڑ دے

نادر: ۔

تاج کے بارے میں اُف کی تو تماشا دیکھنا
آج اس کی لاش تو کل اُس کا لاشہ دیکھنا
جاو لے جاؤ.....

شیرز: ۔ .....نہیں ٹھہرو ابھی جیتا ہوں میں.....خون کے پیاسے الگ ہو.....
نادر: لے خون ہی پیتا ہوں میں۔

(نادر کا شیر خاں کو طپنچہ سے مارنا۔ قیصر کو لے جانا۔ اقبال کا آنا)

شیر: آہ حق ادا۔

اقبال: بے حد جفا۔

مہر: او عادل خدا..... ۔

باب پہلا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سین پانچواں

پھانسی گھر

سپاہی ا: ۔

لوہے کی سڑک سے تجھے جانا ہے عدم کو
چل نذر چڑھا سر، سرِ شمشیر دو دم کو

سنجر: ۔

احسان و مروت کو نہ برباد کرو تم
برسوں مرا کھایا ہے نمک یاد کرو تم

سپاہی ا: ۔ ہم حکم سے لاچار ہیں.....

سپاہی ۲: .....کیوں کرتا ہے دیری۔

سپاہی ا: ناشاد.....

(طپنچہ کا فائر۔ سپاہی کا گرنا۔ سنجر کے ماموں اور اقبال کا ظاہر ہونا)

اقبال: ٹھہر.....

سپاہی ا: آہ....

سپاہی ۲: یہ کیا۔ کیسی دلیری۔

سنجر: تم کون؟

اقبال: .....نکل چلیے اب اس جائے خطر سے۔

سپاہی۲: کیا کرتے ہو......

اقبال: .....چپ۔ ورنہ دھواں پار ہے سر سے۔

(سنجر و اقبال وغیرہ کا جانا۔ قزل و نادر کا آنا)

نادر: کیوں ذبح کیا، قتل کیا، چل گیا خنجر
ہیں۔(حیرت سے) سنجر بھی نہیں خون میں خنجر بھی نہیں تر

سپاہی۲: حضور رحم رحم۔

نادر: میں رحم کروں تجھ پر جو دشمن سے مل کر دغا دے۔ قزل۔ کیا دیکھتا ہے۔ اس کا سر تن سے اڑا دے۔

-پردہ-

باب دوسرا ـــــــــــ سین پہلا

دربار

(درباریوں کا مع نادر کے کھڑے نظر آنا۔ سہیلیوں کا گانا)

(گانا): سب جگ رٹت ہے تیرو نام
جگ والی سنو بنتی
توری قدرت کی سمرن سب کرتے، پالن ہار تم دکھ ٹارو
داتا ہمری ناؤ کو دکھ ساگر سے کرو پار
بچایو تم ہی کھیون ہار
جگت جپت تمرو نام۔ عرج گرج کر لے مدام
سب جگت رٹت ہے.....

نادر: میرے پیارے بھائیو۔ عزیزو۔ دوستو اور جان نثارو۔ اس تاج کے چمکتے ہوے تارو۔ اس دنیا میں معزز اور نیک نام ہو۔ میں سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے مجھ جیسے ذرے کو اس قابل سمجھا۔ اور شہزادہ جب تک جوانی کے پورے جوش میں آفتاب بن کر نہ چمکے تب تک اس کا جانشین رہوں۔

قزل: حضور کی لیاقت نے حضور کو اس درجے تک پہنچایا۔

نادر: میں نے سنا ہے کہ سنجر فرار ہوکر اپنے ماموں کے یہاں گیا ہے اور وہاں سے فوج و لشکر لے کر ہم سب سے بدلہ لینے کے لیے آتا ہے۔

عاجزی یا بزدلی یا تیر یا شمشیر سے
اس وبا کو روکیے گا آپ کس تدبیر سے

سردار ا:۔

خنجر خوں خوار سے، یا تیغ جوہر دار سے
سرد اس کو ہم کریں گے اس چھری کی دھار سے

سردار۲:۔

دم ہوگا رواں سوئے عدم تیغ دو دم سے
سر دینے کو آتا ہے یہاں چل کے قدم سے

قزل: حضور۔ اب اس فکر کو اس پیالے میں ڈبو دیجیے۔ کیونکہ آج روز عید ہے۔

(نادر کا شراب پینا اور سہیلیوں کا گانا)

شادماں۔ شادماں ہے شادماں
نیاریاں۔ پیاریاں۔ سب نیاریاں
راجوں کے راجا بیٹھے پیارے مہاراجہ بیٹھے ساریاں۔
مل مل کر جاؤ بلہاریاں
گاؤ دیپک کا راگ۔ ہووے روشن چراغ
ساجے سر میں سب راج ملے پیاریاں
واریاں۔ نیاریاں۔ نیاریاں

باب دوسرا ـــــــــ سین دوسرا

محل

مہر عالم:۔

یہ نہ ہوگا، یہ عبث اک خواہش ناچیز ہے
مانگنا کیا چاہیے تو مانگتی کیا چیز ہے
غیر ممکن ہے کہ اچھا زخم دل کا چاک ہو
زندگی مت مانگ، موت آئے کہ قصہ پاک ہو

اختر: پیاری ماں۔ تیری موت۔ ہلاک ہوں وہ جو تیری ہلاکت کے خواہش مند ہوں۔ ٹوٹ جائیں وہ ہاتھ جو اس دعا کے لیے بلند ہوں ۔

یہ برا دن اور تجھ سی نیک باطن کے لیے
تو نہ ہو پیدا جہاں میں موت اس دن کے لیے

مہر: تو کیا تو یہ چاہتی ہے کہ میں جیوں؟

اختر: ہاں جی۔ میری پیاری ماں تو جی۔ میرے لیے نہیں تو سنجر کے لیے جی۔ اس کے لیے نہیں تو پیارے قیصر کے لیے جی۔ جو میرے مرحوم باپ کی آخری اور زندہ نشانی ہے ۔

کر نہ پامالی کا ساماں اپنے باغوں کے لیے
داغ بچوں کو نہ دے تو دل کے داغوں کے لیے
موت نے جس دم بجھادی تیری شمع زندگی
پھر جہاں تاریک ہے تیرے چراغوں کے لیے

(اقبال کا آنا)

اقبال: چچی جان۔ اختر بہن۔ تیار۔ آمادہ۔ لیجیے چابی۔ طپنچہ اور لبادہ۔

مہر: اقبال۔

اقبال: وہ دیکھیے باغ کی مغربی دیوار میں چور دروازہ ہے۔ اگر آپ تیز قدم اٹھائیں گی تو تھوڑی دیر میں اپنے کو آزاد ہوا میں پائیں گی۔

مہر: اچھا۔ میں اپنے قیصر اور تم دونوں کو خدا کے سپرد کرتی ہوں..... اے پرانے پتھرو۔ وہ تمھاری دیواروں میں حرص و ہوس نے ایک بے گناہ بچے کو بند کیا ہے.....

اختر: اور وہ تمھارے بادشاہ کا بیٹا ہے۔

مہر:

بھنور پڑتے ہیں، موج اٹھتی ہے، برق آنکھیں دکھاتی ہے
کنارہ دور، شب تاریک، یاس آ کر ڈراتی ہے
امید و بیم کا طوفاں ہے، ہمت ڈگمگاتی ہے
بچالے ناخدا کشتی اب اپنی ڈوبی جاتی ہے
پھنسے ہیں آفتوں میں ہر طرف سے غم نے گھیرا ہے
مدد کر اے مرے مولا بھروسا ہے تو تیرا ہے

باب دوسرا ـــــــــ سین تیسرا

محل

(نادر اور قزل کا گفتگو کرتے ہوے آنا)

نادر: قزل۔

قزل: حضور۔

نادر: میں تجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مگر تھوڑی دیر اور ٹھہر۔

قزل: حضور فرمائیں۔

نادر: وقت دیکھنا چاہیے۔ دن کو شام کی گود میں جانے کے لیے ابھی ایک گھنٹہ باقی ہے۔ سورج کی کرنیں تمام گھروں میں جاسوسوں کی طرح گھسی ہوئی ہیں۔ جب آدھی رات کا گھڑیال اپنے کانسے کے منھ سے لوہے کی زبان نکال کر چلاتا ہو تو یہ جگہ جہاں ہم تم دونوں کھڑے ہیں قبرستان نظر آئے۔ ہر طرف موت کا سناٹا ہو۔ یا خوف اور دہشت کے بھوت نے تیرے جسم کے خون کو جاکر گاڑھا کردیا ہو یا تمام ناپاکیوں کو کوٹ کوٹ کر تیرے جسم میں بھردیا ہو۔

قزل: اس وقت؟

نادر: اُس وقت بغیر آنکھوں کے تو مجھے دیکھ سکتا۔ یا بغیر کانوں کے تو میری آواز سن سکتا۔ یا آنکھ کان اور لفظ کی مدد کے بغیر خیال ہی خیال میں میری باتوں کا جواب دیتا۔

قزل: تو۔

نادر: تو میں تجھے اس چالاک باہوش دل کے سامنے اپنے دل کی بیماری کا طبیب بناتا۔

قزل: یا خدا۔ وہ کیسا بھیانک کام ہوگا۔ جس کی ایسی ڈراونی تمہید ہے۔

نادر: ہاں میں پھر کہتا ہوں کہ وہ بات ناقابل شنید ہے۔

قزل: کیا کسی سے دغا بازی کرنا ہے؟

نادر: نہیں۔

قزل: ملک میں فتنہ پردازی کرنا ہے؟

نادر: نہیں۔

قزل: جبر۔

نادر: نہیں۔

قزل: پھر کیا مضمون؟ قتل۔ خون۔

نادر: قزل۔ قزل۔

قزل: یا خدا۔ یاخدا۔ حضور کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔

نادر: وفادار دوست۔ اس محل میں ایک چھوٹا سانپ ہے۔ جو ہمیشہ میرے راستے میں آڑے آتا ہے۔ تو اسے جانتا ہے؟

قزل: میں۔

نادر: وہ۔

قزل: کون؟

نادر: قیصر۔

قزل: موت؟

نادر: ٹھیک۔

باب دوسرا ـــــــــ سین چوتھا

کرامت کا گھر

(نزاکت کا گانا)

دیکھو میرے بالے جوبن کی بہار
کیسی بنی رنگیلی رسیلی نار
پر دل اداس ہے۔ نہ پیسہ پاس ہے۔ شوہر سے ہوں میں بیزار
میرے نازک بدن پر اور ایسے پھبن پر۔ایسے موؤں کو کروں میں نثار
لوں پیزار۔ ماروں چار۔ روئے زار زار
جب نکلے دل کا بخار۔ دیکھو میرے.....

نزاکت: صورت گوری۔ نصیب کالا۔ نگوڑی قسمت نے ایسے بدبخت کے پلے ڈالا کہ کمانے کے لیے کہو تو کرتا ہے حیلہ حوالہ۔ بگڑو تو جوتا وہ بھی سادہ نہیں لوہے کی نال والا۔ موے کی آنکھوں میں پڑجائے جالا۔ ڈس جائے ناگ۔ کالا کوڑیالا۔ مرتا بھی نہیں رذالہ۔ جس سے چھوٹ جائے میرا پالا۔ ہائے۔ ہائے۔

(کرامت کا سامنے آنا)

کرامت: ہیں۔ ہیں۔ بس بس کتنی دعائیں دوگی میری خالہ۔ عورت ہے یا عشق

و محبت کی ہنڈیا کا گرم مصالحہ۔

نزاکت: ارے موے۔

کرامت: کیا ہے رے موئی۔

(دونوں کا گانا)

ہٹو چھوڑو۔ نہ جوبنا کو میرے شرماؤ۔ چلے جاؤ
پیاری منکو۔ نہ ہاتھ میرا جھٹکو۔ گلے سے لگ جاؤ
جارے چھیلانی۔ باتیں دیوانی۔ کر نہ مستانی۔ یہاں سے نکلو
میری جان و جگر۔ تجھ پہ صدقے قمر۔ کلغی والی گوہر
میں موٹر میں تجھ کو بٹھاؤں گا
تھیٹر میں ناٹک دکھاؤں گا
ونس مور
نومور
اور تجھے گارڈن کی ہوا کھلواؤں گا۔
سُر سُر۔ پھرپھر۔ باتوں میں۔ گھاتوں میں پھنساتے ہو
جاؤجی جاؤ۔ ہٹو چھوڑو.....

نزاکت: ارے میں پوچھتی ہوں کہ تو کہیں جاکر محنت مزدوری کیوں نہیں کرتا ہے۔ بیٹھا بیٹھا گھر میں سڑتا ہے۔

کرامت: ہیں نوکری۔ کیا کوئی میرے باوا کا نوکر ہے جو مجھے نوکری دے گا۔ بیوی وہ دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑاتے تھے۔ ایک کماتا تھا اور دس کھاتے تھے۔ اب تو ایک آدمی کا پیٹ بھرنا محال ہے۔ بڑی نوکری تو گئی جہنم میں۔ اب اگر جوتا صاف کرنے کی نوکری مانگنے جاو تو کہتے ہیں بی اے کلاس کا سارٹیفکٹ لاؤ۔

نزاکت: ہاں پھر؟

کرامت: پھر کیا۔ میں تو آج کل ایک حکیم صاحب سے کیمیا سیکھ رہا ہوں۔

نزاکت: موے کیمیا کیا چیز ہے؟

کرامت: یہ بھی ایک قسم کا علم ہے۔ پیاری تھوڑے دن ٹھہر۔ پھر ہاتھ کان ناک گلے میں سونا ہی سونا نظر آئے گا۔

(دونوں کا گانا)

ہوگا یہ پیسے کا فائدہ
دل میں امنگ، چہرے پہ رنگ لائے گا
مجھے چاندی کے جھانجھن پہنانا۔ اور سونے کا کنگن بنانا
تم بھی بن ٹھن نخرے دکھانا
جب تو ہوں گے مالا مال۔ پیاری دل ہی میں رکھنا یہ حال
ہوگا پیسہ.....

نزاکت: خیر یہ تو مانا کہ جب باپ مرے گا تو بیل بٹے گا۔ مگر یہاں تو چراغ میں تیل بھی نہیں ہے۔ آج کا دن کیسے کٹے گا۔

کرامت: پھر وہی بیہودہ جھگڑا۔

نزاکت: ارے موے جھگڑا کیسا۔ کھانے کو لاتا ہے یا جوتیاں کھاتا ہے۔

کرامت: دیکھو بی نزاکت جان۔ میں پٹھان آدمی ہوں۔ بہت جلد غصے میں آجاؤں گا اور اس وقت بھوکا بھی ہوں۔ اگر بگڑ جاؤں گا تو ناک ہی چبا جاؤں گا۔

نزاکت: چل موے۔ بڑا آیا ناک کاٹنے والا۔ تو کوئی رستم ہے یا رستم کا سالا۔

کرامت: میں سفید دیو کا بہنوئی ہوں۔

نزاکت: تو میں بھی لال دیو کی خالہ ہوں۔

کرامت: تو کیا کشتی لڑے گی۔ دیکھو چپ بیٹھو۔ ورنہ ایسے جوتے لگاؤں گا کہ سر کی دھول جھڑ جائے گی۔

نزاکت: کیوں چپ بیٹھوں۔ تو ایک کہے گا تو میں دس سناؤں گی۔
کرامت: ہاں۔ یہ بات ہے۔ ارے میرے باپ کے غصے کم آن۔
نزاکت: ارے موے چمار۔ باپ تو تیرا مرگیا۔ اب اپنی ماں کو پکار۔
کرامت: شیطان کی نانی۔ نہیں چھوڑتی بدزبانی۔

(نزاکت کا کرامت کو مارنا اور خود چلانا)

نزاکت: ارے کوئی آؤ۔ یہ مجھے مارتا ہے، میری جان نکالتا ہے۔

(شور سن کر کریم اور رحیم کا آنا)

رحیم: کیا ہے۔ کیا ہے۔
کریم: یہ کیا۔ ابے کم بخت مرد ہوکر عورت پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔
کرامت: پھر تجھے کیا۔ تو خدائی فوجدار ہے۔
رحیم: بے شک بے شرم۔ مرد ہوکر عورت پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ پھر اوپر سے غراتا ہے۔
نزاکت: پھر تمھیں کیا۔ میرا جی مار کھانے کو چاہتا ہے۔ تمھیں کیا ضرور ہے بچانا۔
کریم: ارے یار یہ تو گلے پڑو عورت ہے۔
نزاکت: عورت کا بچہ۔ نکل نہیں تو کھا جاؤں گی کچا۔ لو پیارے دس پانچ جوتے اور لگاؤ۔
کریم: ہاں استاد۔ ونس مور۔ دس یہ کہتی ہے اور دس دس ہماری طرف سے لگاؤ۔
کرامت: واہ میں اپنی بیوی کو کیوں ماروں۔ یہ مجھے بہن سے زیادہ پیاری ہے۔
نزاکت: میاں میں تمھارے جوتوں کا برا کیوں مانوں۔ تم تو مجھے بھائی سے

زیادہ پیارے ہو۔

کریم: لو وہ بہن اور یہ بھائی۔ پھر ہم تم کون؟

نزاکت: گدھے اور سودائی۔

کرامت: نہیں نکلتا ہے نا سزائی۔

(کرامت ڈنڈا لینے جاتا ہے)

رحیم: ابے تو یہاں کیوں آیا؟

کریم: ابے لنگڑے تو ہی تو لایا۔ بیگم معاف کرنا ہم تو ایک حکیم کی تلاش میں آئے تھے۔ رستے میں تمھارا غل سنا تو جان بچانے کے لیے چلا آیا۔

نزاکت: (سائڈ میں) اب میں موئے کرامت کی حجامت کراتی ہوں۔ (مخاطب ہوکر) اجی میاں۔ او میاں صاحب۔ ابھی آپ ہی نے تو حکیم کا ذکر کیا تھا۔

کریم: جی جی۔

نزاکت: اجی یہ کیا مشکل بات ہے۔ تو آپ ان حکیم صاحب کو لے جایئے۔ ان کا علاج واقعی کرامات ہے۔

کریم: حکیم؟ ارے یہ تو کوئی اول نمبر کا گھاسلیٹ معلوم ہوتا ہے۔

نزاکت: اجی توبہ کرو۔ یہ تو انھوں نے صورت ہی ایسی بنا رکھی ہے۔ مگر ہاں کسی سے اپنی حکمت کا اظہار نہیں کرتے کیونکہ جب تک مار مار کے ملیدہ نہ بناو۔ تب تک حکیم ہونے کا اقرار نہیں کرتے۔

کریم: پھر اس کا کیا علاج۔

نزاکت: اجی سر کے رستے سے جوتوں کا کچومر پلاؤ۔

کریم: دیکھنا پھر تم برا نہ ماننا۔ کیونکہ تم ان کی بیوی ہو۔

نزاکت: کون بیوی۔ اجی میں ان کو دلگی سے میاں کہتی ہوں۔

(کرامت کا آکر کریم رحیم کو مارنا)

کرامت: ایک۔دو۔تین۔چار۔
کریم: بس بس حکیم صاحب۔ آپ کا ہاتھ دکھ جائے گا۔ پھر نسخہ کیسے لکھیے گا؟
کرامت: ہیں یہ نسخہ کیسا؟
رحیم: رحم کیجیے۔ حکیم صاحب۔ رحم کیجیے۔
کریم: ہمارا کام ہوگا۔ آپ کا نام ہوگا۔
کرامت: ہیں۔ یہ تو بھلے چنگے آئے تھے۔ پاگل کیسے ہوگئے۔
کریم: حکیم صاحب پاگل نہیں۔ وہ گونگی ہوگئی ہے۔
کرامت: ارے بھائی اپنے دماغ کا علاج کراؤ۔ میں حکیم نہیں ہوں۔
رحیم: پھر؟
کرامت: ارے پھر کیا۔ پوچھ لو۔ یہ میری بیوی کھڑی ہے۔
نزاکت: بیوی کون۔ بس بس حکیم صاحب، میری دلگی نہ کیجیے۔ میں تمھاری بیوی ویوی نہیں ہوں۔ میرا میاں تو چار مہینے ہوے گزر گیا ہے۔ ہیضہ سے مرگیا ہے۔
کرامت: اری او ہیضے کی خالہ۔
کریم: بس بس حکیم صاحب۔ یہ کیا گڑبڑ گھٹالا۔
کرامت: ارے یار تم کو دلگی سوجھتی ہے، یہاں پالی پوسی بیوی ہاتھ سے جاتی ہے۔
کریم: اجی حکیم صاحب۔ انعام پایئے گا تو اور بیوی بیاہ لایئے گا۔
کرامت: حکیم پر شیطان کی مار۔
کریم: لگاؤ یار۔

(کریم و رحیم کا کرامت کو مارنا)

کرامت: میں حکیم۔ میرا دادا حکیم۔ بلکہ کل خاندان حکیم۔ اب تمھارا تابع دار

ہوں۔ جہاں کہو چلنے کو تیار ہوں۔

کریم: ہاں۔ اب کیسے قبولا۔

کرامت: ہاں میں بھولا۔ چلیے میں چلنے کو تیار ہوں۔

رحیم: اچھا تو لیجیے نذرانہ ہم ابھی سواری لاتے ہیں اور آپ کو لے جاتے ہیں۔

کرامت: واہ واہ۔ حکیم بننے میں تو بڑا ہی فائدہ ہے۔ مگر یہ مارمار کر حکیم بنانا کون سا قاعدہ ہے۔

نزاکت: کیا ہوا۔ مار کھائی حکمت آئی۔

کرامت: ہاں سچ کہتی ہو میری لگائی۔ مگر ٹھہرو تو۔ تو میری بیوی نہیں ہے۔

نزاکت: کون کہتا ہے۔ اجی میاں۔ میں تمھاری بیوی۔ تمھارے باپ کی بیوی۔

کرامت: تو پھر اپنے بھائیوں کے سامنے کیوں مکرتی تھی۔

(شمشاد کا آنا)

شمشاد: جناب حکیم صاحب۔ آداب۔ تسلیم۔ کورنش۔

کرامت: آیئے حکیم صاحب۔ آیئے حکیم صاحب۔

شمشاد: جناب میں کوئی حکیم نہیں ہوں۔

کرامت: نہیں صاحب۔ آپ حکیم ضرور ہیں۔ یہ آپ کی خاکساری ہے۔

شمشاد: واللہ میں حکیم نہیں ہوں۔

کرامت: نہیں ہو تو کون ہو؟

شمشاد: (خود کلامی) میں نے ٹھیک ہی سنا تھا کہ یہ پاگل بھی ہے۔ (مخاطب ہوکر) جناب آپ یقین کیجیے کہ میں حکیم نہیں ہوں۔

(کرامت کا شمشاد کو مارنا)

کرامت: کیوں نہیں ہو؟

شمشاد: اجی ہوں حکیم صاحب۔
کرامت: اب بتا حکیم۔
شمشاد: کیا آپ گھونسوں سے حکمت پڑھاتے ہیں۔
کرامت: جی ہاں۔ جب سے پلیگ میں حکیم ڈاکٹر مرگئے۔ تب سے مار مار کر حکیم بناتے ہیں۔
شمشاد: خوب۔
کرامت: ابے خوب کیا۔ مجھے بھی تو اسی طرح حکیم بنایا۔ اب بتا تو یہاں کیوں آیا۔
شمشاد: جناب آپ جس لڑکی کا علاج کرنے جاتے ہیں وہ کوئی گونگی نہیں ہے۔ اصلی بات یہ ہے کہ وہ مجھ پر عاشق ہے۔
کرامت: ابے تجھ پر۔ ابے تجھ پر۔ اس جھڑوس شکل پر؟
نزاکت: میاں۔ تم سے تو اچھی ہے۔
کرامت: چپ بدتمیز۔
شمشاد: اس کا باپ اس کی مرضی کے خلاف دوسرے شخص سے شادی کردینے کو تیار ہے۔
نزاکت: ہاں ہاں میں سمجھ گئی یہ کیا گڑبڑ گھٹالا ہے۔ وہ شادی رک جائے اس لیے اس نے گونگی کا سوانگ نکالا ہے۔
شمشاد: جی ہاں بیگم یہی تو بات ہے۔
کرامت: ابے بیگم کے بچے اپنی ماں سے کیا بات کرتا ہے۔ اپنے باپ سے کہہ۔
شمشاد: جناب اتنی مہربانی فرمایئے۔ مجھے اپنا دوست یا نوکر یا کسی بہانے سے اپنے ساتھ لے جایئے۔
کرامت: ابے میں لے جاؤں۔ تو نے کوئی ملاؤ خاں یا دلال جانا ہے۔
شمشاد: ابھی شور نہ کیجیے۔ لیجیے یہ آپ کا نذرانہ ہے۔
کرامت: ہاں۔ اب تو عقل مند باپ کا بیٹا معلوم ہوتا ہے۔ اچھا منظور۔ چل

ہوجا کافور۔ لو بیوی کھاؤ تنجن اور موتی پور۔

(نذرانے کی رقم نزاکت کو دینا)

نزاکت: اے میرے حکیم تیرا سارا پلیگ دور۔

(سب کا گانا)

کرامت: مار کھائی حکمت آئی۔
دونوں: چلیے چلیے شتاب۔
کرامت: ابھی آیا جناب۔
دونوں: لائے ہیں ٹٹو میاں۔
کرامت: ٹھہرو بجز بٹو میاں۔
نزاکت: جاؤ نکھٹو میاں۔
کرامت: میں ہارا۔ خوب مارا۔ بھوت اتارا۔
دونوں: آؤ آؤ جلدی آؤ۔
نزاکت: دیکھا جان۔
کرامت: ہٹ نادان۔
نزاکت: چپ نادان۔
کرامت: واہ واہ۔
نزاکت: جاؤ حکمت نہ دکھاؤ۔ اور پیسے ٹھگ لاؤ۔ میں ریشم کی ساڑھی بناؤں گی۔
کرامت: یہ ہے کتنی سی بات۔
نزاکت: چلی گھات۔ واہ واہ۔
سب: مار کھائی حکمت آئی.....

باب دوسرا ــــــــــــ سین پانچواں

تہ خانہ

(تہ خانہ میں قیصر کا سوتے ہوئے نظر آنا۔ قزل کا مع جلادوں کے آنا)

قزل: جگہ دیکھ لی۔

جلاد: حضور۔

قزل: جاؤ وہیں ٹھہرو۔ ان سیخوں کو گرم کر رکھو۔ جب میں زمین کے سینے پر لات ماروں یا کوئی نام لے کر پکاروں، یا تم کوئی کھٹکا پاؤ تو فوراً باہر چلے آؤ۔ کیوں سمجھ گئے نا۔ جاؤ۔

(جلاد کا جانا)

(خود کلامی) اے دل کیوں دھڑکتا ہے۔ کیا تو اپنی ماتمی آواز سے سوئے ہوے رحم کو جگائے گا۔ (قیصر کو دیکھ کر) کیسا چپ پڑا ہے۔ میں جگاوں گا۔ ایک چیخ نکلے گی اور پھر چپ ہوجائے گا۔ لعنتی کام۔ وحشیانہ برتاؤ۔ او نرم بزدل بنانے والی روح ہٹ جا۔ نکل۔ (مخاطب کرکے) او قیصر اٹھ۔

قیصر: کون؟

قزل: میں۔

قیصر: تم ہو۔ تسلیم اچھے قزل۔

قزل: سلام چھوٹے شہزادے۔

قیصر: قزل میں شہزادہ ہوں؟

قزل: ہاں شہزادے۔ تم شہزادے ہو۔

قیصر: نہیں قزل میں شہزادہ نہیں ہوں۔ اگر میں شہزادہ ہوتا تو اس بے بستر کے پلنگ پر جس سے دیکھو میری پیٹھ چھل گئی ہے، راتوں کو اکیلا نہ سوتا۔ نوکروں چاکروں نے بھی خبر نہ لی۔ افسوس امی جان نے بھی محبت چھوڑ دی۔ قزل اگر میں تمھارا بیٹا ہوتا تو تمھیں ضرور رحم آتا۔

قزل: شہزادے۔

قیصر: قزل تم تو غمگین معلوم ہوتے ہو۔

قزل: نہیں میں خوش ہوں۔

قیصر: ضرور ہوگے۔ دنیا میں میرے علاوہ اور کوئی غمگین نہیں ہے۔

(قیصر کا گانا)

غم سے مرے جگر میں چھالے پڑے ہوئے ہیں
جینے کے جان پر اب لالے پڑے ہوئے ہیں
اس بے کسی میں اپنا پرساں نہیں ہے کوئی
پیرو جواں کے منہ پر تالے پڑے ہوئے ہیں

قزل: کیسی جگر سوز تقریر ہے۔

قیصر: اگر خدا کی یہی مرضی تھی کہ میں قیدی بن کر جیوں۔ اگر اس کو بھی منظور تھا تو مجھے ایک بادشاہ کے محل میں پیدا کرنا کیا ضرور تھا۔ اچھے قزل مجھے اس قید خانے سے چھڑاؤ۔ مجھ پر رحم کھاؤ۔

قزل: (خود کلامی) کانو۔ بہرے ہو جاؤ۔

قیصر: میں اس لیے تم سے کہتا ہوں کہ تم مجھے چاہتے ہو۔ جتنا کہ تم مجھے چاہتے ہو اس سے زیادہ میں تمھیں چاہتا ہوں۔

قزل: استقلال و صبر کھودے گا۔ قیصر۔ یہ لے پڑھ۔

قیصر: اچھے قزل یہ کس کا خط ہے۔ اس میں کیا لکھا ہے؟

قزل: پڑھ۔ (خود سے) بے وقوف دل سنبھلا رہ۔ (قیصر سے) کیوں پڑھا نہیں جاتا۔ صاف لفظوں میں نہیں لکھا ہے۔

قیصر: بہت صاف۔ قزل۔ مضمون تاریک ہے مگر لفظ آگ کی طرح چمک رہے ہیں۔ کیا تم۔تم۔تم۔

قزل: ہاں میں۔

قیصر: گرم لوہے سے میری آنکھیں پھوڑنے آئے ہو۔

قزل: میں ایسا کروں گا۔

قیصر: تم ایسا کروگے۔ تم تو مجھے اپنے بیٹے کی طرح پیار کرتے ہو۔

قزل: مجھے ایسا کرنا ہوگا۔

قیصر: تمھیں ایسا کبھی نہ کرنا چاہیے۔ اچھے قزل یاد کرو کہ ایک وقت جب تمھارے سر میں درد ہوتا تھا تو میں کس قدر تمھاری خدمت بجالاتا تھا۔ ایک ہاتھ سے تمھارا سر دبایا کرتا تھا اور دوسرا ہاتھ اٹھاکر دعا مانگا کرتا تھا۔

قزل: اب یہ تمام باتیں فضول ہیں۔

قیصر: اب چاہے تم انھیں مانو یا نہ مانو۔ میرے پیار کو مطلبی خوشامدی جانو۔ مگر خدا جانتا ہے کہ میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں۔ قزل کیا ان آنکھوں نے تمھاری طرف غصے سے دیکھا ہے۔

قزل: میں نے اپنا کام بجالانے کے لیے قسم کھائی ہے۔

قیصر: برے کاموں کے لیے قسم کھانا۔ یہ بھی ایک قسم کی برائی ہے۔

قزل: (خود سے) دیر ہوگئی۔ لوہا گرم ہوگیا ہوگا۔ (مخاطب کرکے) لڑکے تو تیار ہے؟

قیصر: کچھ رحم کرو۔ اچھے قزل رحم کرو۔ خدا تم پر بھی رحم فرمائے گا۔ دیکھو۔ غور کرو۔ اگر تمھاری آنکھ میں کنکر پتھر یا کوئی تنکا پڑجائے تو کتنا درد ہو۔ اب تم خیال کرو کہ اس گرم لوہے سے مجھے کتنی تکلیف ہوگی۔

قزل: (بہ آواز بلند) باہر نکلو۔

(دو جلادوں کا باہر آنا)

قیصر: یہ کون؟ تم کون؟

قزل: پکڑلو۔

قیصر: نہیں قزل جانے دو۔ مجھے جانے دو۔ ان خونی آدمیوں کا چہرہ دیکھ کر میری آنکھیں نکلی پڑتی ہیں۔

قزل: سلاخیں مجھے دو۔ اور اسے اس رسی سے کس کے باندھ لو۔

قیصر: نہیں نہیں قزل۔ مجھے بندھواؤ نہیں۔ میں شور نہ کروں گا۔ میں غریب گائے کی طرح چپ بیٹھا رہوں گا۔

قزل: خاموش۔

قیصر: میں ہلوں گا بھی نہیں۔ اور اس لوہے کی طرف غصے سے بھی نہ دیکھوں گا۔ تم جو دکھ دوگے معاف کروں گا۔ (جلادوں سے) تم جاؤ۔ تم اپنے شہزادے کا حکم نہیں سنتے۔

(جلادوں کا چلے جانا)

قزل: چل لڑکے تیار ہو۔

قیصر: کیا کوئی چارہ نہیں۔

قزل: کوئی نہیں۔

قیصر: کچھ؟

قزل: کچھ نہیں۔

قیصر: افسوس مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم جیسا آدمی ایسا بے درد ہوگا۔

قزل: لڑکے تونے چپ رہنے کا وعدہ کیا تھا۔ زبان بند کر۔

قیصر: نہیں قزل۔ ان دو آنکھوں کو بچانے کے لیے دو زبانوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو میری زبان کاٹ لو۔ مگر آنکھیں رہنے دو۔ اگر دنیا کے دیکھنے کو نہیں تو میں صرف تمھیں دیکھوں گا۔ دیکھو میری بے گناہ آنکھوں کو روتا ہوا دیکھ کر لوہا بھی ٹھنڈا ہوگیا۔

قزل: میں اسے پھر گرم کرلوں گا۔

قیصر: ادھر دیکھو آگ بھی دلگیری سے مرگئی ہے۔

قزل: میں اسے پھونک کر پھر زندہ کرلوں گا۔

قیصر: تم اسے زندہ کروگے۔ وہ غصہ سے تم پر لال ہو جائے گی۔ اگر اس پر بھی نہ مانوگے تو اپنی لال لال آنکھیں دکھا کر تم کو ڈرائے گی۔ پھر بھی نہ مانوگے تو وہ راکھ کا کفن پہن کر خاموش ہوجائے گی۔ افسوس آگ اور لوہا جس کو تم بے رحم سمجھ کر ساتھ لائے تھے وہ بھی مجھ پر رحم کرتے ہیں۔ قزل تمھیں کیا ہوگیا۔ قزل میری سنو۔ میری طرف دیکھو۔

قزل: قیصر تو کیا چاہتا ہے۔

قیصر: رحم اور آنکھیں۔

قزل: جا۔ جی۔ بچے۔ آج سے تو نے مجھے رحم کرنا سکھایا۔ اب میں بدی کے شیطان کو فی النار کردوں گا۔ اگر تیرا چچا تیری آنکھ پھوڑنے کے لیے تمام دنیا کا خزانہ مجھے دے گا تو میں ان آنکھوں پر سے نثار کردوں گا۔

قیصر: اب تم میرے قزل معلوم ہوتے ہو۔

قزل: بس چپ رہو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی سن پائے۔ میں ظاہر کروں گا کہ تو مرگیا اور کوشش کروں گا کہ تو یہاں سے نکل جائے۔

قیصر: میں تمھارا احسان مانوں گا اچھے قزل۔

قزل: میرے بچے سلام۔ چھوٹے شہزادے سلام۔

قیصر: سلام اچھے قزل۔

باب دوسرا ـــــــــــ سین چھٹا

سرخاب کا مکان

(نرگس کا گانا)

او بان بانکی چتون کے مارے ہیں
کیسے تیکھے۔ جاناں۔ جاناں
موہے کاہے ستائے سانوریا
توری نجریا۔ مارے کٹریا۔ او ذرا بانکی چلائے جاکر کٹریا
ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلا دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا
میں نے دیکھی نجریا جاناں جاناں
او بان۔ بانکی چتون نے.....

(نرگس کا گاتے گاتے اندر جانا۔ سرخاب کا مع رحیم،کریم،بیگم اور شمشاد کے آنا)

سرخاب: ابے کریم تو نے عجیب اس حکیم کا حال بیان کیا۔

کریم: مگر حضور علاج میں وہ یکتائے زمانہ ہے۔ اس لنگڑے کی نانی کی قسم بقراط کا نانا ہے۔

بیگم: لیجیے حکیم صاحب بھی آگئے۔

سرخاب: آیئے حکیم صاحب۔ تسلیم۔

(کرامت کا آنا)

کرامت: اچھے رہو۔مرو تو بخشے نہ جاؤ۔ اگر جنت کے ہسپتال میں جگہ نہ ہو تو جہنم کے قرنطینہ میں جگہ پاؤ۔
سرخاب: (سائڈ میں) واقعی کچھ سڑی معلوم ہوتا ہے۔
کرامت: کیوں حکیم صاحب ٹھیک ہے نا؟
سرخاب: جناب میں کوئی حکیم نہیں ہوں۔
کرامت: جناب آپ ضرور حکیم ہیں۔
سرخاب: آپ کی قسم میں حکیم نہیں ہوں۔
کرامت: آپ کے باپ کی قسم آپ حکیم ہیں۔ آپ کو کہنا پڑے گا کہ میں حکیم ہوں۔
سرخاب: ابے کریم تو کس خچر کو بلا لایا۔
کریم: میں نے اس کے جھک پنے کا حال آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔
سرخاب: ایسے جھکی کی ایسی تیسی۔ نکال دے اسے۔ ایسے پاگل حکیم کی مجھے ضرورت نہیں۔
کرامت: ہیں حکیموں سے یہ گستاخی۔ لاؤ میرے آنے کی فیس۔ تیرے رئیس کی ایسی تیسی۔
بیگم: نہیں معاف فرمایئے گا۔ آپ کو حکیم ہوکر اتنا غصہ نہ فرمانا چاہیے۔
کرامت: ٹھیک۔ کوئی بیگم صاحبہ۔ آپ کی طبیعت کچھ ست ہے۔
بیگم: نہیں نہیں۔ بہت اچھی ہوں۔
کرامت: آپ اچھی ہیں۔ یہ سن کر مجھ کو بہت افسوس ہوا۔
بیگم: کیوں؟ اس کا کیا مطلب؟
کرامت: اس کا مطلب یہ کہ آپ کے چہرے کا رنگ.....
سرخاب: کچھ نرالا ہے۔
کرامت: کیونکہ آپ کو کل یا پرسوں.....

سرخاب: لڑکا ہونے والا ہے۔
کرامت: اجی نہیں۔ پلیگ ہونے والا ہے۔
بیگم: ہائیں۔ حکیم صاحب۔ اس کا کچھ علاج؟
کرامت: علاج_ ہوں۔ ہوں۔
بیگم: کیا۔ حکیم صاحب کچھ تو بولیے۔
کرامت: اے میرے غریب گھسیارے باپ تم تو گھاس کاٹتے کاٹتے ہوگئے فوت۔ اب علاج کیا بتاؤں۔ آئی موت۔
سب: موت؟
سرخاب: کیا حکیم صاحب موت؟
کرامت: ہاں روؤ۔روؤ۔ اچھی طرح روؤ۔ اس کی قسمت پر روؤ۔ اور میری حالت پر روؤ۔
سرخاب: کیوں کیوں حکیم صاحب آپ کی حالت پر کیوں روئیں۔
کرامت: اس لیے کہ مجھ کو زبردستی حکیم بنالائے ہیں۔
عجب: عجب دل لگی باز شخص معلوم ہوتا ہے۔ حکیم صاحب کیا آپ میری لڑکی کا علاج نہیں کرنا چاہتے۔
کرامت: جی کیوں نہیں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ آپ کا گھر بھر بیمار ہوجائے تو سب کا علاج کروں۔
بیگم: لیجیے حکیم صاحب یہی لڑکی ہے جو آج چار دن سے گونگی ہوگئی ہے۔
کرامت: کیوں لڑکی تیرا کیا حال ہے۔
نرگس: ایں۔ ایں۔ ایں۔ ایں۔
کرامت: بھئی یہ تو سرگم گاتی ہے۔ اجی آپ کی بولی میری سمجھ میں نہیں آتی ہے۔
نرگس: نی۔ نی۔ نی۔ نی۔
کرامت: لونکھار کے سُر شروع ہوگئے۔ لڑکی تیرا کیا حال ہے؟
سرخاب: اجی حکیم صاحب۔ جواب کس طرح دے اس کی زبان تو بند ہے۔

کرامت: زبان بند ہے تو اتنا بول دے کہ میں گونگی ہوں۔
سرخاب: آپ تو مذاق کرتے ہیں۔ علاج کی طرف توجہ فرمائیے۔
کرامت: اچھا تو آپ دوسرے کمرے میں چل کر گپ شپ اڑائیے۔ میرا شاگرد اس کا علاج کرتا ہے۔
سرخاب: آیئے آیئے تشریف لائیے۔

(سرخاب۔ کرامت بیگم اور نوکروں کا جانا)

شمشاد: لو بیگم اب تو زبان کھولو۔
نرگس: آں۔ آں۔ آں۔
شمشاد: اجی آں آں چھوڑ کر صاف بولو۔
نرگس: ای۔ ای۔ ای۔
شمشاد: بس حکیموں سے دل کا مرض نہ چھپاؤ۔ ذرا آنکھ سے آنکھ ملاؤ۔
نرگس: کون میرا پیارا شمشاد۔
شمشاد: واللہ تم نے غضب کی چال نکالی دل آرا
کریم: ہیں۔ یہ دال میں کالا۔ (چھینکنا)
شمشاد: ہیں یہ کون؟
نرگس: اجی کل سے میری کتیا کو زکام ہوگیا ہے۔

(دونوں کا مل کر گانا)

موری نئی جوانی۔ لوٹی لوٹی
واہ واہ مجھ کو بناتی ہو کیا
تیری فرقت میں میں ہوں بے قرار
بس میں بھی ہوں تیرا پرانا عاشق زار

(کریم) مارے جوتوں کے سرکا بناؤں اچار
ہٹو باتیں بناؤ نہ جھوٹی
ابھی لاتا ہوں قاضی کو میں اس گھر میں
راضی ہو نکاح کو جاناں تو کھا قسم
(کریم) او میرے خالو کے خالہ یہ گڑ بڑ گھٹالا
اوپر نرالا ہے ڈھنگ

(بوبک کا آنا)

بوبک: ہیں یہ بے وقوفی۔ یہ کیسی کارروائی۔
نرگس: ہیں کون؟ بوبک؟ رسوائی۔
بوبک: چل خانہ خراب۔ لا میری عزت کا جواب۔ ورنہ کھوپڑی کی کھپریل بناتا ہوں۔ ابھی تیرے باپ اور دادا کو بلاتا ہوں۔ پولیس۔ پولیس۔ او بلّے والا۔

(بوبک کا لکڑی سے شمشاد کا مارنا۔ نرگس کا بیہوش ہو جانا)

شمشاد: ہاں۔ بلا بلا۔ بے رحم خونی۔ بیچاری بچی کو اچھی ہونے کے بعد مار ڈالا۔
بوبک: کیا میری بیوی دنیا سے گزر گئی۔
شمشاد: ابے بیوی کے بیٹے اتنی زور سے لکڑی ماری کہ بیچاری مرگئی۔
بوبک: اچھی بلا گلے پڑی۔ اری او چھوکری کیا سچ مچ مرگئی۔
شمشاد: ابے چنڈول مر نہیں گئی تو کیا جیتی ہے۔
بوبک: نہیں نہیں باوا۔ دو چار برس اور جینے دے۔ تیرا احسان ہوگا۔
شمشاد: اگر یہ جیے گی تو میں کیا فائدہ پاؤں گا؟

بوبک: میں تجھے اپنا بیٹا بناؤں گا اور تجھے بیرسٹری پاس کرانے کے لیے ولایت بھیجوں گا۔ تیرے لیے میڈم بیاہ کے لاؤں گا۔ جب تو مرجائے گا تو تیری قبر کی بنیاد بناؤں گا۔

شمشاد: اچھا تو بیٹا تم کپڑا اوڑھ کر سوجاؤ۔ جب کسی کی آہٹ پانا تو فوراً اسی کے گلے پڑ جانا۔

بوبک: یعنی کہوں کہ اسی نے نرگس کو مارا ہے۔

شمشاد: ابے ہاں۔ بس اسی میں تیرا چھٹکارا ہے۔ دیکھ کوئی آرہا ہے۔

بوبک: تو بھتیجے اپنی چچی کو تو قبر میں لٹاؤ۔

شمشاد: میں اس کو لے جاتا ہوں۔ تم یہاں سوجاؤ۔

بوبک: مگر استاد۔ رستے میں کہیں بوسہ ووسہ نہ لینا۔

(شمشاد کو نرگس کو لے جانا۔ کرامت کا آنا)

کرامت: کم بخت لڑکی کے باپ نے بیماریوں کے نام پوچھتے پوچھتے جان کھا ڈالی۔ مگر لڑکی کا کیا حال ہے۔ ہیں۔ شاگرد کہاں گیا؟ شمشاد او شمشاد۔ اجی تم سوگئیں۔

بوبک: ہاں۔ اسی نے نرگس کو مارا ہے۔

کرامت: او باپ رے۔ یہ کون ناکارہ ہے؟

بوبک: ثانی فرعون۔

کرامت: تجھے مجھ سے کیا سروکار ہے؟

بوبک: ارے تو تو پرانا گنہ گار ہے۔ نرگس کا قاتل اور قابلِ دار ہے۔

کرامت: او میری ماں۔

بوبک: لے کم بخت تیرا تو بھرتہ اور اچار ہے۔

(بوبک کا مارنا۔ کرامت کا گرنا۔ شمشاد کا آنا)

شمشاد: غضب ہوا سرخاب نے مجھے دیکھ لیا۔ ہاں اچھا میں نے چوہے کا شکار کیا۔ اب کیا کروں۔ بس بس۔ اس کباٹ کے پیچھے چھپ جاؤں۔

(شمشاد کا چھپ جانا۔ سرخاب کا آنا)

سرخاب: کہاں ہے۔ کدھر ہے۔ پھر میرے گھر میں آیا۔ او باپ یہ کیا آ گیا بیتال۔ بھوت کا جوڑا کہاں سے آگیا۔

(دونوں کا سرخاب کو پکڑلینا)

دونوں: ابے تونے نرگس کا خون بہایا ہے۔

(شمشاد کا تینوں پر کباٹ ڈال دینا)

شمشاد: میں نے بھی تینوں کو دبایا۔ اب تینوں چنڈول پھنسے۔ اب چل دو۔ ورنہ پیش آئے گی برائی۔

(رحیم کا آنا)

رحیم: ہیں یہ آواز تو یہاں سے آئی۔ مگر ندارد۔ ٹھیک ٹھیک اس کے اندر چھپا ہے۔ ارے دوڑو۔ پکڑو۔ پکڑو۔ چور۔ چور۔ دیکھو کہیں نکل نہ جائے۔

کریم: کہاں ہے؟

بیگم: کدھر ہے؟

رحیم: یہاں دیکھو۔ یہاں دیکھو۔ میں نے اس نے اس کی ٹانگ پکڑلی ہے۔

کریم: ابے لنگڑے ٹانگ تو اس نے تیری پکڑی ہے۔

بیگم: کریم ٹھہر۔ کباٹ نہ اٹھا۔ اگر اٹھائے گا تو وہ بدمعاش اچک کر نکل جائے گا۔ تو رسی لا۔ میں کباٹ پر بیٹھی ہوں۔ کریم اب اس کے ہاتھ مضبوط باندھ لے۔

کریم: ارے یہ ادھر بھی ہاتھ نظر آتے ہیں۔

بیگم: ہوشیار رہنا۔ میں موے کا کان پکڑ کر کھینچتی ہوں۔

کریم: اور میں کباٹ اٹھاتا ہوں۔

بیگم: کون؟ میرا میاں پیارا۔

کریم: ہاں بیوی میں تمھارا.....

سرخاب: ارے یہ کیا گھٹالا۔

بوبک: کیا تم زندہ ہوگئیں میری خالہ۔

کرامت: خدا کی قسم میں نے نرگس کو نہیں مارا۔

کریم: ارا ررر۔ یہ تو وہی حکیم ہے ناکارہ۔

(کریم رحیم کا سب کو کھینچتے ہوئے اندر چلے جانا)

باب دوسرا ــــــــــــ سین ساتواں

دیوان خاص

(نادر کا مع درباریوں کے آنا)

نادر: عرض۔ گزارش۔ التماس۔ یہ سب بیہودہ الفاظ ہیں۔ تم جو رعایا کی طرف سے وکیل بن کر آئے ہو تاج کی توہین کرتے ہو۔ جبکہ میں کہہ رہا ہوں کہ قیصر زندہ ہے۔ پھر کس لیے یقین نہیں کرتے؟

درباری۱: اگر قیصر زندہ ہے تو عاجز رعایا کا شک دور کیجیے۔

نادر: کس طرح؟

درباری۲: وہ اپنے شہزادے کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیں۔ یہ منظور کیجیے۔

نادر: یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ وہ سخت بیمار ہے۔

درباری۳: تو ادب کے ساتھ گزارش ہے کہ آپ کی رعایا کو اس جنگ میں تلوار اٹھانے سے انکار ہے۔

نادر: بدمعاش۔ پاجی۔ ڈرپوک۔ تم نہیں چاہتے کہ دشمنوں کی تلواریں ان کے ذلیل سروں پر چمکیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس ملک کی ماؤں نے صرف لڑکیاں ہی پیدا کی ہیں۔ اگر پہلے سے خبر پاتا تو جس قدر روپیہ تیر و تلوار کی تیاری میں صرف کیا گیا وہ سب کا سب ان کی چوڑیاں بنانے کے کام آتا۔

درباری۱: اعلیٰ حضرت۔ آپ کی رعایا میں خدا نے ہمدردی کا مادہ زیادہ دیا ہے۔ آپ ان کو عورتیں ہی ٹھہراتے ہیں تو ہم سب خدام ان بے گناہوں

کی طرف سے حضور کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

نادر: میں شکریہ نہیں چاہتا ہوں۔ وفاداری چاہتا ہوں۔ زبانی لن ترانی نہیں ہاتھ کی کارگزاری چاہتا ہوں۔ کاٹ ڈالو ان ہاتھوں کو جو حریفوں کا گلا کاٹنے کے لیے تلوار نہیں پکڑتے۔ گولی ماردو ان دوستوں کو جو تخت و تاج کے دشمنوں سے نہیں لڑتے۔

درباری۲: وہ لڑیں گے۔

نادر: کب۔ کس دن۔ کس وقت؟ جب دہشت گھیرے ہوگی۔ کیا اس وقت لڑوگے جب سانس رکی ہوگی۔ دشمن کا ہاتھ تمھارے گلے میں اور تلوار تمھارے سر پر جھکی ہوگی۔

درباری۳: آپ شہزادے کا چہر ہ تو دکھایئے۔ پھر ہم بھی خوف و گھبراہٹ کے آثار دشمنوں کے چہرے پر دکھائیں گے۔

نادر: یہ عجیب بات ہے۔ فرض کرو کہ قیصر مرگیا۔

درباری۱: مگر آپ فرماتے ہیں کہ وہ زندہ ہے۔

نادر: مان لو کہ وہ اس بیماری میں مرگیا۔

درباری۲: تو سنجر قیصر کا بڑا بھائی حق دار ہے اور حق دار سے لڑائی کرنا بے کار ہے۔

نادر: یہ تم کہتے ہو۔

درباری۳: جی نہیں۔ یہ آپ کی تمام رعایا کہتی ہے۔

نادر: وہ بیوقوف ہوگئی ہے۔ تم عقل مند اسے اور دیوانہ بناتے ہو۔ کیا آگ کو دعوت دے کر اپنا گھر جلانا چاہتے ہو۔ وہ سنجر جس نے سلطنت کے واسطے اپنے باپ کا خون بہایا۔ تو کیا تخت و تاج پاکر تمھارا گلا کاٹنے سے باز آئے گا۔ اگر میرے دوست ہو تو ان لوگوں کو جاکر سمجھاؤ جو تخت و تاج کے اپنے آپ دشمن ہو رہے ہیں۔

سب: ہم کوشش کریں گے۔

(سب کا جانا)

نادر: میں نوازش کروں گا۔ پاجی مفسد۔ ذلیل کتے۔ جن کو میں ہمیشہ پاؤں کی ٹھوکر مارتا تھا۔ تس پر بھی دم ہلاتے، میرے پاؤں کو چاٹتے تھے۔ آج ان کو بھی میرے سامنے غرانے کی جرأت ہوئی۔ کیا قیصر مرگیا ہوگا؟ قزل نے مار دیا ہوگا؟ نہیں نہیں ۔ وہ ایک شہزادے کا خون بہانے میں کبھی اتنی جلدی نہ کرے گا۔ اے میرے اقبال اگر قیصر مرگیا تو تیرا زندہ رہنا محال ہے۔

(قزل کا آنا)

کون؟ قزل؟

قزل: حضور۔

نادر: کیا خبر لایا۔

قزل: عجیب۔ خوفناک۔ وحشت انگیز۔ لوگ ایسا کہتے ہیں کہ کل رات کو پانچ چاند نکلے ہیں۔

نادر: پانچ چاند؟

قزل: جی حضور والا۔ پرانے لوگ اور تمام بوڑھے لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ کوئی بڑی مصیبت کے آنے کا سامان ہے۔ ایک قائم تھا اور چار اس کے گرد عجیب طریقے سے چکّر کھاتے تھے۔

نادر: مگر قزل بیگ قیصر؟

قزل: حضور اس کی موت کا ذکر تو اس واقعے سے بھی بھیانک طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

(قزل کا گانا)

فلک پر بادل ہے چھایا
دو عالم کا رنگ ہے بدلا۔ فلک پر....
ہر گھر یکسر ہے چرچا
کہیں شرکا۔ کہیں زرکا۔ کہیں دھڑکا
جو دل دھڑکا۔ جگر پھڑکا
تو سر پر خنجر آپہنچا
اے قہر کر دگار مطلب بھی کھلا
حق سے کرو دعا۔ بر آئے مدعا
زمیں کا طبقہ تھرّایا

نادر: تو مجھے واہیات باتوں سے کیوں ڈراتا ہے۔ قیصر مرگیا۔ تو یہ کہنا چاہتا ہے۔

قزل: جی حضور۔

نادر: ہرگز نہیں۔ مجھے اس کے باپ کی دولت، حشمت، تاج و تخت ان سب چیزوں پر قبضہ کرنا مقصود تھا اس لیے اس کی موت چاہنے کا میرے پاس بہت بھاری ثبوت موجود تھا۔ مگر او نا سزائی تیرے پاس کیا ثبوت تھا جو تونے اس بے گناہ بچے کے گلے پر چھری چلائی؟

قزل: اگر کچھ ثبوت نہ تھا تو حضور نے مجھ کو منع کیوں نہ کیا۔

نادر: جبکہ تم کو نیک و بد سمجھنے کی تمیز ہے تو پھر منع کرنا کیا چیز ہے۔ زہر آگ چھری ان چیزوں سے میں نے تمھیں کبھی منع کیا ہے۔ کیا زہر کھا لو گے؟ آگ میں کود پڑو گے؟ چھری بھونک لوگے۔

قزل: حضور نے مجھے حکم دیا تھا۔

نادر: میں نے واقعی کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ میں قیصر کا چچا ہوں اور چچا مثل باپ کے ہوتا ہے۔ اگر باپ کسی وقت غصے میں آکر نوکر سے کہے کہ

جا میرے لڑکے کو مار دے تو کیا ایسا کہنا حکم میں داخل ہوگا؟

قزل: حضور نے مجھے سوچ کر حکم دیا تھا۔

نادر: کیا ثبوت؟

قزل: یہ ہے آپ کی مہر اور دستخط۔ ملاحظہ کیجیے۔ (خط دکھاتا)

نادر: جب زمین و آسماں کا آخری انصاف ہوگا۔ اس وقت خدا کی لعنت کا وار روکنے کے لیے اس کاغذ کو اپنی ڈھال بنانا۔

قزل: مجھے آپ نے قیصر کے قتل کا حکم دیا تھا وہ تو اس خط کی تحریر سے جانا؟

نادر: او قدرت کے دستخط کیے ہوئے مہر۔ سیاہ آدمی۔ اگر تیرے چہرے کی خونی کتاب میری آنکھوں کے سامنے نہ ہوتی اور تو ظلم۔ قتل۔ خون۔ ان کاموں کے لیے پیدا کیا گیا ہے، یہ اس میں لکھا ہوا نہ پاتا تو میرے دل میں کبھی بدی کا خیال نہ ہوتا۔

قزل: میرے مہربان آقا۔

نادر: اگر اس وقت ایک ناپاک لفظ میری زبان سے بغیر سوچے سمجھے نکل گیا تھا تو ذرا بھی ہچکچایا ہوتا یا جھوٹ موٹ بھی سر ہلایا ہوتا۔ یا مجھے دہشت کی نظروں سے ڈرایا ہوتا۔ تو میری طبیعت ضرور برائی کا خیال چھوڑ دیتی اور تیری دہشت سے میرے دل میں خدا کی دہشت پیدا ہوتی اور وہ دہشت تمام منصوبوں کو توڑ دیتی۔

قزل: میرے حضور۔

نادر: میرے شیطان۔ جس طرح سے ایک خوبصورت فاحشہ عورت کو دیکھ کر انسان کے دل میں بدی کا خیال جوش مارتا ہے۔ اسی طرح یہ تیری گرج دار آواز۔ خونخوار آنکھیں۔ بھیانک چہرہ ایک شخص کو ظلم و قتل کے لیے ابھارتا ہے۔ تو نے ہی میرے خون میں زہر کا اثر پھیلایا ہے۔ لعنت ہو تجھ پر جو ایک بادشاہ کا پیارا بننے کے لیے ایک بے گناہ بچے کا خون بہایا ہے۔

قزل: مجھے نہیں معلوم تھا کہ حضور میری خدمتوں کا ایسا خراب بدلہ دیں گے۔

نادر: اس سے اچھا بدلہ تو یہ ہے کہ قیصر کی موت کا عوض تجھ سے لیا جائے۔

قزل: کیا قزل کا قتل؟

نادر: کیا قیصر کا قتل؟

قزل: وہ آپ کا حکم تھا۔

نادر: اور یہ بھی میرا حکم ہے۔

قزل: میں خیر خواہ ہوں اور خیر خواہ تھا۔

نادر: وہ بچہ تھا اور بے گناہ تھا۔

قزل: تو یہ ہاتھ بھی ابھی تک ب گناہ ہیں۔

نادر: تو محض قاتل ہے۔

قزل: میں صرف قزل ہوں۔ حضور نے میرا چہرہ دیکھ کر قدرت پر الزام لگایا۔ مگر خدا ہمیشہ کانٹوں ہی میں پھول پیدا کرتا ہے۔ اس پر آپ نے غور نہیں فرمایا ہے۔ جس طرح خدا نے پتھر کے اندر لعل چھپائے ہیں اسی طرح سخت بھیانک چہرے والوں کے سینے میں نرم اور رحم والے دل عطا فرمائے ہیں۔ اور میں بھی.....

نادر: قیصر۔ قیصر۔

قزل: وہ زندہ ہے۔

نادر: قزل میرے دوست۔ میرے فرشتے۔ کیا تو سچ کہتا ہے؟

قزل: تو کیا فرشتہ بھی جھوٹ بولتا ہے۔

نادر: نہیں نہیں۔ وہ بچ گیا۔ یہ تخت بچ گیا۔ یہ ملک بچ گیا۔ راج بچ گیا۔ اگر قیصر زندہ ہے تو سنجر کو مردہ سمجھتا ہوں۔ قزل میرے دوست۔ میں نے جو کچھ تیرے چہرے پر اعتراض کیا ہے۔ معاف کرنا۔

قزل: اللہ اللہ آپ کیسے قدردان آقا ہیں۔

نادر: مہربان قزل۔ میرے بازو۔ رعایا اس وقت آگ ہو رہی ہے اور

ضرورت ہے کہ ان کے دھویں دار غصے کو برف کی طرح ٹھنڈا اور قبر کی طرح خاموش بنا دو۔ وہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ انھیں قیصر کی شکل کسی طرح دکھا دو۔ بس۔ دوڑ۔ بھاگ۔ جس طرح ہوسکے قیصر کو میرے پاس لے آ۔

قزل: حضور وہ۔

نادر: کیا؟

قزل: میں نے۔

نادر: تو نے؟

قزل: اس کو چھوڑ دیا۔

نادر: چھوڑ دیا؟ کیوں چھوڑ دیا؟ کس نے تجھے حکم دیا تھا؟

قزل: رحم اور نیکی نے۔

نادر: کیا تو میرے غصے سے بے خبر تھا؟

قزل: مجھے آپ کے غصے سے زیادہ خدا کے غصے کا ڈر تھا۔

نادر: بدمعاش۔ پاجی۔ کوئی ہے؟ ۔لے جا۔ مار دے گردن۔ کچل دے بھیجا۔

قزل: کیا یہی میری خدمتوں کا عوض ہے؟

نادر: تونمک حرام اور خود غرض ہے۔

قزل: خود غرض تو وہ ہے جو چچا ہوکر بھتیجے کی موت سے دل شاد کرتا ہے۔ چار دن کی زندگی کے لیے ایک یتیم بچے کی زندگی برباد کرتا ہے۔

نادر: مگر سلطنت اسی طرح ہاتھ آتی ہے۔

قزل: مگر سلطنت قبر میں ساتھ نہیں جاتی ہے۔

نادر: فکر نہیں۔ لیکن یہاں تو عیش دکھاتی ہے۔

قزل: یہ خیال فضول ہے۔ دنیا ایمان داروں کے لیے جہنم ہے اور جہنم کے لیے جنت کو چھوڑ دینا۔ یہ تیری بھول ہے ؎

کیا ہوا ضحاک۔آئی موت اور دفنا گئی
کیا ہوا انجام جم۔ مٹی کو مٹی کھاگئی

مت خدا کو بھول اگر آرام و دولت ساتھ ہے
چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے

نادر: چپ باغی۔ خود مار دے تلوار۔ اڑا دے اس کا سر۔

(نادر کا جانا۔ جلاد کا آنا)

قزل: کیا یہی ہے بادشاہوں کی خدمت کرنے کا نتیجہ۔ جتنی خدمت گزاری میں نے اس کی کی ہے۔ اگر اتنی خدمت اپنے خدا کی بجالاتا تو آج کون سا درجہ پاتا۔

جلاد: یہ تم کو پہلے سے سوچنا تھا کہ بادشاہ کے خلاف کام کرنے میں جان کا نقصان ہے۔

قزل: یہ کیا۔ اگر ہزار جانیں ہوں تو اس بے گناہ بچے پر قربان ہیں۔

جلاد: تو اس کا نتیجہ بھگتو اور سر جھکاؤ۔

(قزل کا سر جھکانا۔ جلاد کا تلوار اٹھانا۔اقبال کا نقاب پوش آنا)

اقبال: بدمعاش ٹھہر۔

(پستول سے جلاد کو گولی مارنا۔ جلاد کا مرجانا)

قزل: کون؟ شہزادی۔

اقبال: قزل چپ۔ میں خطرے میں ہوں۔ میرے ہمراہ آؤ۔

قزل: خاتون۔

اقبال: منھ بند قدم اٹھاؤ۔

(دونوں کا جانا۔ نادر کا آنا)

نادر: ارے کیا تھا۔ یہ کیسی آواز۔ (دیکھ کر) ہیں یہ مرگیا۔ قزل کدھر گیا؟

سپاہی: حضور۔

نادر: ہاں بھاگو۔ دوڑو۔ پتہ لگاؤ۔ میری تلوار اور لمپ لاؤ۔

باب دوسرا ـــــــــ سین آٹھواں

دیوار قلعہ

(مہر عالم اور شہزادی اختر کا گانا)

بدلا ہے رنگ آج جو اس آفتاب کا
چھایا فلک پہ ابر ہے حق کے عتاب کا
چکر میں ہیں مکین و مکاں ارض و آسماں
عالم ہے میری آنکھوں میں اس وقت خواب کا

پھنسی موری جان رے دکھ کے سمندر میں
بخت نے گھر لوٹا۔ اپنا بیگانہ چھوٹا۔ دنیا کا رشتہ ٹوٹا۔ ڈوبے سب ارمان آئی نہ اقبال اب تک۔ لائے گی وہ لعل کب تک۔ دیکھوں گی نہ صورت جب تک۔ رہوں گی پریشان۔

اختر: پیاری ماں۔ یہ تجھے کیا ہوگیا ہے؟ اگر ہم پر مصیبت نے ہی سایہ ڈالا ہے تو صبر کرو۔

مہر: میں کیسے صبر کروں؟ میں کس طرح صبر کروں۔ میں کیا تھی.....

اختر: میری مہربان ماں۔ معزز ملکہ۔ صاحب حکومت بیوی۔

مہر: کہاں ہیں وہ فوج رسالے جو ہر وقت میری سلامتی کو آیا کرتے تھے۔ کہاں ہیں وہ وزیر و امیر جو ہر وقت شور و غل مچایا کرتے تھے کہ خدا ملکہ کو سلامت رکھے۔ اب بی بی کے عوض باندی ہوں۔ معزز ملکہ کے عوض وہ فقیرنی ہوں جس کے سر پر غموں اور دکھوں کا تاج ہے۔

(قیصر کا قلعے کی دیوار پر دکھائی دینا)

قیصر: بس یہی جگہ ہے۔ اور کہیں پناہ نہیں۔ اور کوئی بھی بڑھنے کی راہ نہیں۔ او خدا میرا دل خوف کھاتا ہے۔ زمین کو دیکھنے سے آنکھوں کے نیچے اندھیرا آتا ہے۔ اب کیا کروں؟ لوٹ جاؤں؟ نہیں نہیں اگر وہ مجھے پالیں گے تو ضرور میری آنکھیں پھوڑ ڈالیں گے_ او خدا کون آتا ہے؟ رحم رحم بچانا۔ ان پتھروں میں تو میرے چچا کی روح چھپی ہے۔ موت تو جلد جان نکال۔ بہشت میری روح لے۔ قبر میری ہڈیاں سنبھال۔

(دیوار سے کودنا۔ تڑپ کر مرجانا۔ مہر عالم اور اختر کا دیکھنا)

اختر: یا خدا۔

مہر: میرا بچہ۔

اختر: میرا بھائی۔

مہر: مار ڈالا۔ ظالموں نے قلعے سے گرا کر مار ڈالا۔ روؤ۔ پیٹو۔ چلاؤ۔ اے فرشتو۔ اس کے ماتم کو آؤ۔ ہواؤ خاک اڑاؤ۔ چاند سورج ٹکرا جاؤ۔ ہمارا چاند موت کے بادل میں چھپ گیا۔

اختر: ہمارا پھول مرجھا گیا ۔ پھول تو دو دن بہار زندگی دکھلا گئے

مہر۔ حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

(مہر کا گانا)

یہ گل اور بوٹا۔ مٹی اور پانی۔ فانی ہے یہ سارا جہان
یہ سب جھوٹا ہے دنیا کا خیال
ہر گھر۔ در۔ زر۔ سر سب جھوٹا ہے مال

دنیا ہے اک خواب و خیال
ہر شے کو، ہر گل کو آخر ہے زوال
یہ گل.....

مہر: بیٹی۔
اختر: ماں۔
مہر: یہ جو تیرا بھائی ہے۔
اختر: مر گیا۔
مہر: اور میں اس کی ماں ہوں۔ اور تو جو اس کی بہن ہے۔ ابھی زندہ ہے۔
اختر: نہیں ماں۔ میں اپنے بھائی کے ساتھ جاؤں گی۔
مہر: نہیں تو جی اور مجھے مرنے دے۔ میں اس کی روح کو لے کر خدا کے پاس جاؤں گی۔ بچے دنیا میں آخری بوسہ۔
اختر: بھائی۔ بہن کا آخری پیار۔
مہر: چل بیٹی سفر کا سامان کر۔ اختر ماں کا کچھ تجھ پر حق ہے تو اس کی مشکل آسان کر۔
اختر: نہیں ماں۔ پہلے تو مجھے بھائی پر قربان کر۔
مہر: او خدا۔ او خدا۔ میں ماں ہوکر بیٹی پر ہاتھ اٹھاؤں۔
اختر: میں بیٹی ہوکر ماں پر ہاتھ اٹھاؤں۔
مہر: او خدا۔ افسوس برے وقت میں بیٹی بھی کام نہیں آتی۔

(نادر کا آنا)

نادر: کون؟ مہر اور اختر؟
مہر: بیٹی۔
اختر: ماں۔

مہر: آیا۔

اختر: وہ۔

مہر: اب؟

(دونوں کا ایک دوسرے کو پستول سے مار دینا۔
تلوار اور لمپ لیے نادر کا حیرت سے دیکھنا۔ قزل اور اقبال کا آنا)

قزل: او خدا۔

اقبال: او خدا۔

-پردہ-

باب تیسرا ـــــــــ سین پہلا

جنگل

(نادر اور سنجر کی فوجوں میں جنگ کا منظر۔ سنجر کی فوج کا شکست کھانا)

سنجر: شرم۔ ذلت۔ تباہی۔ بھروسہ پر دغا بازوں کے شکست کھائی ۔
کیا کہے انسان اس ظالم زمانہ کے لیے
پھول بن کر آئے تھے کانٹا چبھانے کے لیے

(نادر کی فوج کے سردار کا آنا)

سردار: بس۔ او بدمعاش ۔
اجل سے بچ کے کہیں اب تو جا نہیں سکتا
یہ وار تیغ کا میری بچا نہیں سکتا

سنجر: ہشت۔ نامرد ۔
لے خبردار مرا خنجر خونخوار سنبھال
ٹکڑے ہوتا ہے ترا سینہ مرا وار سنبھال

سردار: (خود کلامی)۔
تاب لڑنے کی نہیں ہے مجھ کو اس شہ زور سے
لاؤں قابو میں اسے مکر و فریب و غور سے
(مخاطب ہوکر) ہاں اے شاہی خون کے پر جوش شہزادے۔ ٹھہر ۔

پھینک یہ خنجر اماں دے مجھ کو اپنے وار سے
ساتھ دوں گا میں ترا گل لشکر جرار سے
اور دلاؤں گا ترا حق نادر خونخوار سے

سنجر:۔

اگر تو حق پہ راضی ہے تو خنجر تجھ کو دیتا ہوں
عوض اس کے میں اب تیری زباں کا قول لیتا ہوں

سردار: ہاں جواں مردو۔ نیزوں کے رخ ادھر پھیردو۔ یہی ہے سنجر اسے چاروں طرف سے گھیرو۔

(فوج کا سنجر کو چاروں طرف سے گھیر لینا)

سنجر:۔

قول سے اپنے تو اے نامرد انساں پھر گیا
زوف ہے نامِ شجاعت تونے رسوا کردیا

سردار: لے جاو۔ خیمہ میں لے جاکر اس کی مشکیں کسو۔

(قزل کا آنا)

قزل:۔

فرض اپنا تمام کرکے مروں
باوفاؤں میں نام کرکے مروں

(گانا)

میں ہوں زہری ناگ
بن کر آگ۔ برباد کروں سارا راج تاج

صید ہوس

آگ لگا دوں میں راج کو
خاک کروں تخت و تاج کو
پامال کروں ایک دم سارا خاندان
یہ ہے شمشیر آب دار
جس پر کروں وار
ہووے جینے سے بیزار
موذی کو کروں کاٹ چھانٹ۔ میں ہوں.....

باب تیسرا ـــــــــ سین دوسرا

سرخاب کا مکان

(نرگس کا گانا)

پیا بن جیا جائے۔ کل نہ پڑت ہائے ہائے۔ ہوں بے قرار
بنا دل دار۔ پروردگار۔ ہائے ہائے
آؤ جی آؤ۔ درس دکھاؤ
جیا جلاؤ نہ دل دکھاؤ
تیرے فراق میں جاتی ہے جان
پیا بن جیا جائے

(خود کلامی) خدا یا شمشاد نے میرا خط پایا کہ نہ پایا۔ میں نے تو اس میں صاف صاف لکھ دیا تھا کہ آٹھ بجے اماں چچی کے گھر روانہ ہوجائے گی اور ابا سفر کو چلے جائیں گے اور نو بجے نوکر چاکر سب سوجائیں گے۔ پھر کیوں نہ آئے۔ کیوں اتنی دیر لگائی۔ اجی بس آچکے وہ۔ ان کو تو چاہت ہی نہیں ہے میری ۔

رخ روشن پہ پروانے تصدق ہو رہے ہوں گے
لگائی ہوگی مہندی پاؤں میں اور سو رہے ہوں گے

(نرگس کا جانا۔ شمشاد کا سرخاب کے لباس میں آنا)

شمشاد: (خود کلامی) سناٹا۔ بالکل سناٹا۔ شکل۔ صورت۔ چال۔ ڈھال سب

سرخاب کی سی ہے۔ اب کون پہچانے گا جو دیکھے گا نرگس کا باپ ہی جانے گا۔ اگر نرگس بھی یکا یک سامنے آئے گی تو فوراً دھوکا کھائے گی۔ اے لو وہی آرہی ہے۔

نرگس: (خود کلامی) بس میں اب کبھی شمشاد سے بات نہ کروں گی۔ غضب خدا کا ایسا بے مروت انسان تو دنیا میں کوئی بھی نہیں۔

شمشاد: کیوں اے لڑکی۔ کیا تو ابھی تک سوئی نہیں۔

نرگس: ہیں۔ کیا اباجان آپ آگئے۔

شمشاد: ہاں۔ میں نے تو اپنی سواری کی گاڑی واپس پھرائی۔ مگر اس وقت تو یہاں کیوں آئی۔

نرگس: ابا جان۔ میں تو ایک بلی کو بھگانے آئی تھی۔

شمشاد: ہاں بلی کو بھگانے آئی تھی یا کسی بلے پر غصہ دکھانے آئی تھی۔

نرگس: او غضب۔ ابا نے تو سن لیا سب۔

شمشاد: آنکھ اٹھاکر، سر جھکاکر مجھے گالیاں سناتی ہے۔ بدمعاش چھوکری۔ تجھے اتنا منع کیا پھر بھی شمشاد کو چاہتی ہے۔ اب تجھے سزا دینی ضرور ہے۔

نرگس: اچھا جو سزا دیں مجھے منظور ہے۔

شمشاد: پہلی سزا تو یہ ہے کہ تو جھوٹ بولی ہے اس لیے منھ پر ٹھوسہ دیدے اور دوسرا میرے گلے سے لپٹ کر ایک مزے دار بوسہ دے۔ اگر بوسہ سے مزا پاؤں گا تو فوراً نکاح پڑھاؤں گا۔

نرگس: اباجان میں تو اب جوان.....؟

شمشاد: ہاں ہاں میں جانتا ہوں کہ اب تو جوان ہے۔ جب ہی تو مجھے تجھ سے شادی کا ارمان ہے۔

نرگس: بس بس۔ اگر آپ ایسا کہیں گے تو میں کہوں گی کہ آپ میرے باپ نہیں ہیں۔

شمشاد: ہیں چلی کہاں۔ باپ کون؟ میں تمھارے باپ کا داماد ہوں۔ اپنی نرگس کا شمشاد ہوں۔

نرگس: یا اللہ۔ کیا آپ ہیں؟ میں تو سمجھی تھی کہ.....

شمشاد: کیا سمجھی تھی اپنا باپ؟

نرگس: جاؤ جی جاؤ۔ بہت دھوکا کھایا۔

شمشاد: پیاری نرگس تم نے جو وعدہ کیا تھا اس کا وقت پورا ہونے کو آیا۔ اگر بوبک سے بیزار ہو تو قاضی کے پاس چلنے کو تیار ہو۔

نرگس: مگر کوئی سواری؟

شمشاد: آنکھیں ہماری۔

نرگس: اچھا تو میں اپنا زیور کپڑا لے کر ابھی آئی۔

شمشاد: کرم فرمایئے ؎

دل چھین لیا جان رہی نوحہ گری کو
کیا کوسیے ظالم تری اس جادو گری کو

نرگس: ؎

اک روز پری لائی تھی گلفام کو جاکے
اور آج لیے جاتا ہے گلفام پری کو

(دونوں کا گانا)

دن رتیاں نہ چھیڑو سیاں
چھانڑو بہیاں۔ دھڑ کے چھتیاں۔ پھڑکے انکھیاں۔ ہاں.....
تو لاگ موری چھتیاں
اوئی ٹوٹی رے کلیاں
بات توری ہے گھات ساری۔ تڑپت بیتی رین ساری
چلو ہٹو جاؤ۔ باتیں نہ بناؤ
جیا نہ جلاؤ۔ گلے لگ جاؤ
دن رتیاں نہ.....

شمشاد: یا اللہ۔ او میرے باپ دادا کے اللہ۔ اگر کوئی جاگتا ہو تو اونگھ جائے۔ اونگھتا ہو تو اسے سانپ سونگھ جائے۔ اگر کوئی بیدار ہو تو آفت میں گرفتار ہوجائے۔

(بوبک کا آنا)

بوبک: آداب عرض ہے جناب عالی۔ کیا آپ نے سفر کا ارادہ منسوخ کر ڈالا۔

شمشاد: تو آگیا شیطان کا سالا۔

بوبک: جناب میں یہ کہنے کو آیا ہوں کہ آپ کو جدھر جانا ہو ادھر جائیں۔ یا سفر جائیں یا گھر جائیں۔ مگر اپنی لڑکی کے ساتھ میرا نکاح ضرور کر جائیں۔

شمشاد: اب اس کا سر توڑو یا گھٹنا۔ ابے کیوں سر کھا رہا ہے الو کا پٹھا۔

بوبک: ہیں۔ سسرے ہوکر داماد سے ٹھٹھا۔ اجی اپنی لڑکی سے میرا نکاح پڑھاتا ہے یا نہیں۔

شمشاد: ابے جا۔ نہیں تو اپنی عزت کی بربادی کرے گا۔ تجھ ایسے بوڑھے سے کون اپنی جوان لڑکی کی شادی کرے گا۔

بوبک: دیکھو سسر صاحب گالی نہ دو۔ ورنہ شکر رنجی ہوجائے گی۔

شمشاد: ابے جا ورنہ مارے جوتوں کے کھوپڑی گنجی ہوجائے گی۔

بوبک: شادی کا وعدہ کرکے غراتا کیسا۔ جب بگڑ چکا میرا روپیہ پیسہ۔ تو جواب دیتے ہو ایسا؟

شمشاد: بس جاؤ۔ بھینس کی طرح نہ چلاؤ۔

بوبک: اگر شادی کا قول نہ پاؤں گا تو بھینس کیا دھوبی کے گدھے کی طرح چلاؤں گا۔

شمشاد: ابے کھوسٹ۔ کیا مجھے بھی دھمکانے آیا ہے؟

بوبک: ہاں یہ دم ڈانٹ۔ میرے پاس بھی ہیں بدمعاش اور لاٹھی۔
شمشاد: کم بخت مجھے بھی ڈراتا ہے۔ ٹھہر پہلے بندہ تجھے لاٹھی کا مزہ چکھاتا ہے۔ (مارنا)
بوبک: ارے دوڑو۔ دوڑو۔ یہ قصائی میرا قیمہ بناتا ہے۔

(بوبک کا بھاگ جانا)

شمشاد: چلو ایک کم بخت کو ٹالا۔ مگر یہ کون آرہا ہے رذالہ۔

(کریم کا آنا)

کریم: خدا کی مار۔ اس بلی نے تو سونا کر دیا دشوار۔ رات کو چوہے مارنے کو آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے پلیگ کمیٹی کی طرف سے تنخواہ پاتی ہے۔ یہ کون؟
شمشاد: یا رحیم۔ یاغفور۔
کریم: جناب کیا ہوا؟ کیا دانت میں درد ہورہا ہے؟
شمشاد: ہاں درد نے ستایا۔ اسی لیے تو میں سفر سے واپس آیا۔
کریم: آپ گھبرایئے نہیں۔ میں بازار سے تمباکو اور چونا لاتا ہوں۔ اسی کو دانت کے نیچے دبایئے۔ اور چونا گال پر لگایئے۔ آرام ہوجائے گا۔
شمشاد: ہاں ہاں جلدی جا۔ چلو اس کو بھی بھگایا۔ مگر یہ شیطان کون آیا؟

(کریم کا جانا اور رحیم کا آنا)

رحیم: کھٹمل۔ پسّو۔ مکھی۔ سب کی اس گھر میں بھرمار ہے۔ ایک منٹ کے لیے بھی آنکھ لگانا دشوار ہے۔ آپ آگئے جناب عالی؟
شمشاد: ارا را۔ اس درد نے تو میری جان نکالی۔
رحیم: کیا ہوا جناب؟

شمشاد: داب۔ داب۔ میرا پاؤں داب۔
رحیم: آپ آرام فرمایئے۔ شاید ٹانگوں میں ہوا لگ گئی ہے۔ میں سانڈے کا تیل لاتا ہوں۔
شمشاد: ہاں ہاں جلدی جاؤ۔ یہ کون بلا؟ لاحول و لا۔

(رحیم کا جانا اور بیگم کا آنا)

بیگم: اپنے گھر کی بھی کیا بات ہے۔ بھابھی کے یہاں گئی تو دو گھنٹے میں گھبرا گئی۔ نرگس کے ابا تم سفر سے آگئے؟
شمشاد: بیوی اچھا ہوا جو میں واپس آیا۔ تمھاری بیٹی کو خدا نے موت سے بچایا۔
بیگم: کیوں کیوں۔ خیر تو ہے۔ کیا خبر پائی۔
شمشاد: ابھی راستے میں ایک شخص سے یہ خبر سننے میں آئی کہ بوڑھا بوبک بالکل جنونی ہے اور دوسرے یہ کہ بھاری خونی ہے۔
بیگم: تو کیا اس نے کوئی کار زبوں کیا ہے؟
شمشاد: او بیوی۔ اس نے تو ایک سو ساڑھے چار عورتوں کا خون کیا ہے۔
بیگم: ارے ہائے ہائے۔ تو میری بچی۔
شمشاد: بچ گئی۔ قسمت کی تھی اچھی۔ اب ایسا کرو شمشاد کو بلاکر اسی وقت نرگس کا نکاح پڑھا دو۔
بیگم: اسی وقت؟
شمشاد: ہاں۔ اگر اسی وقت نہ ہوا تو صبح کو وہ بوبک جھگڑا نکالے گا۔ پیسے کے زور سے گھر بھر کو آفت میں ڈالے گا۔
بیگم: اچھا تو میں نوکر کو بھیج کر ابھی شمشاد کو بلاتی ہوں۔ (جانا)
شمشاد: داؤں چل گیا۔ کھیل کا پانسہ ہی بدل گیا۔ لو چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا۔ آپہنچا جس کا تھا کھٹکا۔ میں کیا کروں۔ ٹھیک اس کمرے میں

چھپ جاؤں۔

(شمشاد کا چھپنا اور سرخاب کا آنا)

سرخاب: (خود کلامی) لوگ سچ کہتے ہیں کہ سنیچر اور اتوار کو سفر نہ کرنا چاہیے۔ جیسے ہی کہ میں نے جانے کے لیے دروازہ کھولا۔ سامنے کے درخت سے الو بولا۔ آگے بڑھا تو کریم کو چھینک آئی۔ بازار میں پہنچا تو ایک کتے سے ٹھوکر کھائی۔ گاڑی پر بیٹھنے لگا تو ایک سپاہی نے چور سمجھ کر ڈانٹا۔ اسی وقت بلّی نے راستہ کاٹا۔ غرض کہ ایسا گھبرایا کہ پونے چھ میل سے واپس آیا۔

(نرگس کا آنا اور سرخاب کو شمشاد سمجھ کر چلنے کو کہنا۔ سرخاب کا گھبرانا)

نرگس: چلو پیارے چلو۔ اگر دیر لگاؤ گے تو کسی آفت میں پھنس جاؤ گے۔

سرخاب: نرگس۔ لڑکی کیا ہے؟

نرگس: واہ ابھی تک تمھاری چھیڑ چلی جاتی ہے۔ مجھے لڑکی نہ کہو شرم آتی ہے۔

سرخاب: اری او ناکارہ۔ تو نے آج بھنگ پی ہے یا چرس کا دم مارا۔

نرگس: اب چھوڑو بھی مذاق دل آرا۔ چل نکل میری جان میرا پیارا۔

سرخاب: اری کیا بکتی ہے ڈائن۔ چڑیل۔ مردار۔ تجھ کو شرم نہیں آتی ہے۔

نرگس: دیکھو پیارے گالیاں نہ دو۔ ورنہ بالکل بگڑ جاؤں گی۔ ناک بھی رگڑوگے تو تم سے نکاح نہ پڑھاؤں گی۔

سرخاب: اری نکاح اپنے باپ سے؟

نرگس: آپ چلتے بھی ہیں یا نہیں۔ ارے باپ رے۔ یہ تو سچ مچ میرا باپ ہے۔

سرخاب: ہیں۔ یہ کیسی بدزبانی۔ یہ تو ڈوب مرنے کی بات ہے۔ آج معلوم ہوا

کہ میری لڑکی کس قدر واہیات ہے۔

(کریم کا آنا۔ نرگس کا بھاگ جانا)

کریم: لیجیے حضور۔ یہ تمباکو دانت میں دبا لیجیے۔ اور یہ چونا گال پر لگا لیجیے۔
سرخاب: ارے کریم یہ کیا لایا؟
کریم: جو آپ نے منگایا۔
سرخاب: ابے کچھ جنون تو نہیں ہے؟
کریم: اجی جنون تو نہیں۔ رات کو سرسام ہوجاتا ہے۔ لیجیے لگائیے ابھی آرام ہوجاتا ہے۔
سرخاب: ابے تجھے کس نے کہا کہ میرے دانت میں درد ہے۔
کریم: یہ چونا تمام دانتوں کی بیماریوں میں فرد ہے۔ (جانا)
سرخاب: کم بخت۔ پاجی۔ شریر۔ بھاگ گیا۔ اگر کھڑا رہتا تو اتنے جوتے لگاتا کہ مرجاتا۔

(رحیم کا آنا)

رحیم: حضور حکیم صاحب نے کہا ہے کہ سانڈے کے تیل سے ہڈی میں ناسور ہوجائے گا۔ اسے رسی سے کس کر باندھ دو تو درد دور ہو جائے گا۔
سرخاب: وہ چونا لایا۔ یہ رسی۔ اب کتنے جوتے لگاؤں۔ پچاس یا اسی۔
رحیم: اجی اسی کیا۔ اگر درد نہ جائے تو سو جوتے لگائیے۔ پہلے پاؤں تو بندھوایئے۔ (رسی سے پاؤں باندھنا)
سرخاب: ابے یہ کیا کرتا ہے۔ ابے لنگڑے میں گر پڑوں گا۔ پاجی۔ لچے۔ حرام خور۔ کھڑا تو رہ۔

رحیم: ذرا پڑا تو رہ (بھاگنا)

سرخاب: یا خدائے تعالیٰ۔ یہ کیا گڑ بڑ گھٹالا۔

(بوبک کا دو بدمعاشوں کے ساتھ آنا)

بوبک: (سرخاب کی طرف اشارہ کرکے) ہاں اسی نے مجھے ٹھونکا ہے۔ یارو جوتے ٹوٹ جائیں تو گھونسوں سے مارو۔

سرکاب: ارے یہ کیا؟ تم کون؟ یہ کیسی جوتے کاری؟ کوئی تقصیر ہماری؟

بوبک: شریفوں کی عزت اتارنا۔ داماد گھر میں آئے تو لات گھونسوں سے مارنا۔

سرخاب: کیا میں نے مارا؟

بوبک: البتہ۔

سرخاب: غلط۔ میں تو ابھی باہر سے آیا۔

بوبک: اب مکرنا کوئی ضرور نہیں۔ ابھی کس نے کہا تھا کہ ایک بوڑھے سے اپنی جوان لڑکی کی شادی کرنا منظور نہیں۔

سرخاب: کس نے کہا۔ کوئی ثبوت لاؤ۔

بوبک: یارو۔ یہ اب مکر گیا۔ تم کھوپڑی سہلاؤ۔

سرخاب: ارے ٹھہر جاؤ۔ ٹھہر جاؤ۔ چور چور۔ زبردست چور۔

(سرخاب کا بھاگ کر اسی کوٹھری میں چھپنا جہاں شمشاد پہلے سے تھا)

شمشاد: غضب ہوا۔ سرخاب نے مجھے دیکھ پایا۔

بوبک: یارو۔ بھاگتا ہے۔ گلا دبانا۔

سرخاب: ارے ٹھہر۔ کم بخت تو کہاں چلا؟ (شمشاد کا بھاگ جانا)

بوبک: یارو مجھے بچاؤ۔ میں مرگیا۔

سرخاب: او بوبک وہ خبیث کدھر گیا؟

بوبک: کون؟

سرخاب: چور۔ ایک چور۔ بالکل میری شکل بنا کر آیا ہے۔ ہاں اب سمجھا۔ اس

نے کریم رحیم کو سکھایا ہے۔ اور تمھارا کچومر بنایا ہے۔

بوبک: اچھا تم بھی اس کا قیمہ بناؤ۔

سرخاب: ہاں ضرور بناؤں گا۔ دوڑو۔ جاؤ۔سپاہی۔ حولدار۔ جمعدار۔ کمشنر جو ملے اسے بلا لاؤ۔ کریم۔ رحیم۔

دونوں: حضور۔

سرخاب: کم بختو۔ ادھر آؤ۔

رحیم: حضور ٹانگ میں درد تو نہیں رہا؟

کریم: دانت اچھا ہوگیا۔

سرخاب: نالائقو۔ بے فکرو۔ گھر میں چور گھسا ہے۔ تمھیں کچھ فکر نہیں۔

کریم: چور؟ حضور چور؟

سرخاب: چور نہیں تو کیا تیرا باپ۔

کریم: پھر دانت میں درد ہونے لگے گا۔ زور سے تو نہ بولیے آپ۔

سرخاب: دوڑ جاؤ۔ بوبک کو پولس لینے بھیجا ہے۔ تم دونوں بھی اس کے پیچھے جاؤ۔ اب کم بخت کو اچھی طرح مزا چکھاؤں گا۔ اگر مل گیا تو بیں درجن بید، ایک برس کا جیل اور چھ مہینے کی پھانسی لگواؤں گا۔

(بیگم کا آنا)

بیگم: کیوں جی اتنی کیوں شتابی ہے۔ اگر کل نکاح ہوجائے تو کچھ خرابی ہے۔

سرخاب: کیا تو بھی مجھے داغ دے جائے گی۔ کل نکاح پڑھائے گی۔

بیگم: اچھا تو غصہ نہ ہو۔ ابھی شادی ہو جائے گی۔

سرخاب: لو یہ تو اسی وقت تیار ہے۔ اری عورت تیرے سر پر شیطان تو نہیں سوار ہے؟

بیگم: اگر اتنی جلدی ہے تو تم ہی جاکر قاضی اور دولہا کو بلا لاؤ۔

سرخاب: لو میں اس کے دولھا کو بلانے جاؤں۔
بیگم: ہاں تم لاؤ۔ میں نکاح پڑھاؤں۔
سرخاب: نکاح پڑھاؤں اری بدخصال۔ میں تیرا میاں ہوں یا دلاّل۔
بیگم: بس ہوش سنبھالو ایسی واہیات بات منھ سے نہ نکالو۔ (چلے جانا)
سرخاب: ایں یہ کیا آئی اور کیا بک گئی۔ واللہ میری تو چلاتے چلاتے زبان تھک گئی۔

(بوبک کا جمعدار کو لے کر آنا)

بوبک: جمعدار صاحب یہی ہے۔
کریم: پکڑلو۔ پکڑلو۔
سرخاب: ارے بھائیو۔ مجھے کیوں پکڑتے ہو۔ چور تو اور ہے۔
کریم: دیکھیے زبان میں کیسی صفائی ہے۔
جمعدار: تم سچ کہتے تھے کہ بدمعاش نے ہو بہ ہو سرخاب کی شکل بنائی ہے۔
سرخاب: جمعدار صاحب۔ یہ تو نافر جام ہے۔ سرخاب تو میرا ہی نام ہے۔
جمعدار: اے یہ تو میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تو یہی نام بتائے گا۔ کریم اس کی پیٹھ کھول کر دیکھو ضرور بیتوں کا نشان نظر آئے گا۔
سرخاب: لاحول ولا۔ میں تو اپنی ہی بلا میں آپ ہی گھر گیا۔

(پولس افسر کا آنا)

جمعدار: خان۔ وہ جو کل چوک میں خون ہوا تھا۔ وہ بھی اسی کی تقصیر ہے۔
سرخاب: ارے باپ رے باپ۔ یہ تو پھانسی دلانے کی تدبیر ہے۔
کریم: اور جو بچوں کو شیشی سنگھاتا ہے وہ بھی یہی ہے۔
بوبک: اب منھ کیا دیکھتے ہو۔ لے جاؤ۔

سرخاب: ارے بھائیو۔ مجھ بوڑھے بکرے کو ان قصائیوں کے ہاتھ سے چھڑاؤ۔

جمعدار۔ چپ۔

سرخاب: میں نہال کردوں گا۔ مالا مال کردوں گا۔

جمعدار: ابے چپکا چل ورنہ حلال کردوں گا۔

(سپاہیوں کا سرخاب کو پکڑ کر لے جانا۔ شمشاد کا آنا)

شمشاد: مجھے اس بیچارے سرخاب کی قسمت پر تھوڑی سی ہنسی آتی ہے۔ اور بہت افسوس آتا ہے۔ ہمیشہ مجھے پھنسانے کی کوشش کرتا ہے مگر خود پھنس جاتا ہے۔ ممکن نہیں کہ دو گھنٹہ تک پولس سے رہائی ہو۔ اب کرامت آجائے تو قسمت آزمائی ہو۔

(کرامت کا قاضی بن کر آنا)

کرامت: شمشاد۔

شمشاد: استاد۔

کرامت: بھئی واہ۔ خوب راستہ دکھایا۔

شمشاد: استاد اب نرگس کا اڑا لے جانا فضول ہے۔

کرامت: کیوں؟

شمشاد: خود اس کی ماں کو نکاح قبول ہے۔

کرامت: مگر کب؟ اور کہاں؟

شمشاد: ابھی اور یہاں۔

کرامت: کیا چال ہے۔ ذرا مجھے بھی بتانا۔

شمشاد: ارررر۔ وہ آتی ہے۔ بس اب میری ہاں میں ہاں ملانا۔

کرامت: شمشاد دیکھنا کہیں جوتیاں نہ کھلوانا۔

(بیگم کا آنا)

بیگم: بیٹاشمشاد۔ تو آیا۔ کون بلا لایا؟
شمشاد: ابھی ابا جان نے مجھے اور ان قاضی صاحب کو بھیجا۔
بیگم: بیٹا شمشاد۔ میں تجھے اپنے دل کا ٹکڑا دیتی ہوں۔ اسے دل کی طرح سنبھالنا۔ بچی کا دل نہ دکھے۔ ایسا کلمہ زبان سے نہ نکالنا۔
شمشاد: اجی میں تو اسے اپنے دل کے مندر کی دیوی بناؤں گا۔
کرامت: (سائڈ میں) تب ضرور میں جوتے کھاؤں گا۔
بیگم: نرگس۔ بیٹی نرگس۔

(نرگس کا آنا)

نرگس: جی آئی۔ آپ نے بلایا؟
بیگم: ہاں بیٹا۔ جسے تم چاہتی تھی اس سے ہاتھ ملاؤ۔ ہاں۔ قاضی صاحب نکاح پڑھاؤ۔
کرامت: (سرگوشی میں) ارے میں کیا بولوں۔
شمشاد: وہی وہی جو میں نے بتایا تھا۔
کرامت: ارے یار میں بھول گیا۔
شمشاد: ارے کچھ اور ہی کہہ دے۔
کرامت: حقہ کا پانی اور پلنگ کی چول۔ گھوڑے کی زین اور گدھے کی جھول۔ ڈھاک کا پتّا اور بکائن کے پھول۔ دشمن کی آنکھ میں خاک اور دھول۔ کیوں بی بی نکاح قبول؟
نرگس: جی۔
کرامت: میاں نکاح قبول؟
شمشاد: جی۔

کرامت: دونوں طرف سے جی۔ نکاح ہوگیا۔ تو لاؤ کھلاؤ شکر اور گھی۔

(سرخاب، بوبک، کریم اور رحیم کا آنا)

سرخاب: ہٹ جاو۔ چلے جاو۔ تمھاری بیوقوفی سے تو پولیس کی مار کھاتے کھاتے ہاتھ اور پیر ٹوٹ گئے۔ پاجی۔ شریر۔ رذالہ۔ تو میرے گھر میں کیوں آیا؟

بیگم: ہیں۔ ہیں۔ یہ کیا جھک نکالی۔ اپنے داماد کو دے رہے ہو گالی۔

سرخاب: بس تو اپنی سفارش رہنے دے۔ ایسی لمبی داڑھی مونچھ والے کو چھوڑ کر میں اس سے نکاح نہیں کروں گا۔ اور اپنی لڑکی تباہ نہیں کروں گا۔

بیگم: تم تو نشے میں بہکتے ہو۔ نکاح تو ہوچکا۔ اب کیا کرسکتے ہو۔

بوبک: کیا نکاح ہوچکا؟

سرخاب: ارے کس کے حکم سے شادی کی خام پارہ۔

شمشاد: اجی مجھ سے قصہ سنیے سارا۔ جس نے نال دار جوتوں سے اس خبیث کا بھوت اتارا۔ اور بیگم کو شادی کے لیے ابھارا۔ جس کے دھوکے میں پولس نے آپ کو بے خطا مارا۔

سرخاب: وہ شخص اصل نہیں۔

شمشاد: بندہ تھا۔

کرامت: اور یہ سب اس چڑیا کو پھنسانے کا پھندا تھا۔

سرخاب: جب تو گھر کا گھر ہی اندھا تھا۔

بیگم: چلو جی۔ جب نکاح ہوگیا تو اب پوچھ پرکھ فضول ہے۔

سرخاب: خیر باوا۔ لاچاری۔ مجھے بھی یہ نکاح قبول ہے۔

بوبک: مگر بڑے ابا مجھے تو نہیں قبول ہے۔

کرامت: چپ بے بوبک۔ (داڑھی اتار کر سرخاب سے) حضور نے مجھے پہچانا؟

سرخاب: ہیں کون حکیم دانا؟

بوبک: ارے پھر کچھ میرا ٹھکانا؟

کریم: بریلی کا پاگل خانہ۔

کرامت: آؤ بیٹا۔ ایک دفعہ اپنے ابا کے سامنے ہاتھ ملاؤ۔ (دونوں کا پھر ہاتھ ملانا) حقے کا پانی پلنگ کی چول۔ گھوڑے کی زین اور گدھے کی جھول۔ ڈھاک کا پتا اور بکائن کا پھول۔ دشمن کی آنکھ میں خاک اور دھول۔ کیوں بی نکاح قبول؟

نرگس: جی۔

کرامت: میاں نکاح قبول؟

شمشاد: جی۔

کرامت: اماں۔ باوا۔ نکاح قبول؟

سرخاب: جی۔

بیگم: جی۔

بوبک: نہیں۔

کرامت: ابے چپ بے چنڈول۔

بوبک: ارے چپ کیا۔ مجھے بھی قبول۔

کرامت: چلو اب لاؤ نقل اور میرے حق کے پانچ آنہ۔

بوبک:۔

کس کے آگے دکھڑا روئیں کس کے آگے گائیں
دکھ سہیں بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں

(سب کا مل کر گانا)

رنگ رلیاں۔ کرو خوشیاں
مل مل شاداں۔ مل مل شاداں
گل اور بلبل کا جوڑا بنا۔ ہاں جوڑا بنا

ہو ارررا۔ ہوا ررر
ہوں میں حیران
اہاہا آہ۔ اہاہا آہ۔ ہاہا
چل پرے ہٹ۔ چل پرے ہٹ
دور ہو شیطان
جاتے ہیں سب کو آداب و سلام

باب تیسرا ـــــــ سین تیسرا

دربار

(نادر کا تخت پر بیٹھے ہوئے نظر آنا)

نادر: جاؤ۔ اس سانپ کے بچے کو میرے سامنے لاؤ۔ (سنجر کا پابہ زنجیر دربار میں لایا جانا) اخاہ۔ بادشاہ سلامت۔ تشریف لائیے۔ حضور تاج کیا ہوا جو ننگے سر آئے؟

سنجر: تاج کی تم ایسے محتاجوں کو ضرورت ہے۔ ہمارا تاج ہماری شاہانہ صورت ہے۔

نادر: کیا معنی؟

سنجر: تاجدار کسی حالت میں آئے تاجدار ہی سمجھا جاتا ہے۔ چاند سر پر ٹوپی نہیں رکھتا ہے جب بھی ستاروں کا بادشاہ کہلاتا ہے۔

جس کو عزت دی خدا نے وہ سدا مقبول ہے
پھول مرجھایا ہوا ہو بھی تو بھی وہ پھول ہے

نادر: جزاک اللہ۔ کیا معقول بات ہے۔ تاج گیا۔ سلطنت گئی۔ مگر شیخی اور لن ترانی ابھی تک ساتھ ہے۔ جتنی زبان چلتی ہے اگر اتنی تلوار چلائی ہوتی تو آج قسمت تجھ کو اس ذلیل حالت میں میرے سامنے نہ لائی ہوتی ؎

نہ تخت ہے، نہ بخت ہے، نہ لشکر و سپاہ ہے
نہ آن ہے، نہ بان ہے، نہ وہ غرور و جاہ ہے

نہ کوئی جائے امن ہے، نہ گوشۂ پناہ ہے
نہ کوئی درد مند ہے، نہ کوئی خیر خواہ ہے

سنجر: یہ انقلاب زمانہ کا دستور ہے۔ بہار کے بعد خزاں اور رات کے بعد دن کا آنا ضرور ہے ۔

کون قسمت سے سدا عیش لکھا لایا ہے
جاہ و اقبال بھی چلتا ہوا اک سایہ ہے
کوئی گردش سے زمانہ کے نہیں بچتا ہے
چاند سورج و بھی اک روز گہن لگتا ہے

نادر: ۔

باعث نخوت ہے ذلت گردش عالم نہیں
دم نہیں اور پھر سمجھنا ہم کسی سے کم نہیں
چل رہی ہے چرخ کی چکی اگر سب کے لیے
کیا سبب ہے تو تو اُس میں پس گیا اور ہم نہیں

سنجر: ٹھہر جا۔ کیوں گھبراتا ہے۔ تیری بربادی کا وقت بھی قریب آتا ہے ۔

نادر و چنگیز اور ضحاک سارے ظلم راں
نام جن کا سن کے اب تک کانپ اٹھتا ہے جہاں
جب مٹانے کو ہوا تیار ان کے آسماں
قبر تک باقی نہ رکھی اس طرح کھویا نشاں

نادر: حیوانوں کی طرح بدزبانی۔

سنجر: شیطانوں کی طرح بے ایمانی۔

نادر: عقل ہے تو انجام پر نظر کر۔

سنجر: بندہ ہے تو خدا کا ڈر کر۔

نادر: دیکھ تو قید میں ہے اور لاچار ہے۔

سنجر: لاچاروں کی مدد کرنے والا وہ پاک پروردگار ہے۔

نادر:	اسی نے مجھے تجھ پر قابو دیا ہے۔
سنجر:	وہی تجھ پر موت اور جہنم کو قابو دے گا۔
نادر:

ادب کر ورنہ بے رحمی چھری لے کر کھڑی ہوگی
مرے قدموں کے آگے یہ زبان کٹ کر پڑی ہوگی

سنجر:

گر یہی ناپاک ارادے ہیں دل سفاک کے
تیرے بھی وہ حال ہوں گے جو ہوے ضحاک کے
آج جن ہاتھوں سے میری کاٹتا ہے تو زباں
کل انھیں کو کاٹ کے کھائیں گے کیڑے خاک کے

نادر:	بس بے ادب خاموش۔
سنجر:	دکھلا بزدلوں کو یہ خروش۔
نادر:	پھر سر اڑا دوں گا تیرا۔
سنجر:	پھر بھی رہے گا دل میں جوش۔
نادر:	سرد بن مت گرم ہو۔
سنجر:	نامرد ہے جو نرم ہو۔
نادر:	آگ ہوں غصے سے میں۔
سنجر:	جا ڈوب مر گر شرم ہو۔
نادر:	آگئی تیری قضا۔
سردار ا:	بس او ناسزا۔

(سرداروں کا چاروں طرف سے نادر کو گھیر لینا)

نادر:	موذی۔
سردار ۲:	ٹھہر۔

نادر: باغیو۔

(قزل کا چند افسروں کے ساتھ آنا اور نادر کو گرفتار کرنا)

قزل: بس پھینک خنجر۔

نادر: یہ بغاوت۔

قزل: ہو ذرا جنبش ذرا تو کاٹ لو ناپاک سر۔

سنجر: دیکھا خدا اپنے مظلوم بندوں کو اس طرح بچاتا ہے۔

نادر: دغا۔ شرم ناک دغا ۔

مٹی میں مری کوشش و امید ملا دی
افسوس مجھے فوج و رعایا نے دغا دی

قزل: اب کیوں پچھتاتا ہے۔ جو دغا دیتا ہے وہی دغا پاتا ہے ۔

کل جگ نہیں کر جگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے

سنجر:

دنیا کا سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

ماموں: سنجر اب کیا دیر ہے۔ سانپ بھی موجود ہے اور لوہے کی لاٹھی بھی سر کچلنے کے لیے تیار ہے۔

وہ سزا دیجے کہ عبرت ہو زمانہ کے لیے

قزل: پھینک دو ناپاک سر کو ٹھوکریں کھانے کے لیے۔

اقبال: رحم رحم۔ اچھے قزل رحم۔

قزل: حضور آپ اس پر رحم نہ کیجیے۔ اگر آپ کی یہ مرضی ہے کہ دنیا کچھ دنوں آرام سے جیے تو اس کو مرنے دیجیے۔

اقبال: یہ نہ کہو قزل۔ سنجر میں نے تمھاری خاطر اپنے باپ کی مرضی کے

خلاف کام کیا۔ اچھا تو میری خاطر تم اپنی مرضی کے خلاف نہ کروگے؟ نہیں نہیں۔ خدا نے تمھیں رحم دل پیدا کیا ہے۔ اس لیے ضرور بخش دوگے۔

سنجر: قزل بخش دو اس کی جان۔

ماموں: سنجر اس کا قصور ناقابل معافی ہے۔

سنجر: بس آج سے یہ اپنی باقی زندگی قید میں کاٹے۔ یہی سزا اس کے لیے کافی ہے۔ بس اسے ہٹاؤ۔ میرے سامنے سے لے جاؤ۔

نادر:

قدرت نے دی تھیں آنکھیں پر کچھ نہ دیکھا بھالا
لعنت ہو اس ہوس پر جس نے قفس میں ڈالا

اقبال: زینت عالم۔ آیئے۔ یہ عزت کا تاج پہن کر تخت پر بیٹھیے اور انصاف کا سکہ چلایئے۔

سنجر: جن ہاتھوں سے 7 عنایت کیا ہے، ان ہاتھوں کو بھی مرحمت فرمایئے۔

وفا و حسن کی دیوی ہو تم اور میں پجاری ہوں
میں صدقے، کہہ دو ہونٹوں سے تمھاری ہوں تمھاری ہوں

اقبال: تمھاری ہوں۔

ماموں:

اوج فلک پر،فرش سمک پر جب تک چاند ستارے چمکیں
دونوں جہاں میں کون و مکاں میں نام اور کام تمھارے چمکیں

(سب کا مل کر گانا)

گاؤ بجاؤ سبھی مل آج
شہا کے سرپر مبارک ہو تاج

ہیں رباب، ستار، تنبور، پکھاوج
باجا بجے سبھی ساز.....گاؤ بجاؤ.....
آن بان سے، ٹھمک تان سے، تین گرام سے
سبھی باجیں سبھی ساز
ناچو گاؤ۔ سب خوشیاں مناؤ۔ خوشیاں مناؤ اور ناچو
گت راگ۔سانی۔ دھاپا۔ نی دھا۔ پاما۔ گاما۔ گارے سا
ماگا۔ ماگارے۔ سا۔ دھا۔ کٹ۔ تک دُھم
کِٹ تِک۔ کڑاں دھاں۔

-پردہ-